اسلامی عقائد اور ارکان کا قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیلی مطالعہ

# عقائد و ارکان

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

مکتبہ جمال کرم لاہور

marfat.com

اسلامی عقائد اور ارکان کا قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیلی مطالعہ

# عقائد و ارکان

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

وائس چانسلر انڈیپنڈنٹ یونیورسٹی فیصل آباد

مکتبہ جمال کرم 9. مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور

Voice: 92-42-7324948 Mobile:0321-4300441

marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| نام کتاب | عقائد و ارکان |
| مولف | پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی |
| تعداد | گیارہ سو |
| سن اشاعت | اپریل 2006ء |
| صفحات | 504 |
| زیر اہتمام | ایم احسان الحق صدیقی |
| ناشر | مکتبہ جمال کرم لاہور |
| قیمت | 200 روپے |

ملنے کا پتہ

مکتبہ جمالِ کرم

9۔مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ ○ لاہور

042-7324948,0321-4300441


marfat.com

# فہرست


| صفحہ نمبر | عنوانات | نمبر شمار |
|---|---|---|
| 4 | انتساب | (۱) |
| 5 | عرض ناشر | (۲) |
| 8 | حرف آغاز | (۳) |
| 13 | **عقائد اسلام** | |
| 23 | اللہ تعالیٰ پر ایمان | (۱) |
| 41 | اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان | (۲) |
| 53 | اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان | (۳) |
| 75 | اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان | (۴) |
| 101 | آخرت پر ایمان | (۵) |
| 121 | تقدیر پر ایمان | (۶) |
| 129 | **ارکان اسلام** | |
| 139 | الشہادتین | (۱) |
| 153 | الصلوٰۃ ........... نماز | (۲) |
| 253 | الزکوۃ ........... زکوٰۃ | (۳) |
| 285 | الصوم ........... روزہ | (۴) |
| 365 | الحج ........... حج | (۵) |


marfat.com

# انتساب

جدامجد حاجی محمد حسین قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام، جن
کی تقویٰ شعار، راست رو اور بے غبار شخصیت نے
اسلامی تعلیمات کی عظمتوں سے آگہی کا قرینہ عطا کیا۔

marfat.com

# عرض ناشر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی علمی اور تحقیقی حلقوں میں منارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ نے وطن عزیز میں، عربی زبان وادب کے لئے بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔تدریسی ذمہ داریوں کے علاوہ آپ نے مختلف انتظامی عہدوں پر بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کو منوایا ہے۔ڈائریکٹر ایجوکیشن فیصل آباد ڈویژن اور وائس چانسلر محی الدین اسلامی یونیورسٹی آزاد کشمیر کی حیثیت سے انجام دیئے گئے کارہائے نمایاں آپ کی بے پناہ صلاحیتوں کا کھلا اعتراف ہیں۔''مرکز تحقیق فیصل آباد'' کے بانی اور صدر کی حیثیت سے آپ کی زیر نگرانی ہونے والے تحقیقی کام، محققین کے لئے رہنما خطوط ثابت ہوں گے۔کثیر الجہات صلاحیتوں کی حامل اس نابغہ روزگار شخصیت کی یہ کتاب شائع کرنے کا اعزاز مکتبہ جمال کرم کو حاصل ہورہا ہے۔مجھ پر آپ کی یہ کرم فرمائی یقیناً اس محبت کا کرشمہ ہے، جو ڈاکٹر صاحب کو میرے استاذ و شیخ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔

عقیدہ کی حیثیت بیج کی سی ہے۔ارکان اس عقیدہ کے مظہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان دونوں کی توضیح وتشریح میں ذات رسالت مآب ﷺ کی حیثیت ہی مرکزی ہے۔آپ کی اس مرکزی حیثیت کو اس کتاب میں نمایاں کیا گیا ہے۔اور واضح طور پر اس حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے کہ عقیدہ اور ارکان دونوں کی روح اور جان آپ کی ذات اقدس ہے۔اس اعتبار سے یہ کتاب اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتب سے نمایاں ہو جاتی ہے یقیناً اردو ادبیات میں یہ کتاب ایک نادر اضافہ ہے۔

marfat.com

مفکر اسلام ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی 504 صفحات پر مشتمل یہ کتاب اسلامی عقائد اور ارکان کے حوالہ سے ایک بصیرت افروز تحریر ہے۔ اس میں آپ نے قرآن اور احادیث نبوی کو بنیاد بنایا ہے۔ اور پھر اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کو سمجھانے کے لئے زندگی بھر کا مطالعہ اور تدریسی تجربہ آسان اور سادہ الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب مصنف کے ذوق و شوق علم کے علاوہ رسوخ فی العلم کی عکاس بھی ہے۔ تالیفات کی بھرمار کے اس دور میں اس تحقیق انیق کو یقیناً اپنے اسلوب بیان کے حوالہ سے تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب عام قاری اور کالجز و یونیورسٹیز کے طلباء کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس کی اشاعت کے سلسلہ میں ہونے والی خطاؤں سے آگاہ کریں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کو دور کیا جا سکے۔ انسانی بساط کی حد تک اس کتاب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کی آراء کا منتظر

ایم احسان الحق صدیقی

marfat.com

# حرف آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الطَّاهِرِیْنَ وَاَوْلِیَاءِ ہِ الْکَامِلِیْنَ، اَمَّابَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ○ (آل عمران: ۸۵)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا نائب اور اپنی قدرت و حکمت کا مظہر بنا کر بھیجا۔ مخلوق جس کی تعداد اور اقسام کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، میں بنی آدم کو سب سے زیادہ شرف و فضلیت سے نوازا اور شعور و اختیار کی عظمت و امتیاز سے سرفراز کیا۔ ملائکہ جو ہمہ تن حاضر باش اور اطاعت شعار ہیں، نے اختیار و قوت کی موجودگی اور شاید عناصر کی بوقلمونی کا احساس کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ وجود بشری تو فساد و غارت گری کا سبب بنے گا۔ خالق کائنات کا جواب کسی عتاب یا تردید کے حوالے سے نہ تھا صرف یہ ارشاد فرما کر خاموش کر دیا گیا کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۳۰) یعنی میں وہ سب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے پھر انسان اول کو زمین پر آباد ہونے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ تَمَکُّنْ فِی الْاَرْضِ یعنی زمین پر بسانے کے اس عمل میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ جاؤ کہ

وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ○ (البقرۃ:۳۶)

ترجمہ: ''اور تمہارے لیے زمین میں قرار گاہ ہے اور قیامت تک کے لئے

marfat.com

سامانِ زیست موجود ہے۔''

ان اعلانات سے واضح ہوا کہ عالم بشریت کو معلوم مقاصد کے تحت تخلیق کیا گیا اور زمین کو ان کی آماجگاہ اور ضرورتوں کی کفالت کا ذریعہ بنایا گیا جن کا فرشتے اس وقت ادراک نہ کر سکے، وہ مقاصد کیا تھے؟ قرآن وحدیث کے اشارات سے ان کی نشاندہی ہوتی ہے۔ان میں ایک مقصد تو واضح طور پر بیان ہوا،ارشاد ہوا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذریٰت:۵۶)

ترجمہ:''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا''۔

انسان کی تخلیق کا یہ بنیادی مقصد ہے کہ وہ اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو خالق و مالک کے حضور یوں پیش کرے کہ اس کا وجود سراپا اطاعت بن جائے۔حکم بھی اسی اطاعت شعاری کا دیا گیا،ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرة: ۲۱)

ترجمہ:''اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا اس لئے کہ تم متقی بن جاؤ۔''

انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام کا سلسلہ رشد و ہدایت،اسی عبادت و اطاعت کی تلقین کرتا رہا۔عبادت صرف چند ظاہری اعمال کی ادائیگی کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کی مجموعی روش اور ہمہ پہلو رضاء رب کی جستجو ہے اور یہ کہ عبادت صرف زبان سے نہیں ہر ہر عضو بدن سے ہے، اطاعت شعار انسان کی ذاتی زندگی، معاشرتی روش اور معاشی رویہ، اطاعت و تسلیم کا آئینہ دار ہوتا ہے، یوں کہ ہر عمل، ہر ادا بلکہ ہر ذہنی و قلبی میلان، خوشنودگی حق کی تڑپ لئے ہوتا ہے۔یہ وقتی لمحاتی یا کسی خاص دور کے لئے خاص رویہ نہیں بلکہ یہ تو وہ ذہنی میلان ہے جو ازل سے انسان کا مطلوب ہے، قرآن مجید

marfat.com

نے اس آفاقیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی تھی کہ

"شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِیٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰٓى اَنْ اَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ"

(الشوریٰ: ۱۳)

ترجمہ: ''اس نے یعنی پروردگار عالم نے تمہارے لئے اس دین کو مقرر فرما دیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور جس کا ہم نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ سب اس دین کو قائم رکھیں اور اس بارے میں تفرقہ میں نہ پڑیں''۔

معلوم ہوا کہ ابتداء نسل آدمؑ سے دین ایک ہی ہے۔ اسی کی حفاظت و پاسداری کا ہر قوم و نسل کو حکم دیا گیا ہے، اس وابستگی کے حکم کے ساتھ یہ بھی تاکید کی گئی کہ اس اتحاد کی روش سے انحراف نہ کیا جائے اور اختلاف کی راہیں نہ نکالی جائیں۔ دین، نسل آدم علیہ السلام کے لئے اتحاد کا داعی ہے، تفرقہ و اختلاف کا موجب نہیں، یہ تو معاشرتی امتیازات اور معاشی عدم توازن کا نتیجہ ہے کہ مادی خواہشات اور دنیاوی اغراض نے انسان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اسی لئے اس افتراق پر تنبیہ فرمائی گئی:

اِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

(الانعام: ۱۵۹)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو فرقہ فرقہ کر دیا اور وہ گروہ گروہ ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

امت مسلمہ کو یہی درس دیا گیا تھا کہ وہ ماضی میں بکھر جانے والی قوموں کی طرح نہ ہو جائے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والے قافلۂ انسانیت کے ہر اس ہادی کو تسلیم کرے جسے یہ منصب عطا کیا گیا اور ان میں سے ایک ایک کی

marfat.com

عظمت کا اعتراف کرے، حکم ہوا:

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰھٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَآ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ○ (البقرہ: ۱۳۶)

ترجمہ: ’’کہہ دو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا اور جو انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا، ہم ان میں کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی پروردگار کے سامنے جھکنے والے ہیں‘‘۔

سب کو تسلیم کرنا، سب کی دعوت کو حق سمجھنا اور یہ کہ ایک ایک کی عظمت پر شہادت دینا، ایمان کا تقاضا ہے، اپنے خالق کے سامنے جھکنے والوں کا یہی شیوہ ہے اور یہی اتحاد نسل انسانی کی اساس ہے۔

معلوم ہوا دعوت وارشاد کا سارا سلسلہ معتبر ہے۔ اس میں کسی ایک کا انکار صرف ایک کا انکار نہیں، ہدایت کے علمبرداروں کے سارے سلسلے کا انکار ہے اور یہ کہ ایسا کرنے والا نہ اطاعت شعار ہے نہ فرماں بردار، نبی اکرم ﷺ اس سلسلہ نور و نکہت کے خاتم ہیں کہ ہدایت کا یہ الہامی پیغام آپ ﷺ کی ذات پر مکمل ہوا اور ہمیشہ کے لئے پسندیدہ قرار پایا، ارشاد ہوا:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا. (المائدہ: ۳)

ترجمہ: ’’آج کے روز میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم

marfat.com

پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"۔

اسلام ہی وہ دین ہے جس کو رضائے پروردگار حاصل ہے، جس پر نعمتیں تمام ہوئی ہیں اور جو نبی اکرم ﷺ کی آمد پر مکمل ہو گیا ہے، خاتم النبیین ﷺ نے اظہارِ نبوت کی تیئیس سالہ زندگی میں اسی دین کو انسانوں تک پہنچایا، حقائق یہ ہیں کہ قرآن مجید کی صورت میں دین کی تعلیمات حرفی پیراہن میں ابدی ہدایت کا ذریعہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے وجود محترم میں اس پیغام کی عملی تعبیر موجود ہے۔ اب رضائے الٰہی کا پیکر حسین دیکھنا ہو تو وہ ذات رسالت ﷺ میں جلوہ گر ہے اور اگر ارشادات ربانی کا حسن و جمال محسوس کرنا ہو تو وہ قرآن مجید کے حرف حرف سے عیاں ہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں گزاری جانے والی زندگی کامیاب و بامراد ہے۔ ان تعلیمات کا حسن ان کی ہمہ گیری ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ نظر انداز نہیں ہوا۔ انسان جسم و روح کا پیکر ہے۔ اسی لئے نہ جسم کے تقاضوں سے صرف نظر کیا گیا اور نہ روح کے تقاضے پس پشت ڈالے گئے۔ ایک مکمل انسان مطلوب ہے اس لئے یک طرفہ فیصلے نہیں ہوئے۔ اسلامی عقائد و ارکان کی فہرست پر غور کریں تو واضح ہو گا کہ اسلامی تعلیمات میں حیات انسانی کی ضروریات کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور اس کی منزلت اور شرافت کا بھی، یہ تعلیمات ہر دور کے انسان کی ضرورت ہیں اس لئے ہر دور میں اس حوالے سے محنت کی گئی اور گراں قدر تالیفات وجود میں آئیں۔ کچھ عرصہ سے یہ احساس ابھر رہا ہے کہ تعلیمات اسلام کے اساسی مباحث پر خصوصی توجہ دی جائے اس لئے کہ عصر حاضر کی مادی یلغار نے انسان کو بند گلی کا اسیر بنا دیا ہے۔ اور یہ بھی کہ بعض مصلحین نے اس کا مداوا کرنے کے لئے کچھ ایسے انداز اپنائے ہیں جو خود بامراد نہیں۔ کہیں عقائد کا سلسلہ ناروا اور خود ساختہ نظریات کی زد پر ہے تو کہیں اعمال کا حسن، من پسند تاویلات کی سہولت پسندی سے گہنا گیا ہے، مشرقی ممالک میں تن آسانی

marfat.com

کی بے حرکتی ہے تو مغربی ممالک میں عقائد کا جھول نمایاں ہے۔

اس انتشارِ فکر و عمل کا مداوا کرنے کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مختصر مگر جامع کتاب تحریر کی جائے جو عقائد وارکان اسلام کے تمام گوشوں پر محیط ہو مگر اس میں طوالت کی اکتاہٹ نہ ہو۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ تو ارباب علم ہی کریں گے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ یہ مختصر نوشتہ صرف ابتدائی معلومات کو قاری تک پہنچانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ یہ کوئی تحقیقی مقالہ یا فقہی مباحث پر مشتمل تقابلی جائزہ نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ رب کریم اپنے محبوب کریم معلم انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے، ملت السلامیہ کو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا...... عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
فیصل آباد

marfat.com

# كتاب العقائد

- اللہ تعالیٰ پر ایمان
- اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان
- اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان
- اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان
- آخرت پر ایمان
- تقدیر پر ایمان

marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کائنات ارض وسماء جو رنگا رنگ مظاہر کی کہکشاں ہے، کب پیدا کی گئی؟ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس کے لا متناہی سلسلوں کا انتظام کس طرح ترتیب پاتا ہے؟ اسے کب تک برقرار رہنا ہے؟ یہ ابھرتے ڈوبتے مناظر کیا ہیں؟ یہ سلسلہ روز وشب کس کے حکم کا پابند ہے؟ موت وحیات کس کے اختیار میں ہیں؟ انسان خود کیا ہے؟ اس کی گرد وپیش محیط کائنات میں حیثیت کیا ہے؟ انسان آزاد ومختار ہے یا مجبور وپابند؟ یہ اور ایسے بے شمار سوال انسان کو اپنی گرفت میں لیتے رہتے ہیں، اس لئے وہ کسی برتر وجود کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے تاکہ ان سوالوں کا جواب تلاش کر سکے۔ اس تلاش میں اس کے اندر کارفرما دو جذبے یعنی محبت اور خوف اس کو تحریک دیتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی امید ومحبت کے داعیات کے تحت برتر وجود کی جستجو کرتا ہے تو کبھی خوف ودہشت اسے ایسا وجود تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

کیا یہ جستجو اور یہ تلاش کسی مستقل اور پائیدار یقین پر منتج ہوئی؟ کیا وحدت فکر اور توحید نظریات کا مژدہ انسان کی قسمت میں ہوا؟ مادیت کے حوالوں سے جستجو کرنے والوں کی تلاش ہنوز جاری ہے اور ماورائیت کے سہارے تعبیر کائنات کا عمل ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے، ہر جستجو کا انجام ابہام اور ہر تلاش کی منزل اوہام ہی رہی ہے، یہ اس لئے ہوا کہ انسان نے اس سوچ اور فکر پر انحصار کیا جو خود نا تمام ہے، اگر وہ اس راہنمائی کو اپنی تلاش وجستجو کا امام بنا لیتا جو کائنات کے پیدا کرنے والے نے اس کی راہبری کے لئے خود متعین کر دی تھی تو دربدری کا یہ وبال نہ ہوتا، وہ لوگ بڑے خوش قسمت نکلے جنہوں نے راہ حیات کو اجالنے کے ئے نور الہام کو اپنا راہنما بنا لیا، انہیں یہ اعتماد حاصل رہا کہ الہامی راہنمائی نے ان کے ان گنت سوالوں کا مربوط جواب فراہم کر دیا

marfat.com

ہے، انہیں یقین رہا کہ ان کا خالق، رب بھی ہے اور مدبّر کائنات بھی، وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی، وہ ہدایت دینے والا بھی ہے اور راہ ہدایت پر چلنے کی سہولت عطا کرنے والا بھی، حقیقت یہ ہے کہ رحیم و کریم خالق نے تخلیق کے ساتھ ہی راہبری و راہنمائی کا اہتمام فرما دیا، فرستادگان ہدایت کا ایک مقدس سلسلہ قائم فرمایا تا کہ انسان بھٹکنے اور بہکنے سے محفوظ رہے مگر بسا اوقات انسان نے اس سلسلہ ہدایت سے روگردانی کی، نارسائی سے، غلط سوچ سے یا بغاوت کے وبال سے مفادات میں اسیر انسان ان راہنماؤں کی ہدایات سے محروم رہا جو خالق کائنات کی جانب سے اس کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے، وہ یہ بھولتا رہا کہ انسانی فکر کس قدر بھی مستقیم ہو، غور و فکر کی عادت کس درجہ بھی پختہ ہو، لغزش قدم کا خطرہ باقی رہتا ہے، اس خطرے سے حفاظت صرف اور صرف اس راہنمائی سے نصیب ہوتی ہے جو فرستادگان ہدایت کے اقوال و اعمال سے حاصل ہو، اس لئے کہ یہی وجودانِ محترم ہیں جنہوں نے انسانی فکر کو راستی عطا کی، کائنات کے راز سمجھائے اور خالق کی پہچان بتائی۔ انہوں نے ہی زندگی کو تعبیر عطا کی اور زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا فرمایا، یہی وہ ہادی تھے جنہوں نے سفر حیات کے اندھیروں سے نجات دلائی اور ہدایت کے نور سے زندگی کو منوّر کیا، تاریخ انسانی کا ورق ورق شہادت دے رہا ہے کہ انسان میں جو صلاحیتیں نیکی، فلاح اور اصلاح کے فروغ کا باعث بنیں وہ ان راہنمایان انسانیت کے فیض کا نتیجہ ہیں۔ اس گروہ قدسیاں کو ہی انبیاء کرام و رسولان عظام علیہم السلام کہا جاتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات نے انسان کو یقین دلایا کہ

☆ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے کہ وہی خالق ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس نے کائنات کو کب پیدا فرمایا کہ سلسلہ تخلیق کی ابتداء انسانی فہم کے احاطہ میں نہیں آتی۔ مخلوق کی تخلیق کا مقصد اس کی

marfat.com

خالقیت کا اظہار ہے۔ جو کچھ موجود ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے یا محسوس ہوتا ہے اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

☆ نظم کائنات اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب تک چاہے گا اسے برقرار رکھے گا۔

☆ مناظر فطرت جیسے چمکتا سورج، دمکتا چاند، ٹمٹماتے تارے، پھوٹتے چشمے، کھلتے ہوئے پھول، گردش لیل ونہار، روشنیوں کی چکا چوند اور اندھیروں کا محیط سایہ سب اس خالق کی قدرت کے مظاہر ہیں۔

☆ انسان، خود اسی کی تخلیق ہے، یہ شہکار وجود ہے، اس کو پروردگار نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ آنکھ، کان، ناک، دل، دماغ اسی کی عطا کا اظہار ہیں کہ ان سے وہ دیکھنے، سننے، سونگھنے، محسوس کرنے اور سوچنے کا کام لیتا ہے، رب کائنات نے ہی وجود عطا کیا اور اسی نے اس کو قائم رہنے کی صلاحیت اور سہولت بخشی، نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا شعور دیا، تلاش ومحنت سے ایجادات واکتشافات کی صلاحیت دی اور یہ کہ دیگر تمام مخلوق پر فضیلت دی، عقل وشعور سے مخفی خزانوں کی دریافت کا حوصلہ دیا اور زندگی کو پر بہار اور باوقار بنانے کی ہمت دی۔

☆ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ جسم کی رونق اس قوت سے ہے جسے روح کہا جاتا ہے، جسم کی حفاظت، قوت اور پرداخت سے زیادہ ضروری روح کا استحکام اور جلا ہے۔

☆ احکام خالق کو تسلیم کرنے سے دنیا بھی پر بہار رہتی ہے اور بعد کی یعنی آخرت کی زندگی بھی کامیاب ہوتی ہے۔

ہدایت وراہنمائی کا یہ سلسلہ انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہو گیا تھا کہ رحیم وکریم خالق نے انسان کے لئے روز اول سے ہی ہدایت کا اہتمام فرما دیا تھا۔ نسل انسانی بڑھنے لگی تو راہنمائی کی حدود بھی وسیع تر ہوتی

marfat.com

گئیں، آبادی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد بڑھتی گئی، ہر قوم اور ہر عہد میں رسولان گرامی علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے، قرآن مجید نے ہدایت کے اس عموم کا یوں تذکرہ کیا:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (الفاطر: ۲۴)

ترجمہ: اور کوئی امت نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہوا ہو۔

یہ سلسلہ یونہی جاری رہا حتی کہ انسانیت تربیت کے ضابطوں کے مطابق ہدایت کے اس اعلیٰ معیار کے قابل ہوگئی کہ اب اسے دائمی صحیفہ ہدایت اور عظیم تر داعی حق سے نوازا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انبیاء کرام علیہم السلام کے آخر میں رسول معظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور الہامی راہنمائی کی تکمیل ہوئی، روز آخر تک تمام انسانوں کو اسی ہادی اور اسی ہدایت کا پابند کر دیا گیا، ہدایت کے اس آخری پیغامبر ﷺ کو تسلیم کرنے والے شرف انسانیت سے بہرہ مند ہوئے اور اطاعت شعار کہلائے۔

حضور اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والے، آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کے احکام کو تسلیم کرنے والے مومن کہلائے یعنی ایمان لانے والے، ایمان میں قلبی حوالہ معتبر ہے کہ دل اس کی گواہی دے جس کا اعلان کیا جا رہا ہے، ظاہری رویوں سے تسلیم و رضا کا خوگر مسلم کہلایا اس لئے کہ وہ اطاعت کا برملا اظہار کر رہا ہے، اسلام وہ کیفیت ہے جس میں تسلیم و رضا واضح ہو اور جھک جانے کا عمل نظر آنے لگے۔ ایمان اور اسلام عموماً ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں اگرچہ ان کے لغوی و اصطلاحی مفہوم میں بعض امتیازات موجود ہیں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایمان اور اسلام تقریباً ہم معنی استعمال ہوئے ہیں مثلاً:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس: ۸۴)

ترجمہ: ''اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو۔'' اور

marfat.com

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (الروم: ۵۳)

ترجمہ: ”کہ تو سناتا ہے اس کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتا ہے، پس وہ مسلمان ہیں“۔

اس قرب معنیٰ کے باوجود یہ فرق کیا جاتا ہے کہ اسلام کا اعلان زبان سے ہوتا ہے اور ایمان کا دل سے، اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت، مسند احمد میں موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْاِسْلَامُ عَلَانِیَةٌ وَالْاِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ (۱)

ترجمہ: ”اسلام اعلان ہے اور ایمان دل میں ہوتا ہے“۔

قرآن مجید نے بھی اسلام اور ایمان کے اس فرق کو بڑے واضح طور پر بیان کیا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِی قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات: ۱۴)

ترجمہ: ”اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لائے، کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم اسلام لائے، ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا“۔

پس مومن وہ ہے جو احکام تسلیم کرے اور دل سے ان پر یقین کرلے جبکہ احکام پر مشتمل طریق زندگی کو اپنانے والا مسلم کہلاتا ہے اور اسی طریق زندگی کو اسلام کہا جاتا ہے۔ ایمان لانے والے پر جن بنیادی امور کو ماننا لازم ہے ان کو ایمانیات کہتے ہیں، یہ چونکہ مضبوط ترکیفیت کا نام ہے اس لئے اسے عقیدہ کہا گیا، ظاہری اعمال کی وہ تمام صورتیں جن پر عمل لازم ہے، ارکان (واحد رکن) کہلاتی ہیں، یوں کہا جاسکتا ہے کہ تسلیم کے لئے وہ امور جن کے بغیر ایمان کا وجود نہیں عقائد ہیں اور وہ اعمال جن پر عمل کرنے سے عقائد کا ثبوت مہیا ہوتا ہے ارکان ہیں۔

عقائد وارکان پر دین اسلام کی عمارت قائم ہے، ان کا زبان سے اقرار اور دل سے ان کی تصدیق ضروری ہے اس لئے کہ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

---

(۱) مسند احمد، جلد ۲ ص: ۱۲۵

marfat.com

''یعنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق'' کے اجتماع ہی سے دین مکمل ہوتا ہے، تصدیق یعنی صداقت یا سچے ہونے کا اعتراف، مسلمان کی زندگی کا جوہر ہے۔

## بنیادی عقائد

دین طریق حیات ہے، انسان جن خیالات وتصورات کے حوالے سے اور جس انداز کے مطابق زندگی گزارتا ہے وہ خیالات وتصورات اگر واضح ہو جائیں اور وہ انداز اگر مرغوب ہو جائے تو یہی اس کا دین ہے، اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ایسا دین ہے جو زندگی بھر کے لئے مربوط ضابطہ ہے اور ہر حالت میں راہنما ہے، زندگی کی وسعتوں اور میلانات کے ان گنت مظاہر کے باوجود چند اساسی امور ہیں جن پر تعمیر سیرت کا انحصار ہے، یہی بنیادی امور عقائد کہلاتے ہیں جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہے۔

عقائد کا واحد عقیدہ ہے اور عقیدہ کا کلمہ ''عقد'' سے ہے، عقد کا معنی مضبوط کرنا یا قوت سے باندھنا ہے، اس لئے عقیدہ ایسا یقین ہے جو مضبوط اور بے حد پختہ ہے، یہ ضمیر کا وہ بندھن ہے جو سراپا قوی ہے اور یہ تسلیم کی وہ حالت ہے جس میں ہمہ جہت توانائی ہے۔ اسلام قبول کرنے والے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ ان عقائد کو تہہ دل سے قبول کرے اور اپنے اعمال میں ان سے وابستہ ہونے کا ثبوت فراہم کرے، تمام عقائد پر مکمل یقین ضروری ہے، کسی ایک عقیدہ پر بھی ایمان نہ ہو تو دین کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، ان سب پر مضبوطی سے جم جانا ہی مسلمان ہونے کے دلیل ہے۔ یہ عقائد، ایمانیات کی اساس ہیں۔ یہ سوال کہ اساسی عقائد کون سے ہیں، ہر اس شخص کی ضرورت ہے جو اسلام کے دائرہ رحمت میں آنا چاہتا ہے، دین عطا کرنے والے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار اس اساس کی جانب توجہ دلائی تا کہ دعویٰ ایمان ثمر بار ہو، روایت حدیث کی تقریباً سب کتابوں میں اس جانب اشارے موجود ہیں، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

marfat.com

کی موجودگی میں نبی اکرم ﷺ سے کچھ سوالات کئے، ان میں ایک سوال یہ تھا کہ آپ ایمان کے حوالے سے کچھ وضاحت فرمائیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ (۱)

ترجمہ: ''(ایمان یہ ہے) کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور تم ایمان لاؤ تقدیر پر اس کے خیر پر اور اس کے شر پر یعنی اچھی یا بری پر''۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا ایمان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

اَلْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَبِلِقَآئِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ. (۲)

ترجمہ: ''ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی لقا یعنی ملنے پر اور اس کے رسولوں پر اور تم ایمان لاؤ دوبارہ جی اٹھنے پر۔''

یہی بنیادی عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان، ان کو عقائد خمسہ یعنی پانچ عقائد کہا جاتا ہے، تقدیر پر ایمان کا بھی ذکر ہوا کہ اسی سے آخرت کے حساب و کتاب کا تصور منسلک ہے۔

ان تمام عقائد کو یکجا کر دیا جاتا ہے جسے عموماً ایمان مفصل کہتے ہیں۔ یہ کچھ یوں ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: ''میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر،

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۲) صحیح بخاری کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام

marfat.com

اس کے رسولوں پر، یوم آخر پر، تقدیر پر کہ وہ اچھی ہو یا بری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اور موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر“۔

ایمان مفصل کی یہ عبارت یاد ہو تو ایمان کے تمام شعبوں پر نظر رہتی ہے اور کسی معاملے میں بھی بے خبری نہیں رہتی۔

ایمان کے ان تمام شعبوں کا زبان سے اقرار اور دل سے ان کی صداقت کی گواہی، ایمان کی تکمیل کا ذریعہ ہے، زبان سے اقرار کرنے سے انسانی معاشرے میں اعلان ہو جاتا ہے کہ اسلام کو بطور دین قبول کر لیا گیا ہے اور یہ کہ اعلان کرنے والا اسلامی معاشرے کا فرد ہے، اس سے سماجی شناخت واضح ہو جاتی ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ اس اعلان کو خالق کائنات کے ہاں تبھی پذیرائی حاصل ہوتی ہے جب دل، اس اقرار کی تصدیق کرے، ایسا ہو جائے تو انسانی کردار میں یک رنگی آ جاتی ہے اور یہ ظاہر و باطن کی یکجائی کا مظہر بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مومن کے معاشرتی رویے، ایک کافر کے رویوں سے مختلف ہوتے ہیں، زبان، دل کی ترجمان ہو جائے تو کردار پر مومنانہ فضا طاری ہو جاتی ہے اور ایک متوازن اور ہمہ تر جاندار شخصیت کا ظہور ہوتا ہے اور اگر زبان و دل میں فاصلے رہیں تو کردار میں جھول اور شخصیت میں بے ثباتی کی نمود ہوتی ہے جس سے انسان، شرف انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

عقائد کے حوالے سے ان جزئیات کا شمار ضروری ہے جن سے ایمان کو جلا ملتی ہے، ہر عقیدہ کے بارے میں مختصر مگر ضروری وضاحت اس لئے پیش کی جا رہی ہے تا کہ تسلیم و ایمان کی حدود واضح ہو جائیں اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

عقائد کے حوالے سے گفتگو کو صحیح مسلم کی حدیث جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے بنیادی متن بنایا گیا ہے تا کہ وہ ترتیب قائم رہے جو خود نبی اکرم ﷺ نے قائم فرما دی ہے، تفصیل میں اس ترتیب کا حسن اور اہمیت واضح ہو جائیں گے اور یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ان میں باہمی ربط کیا ہے۔

marfat.com

## عقائد اسلام

# اللہ تعالیٰ پر ایمان

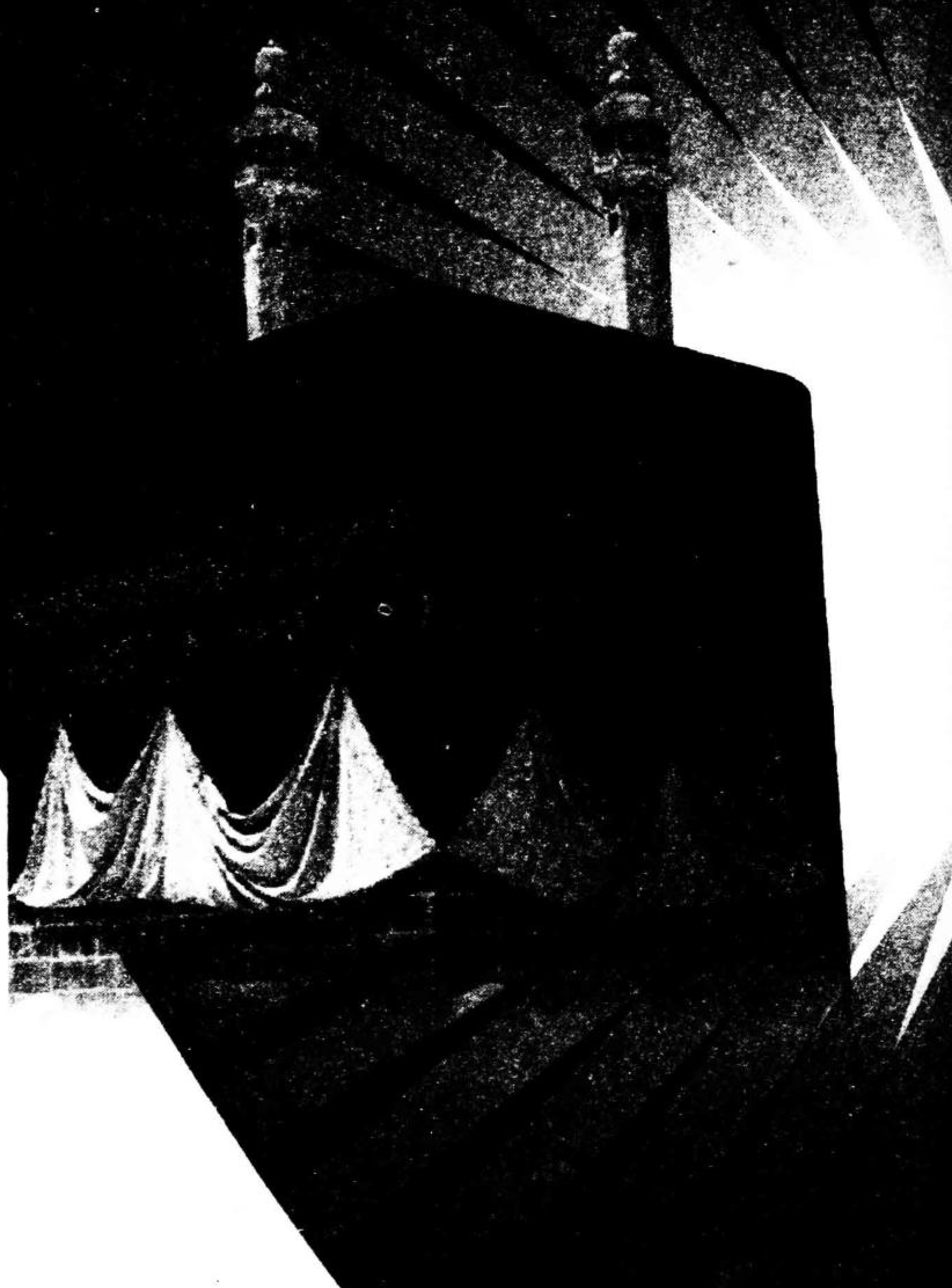

marfat.com

# اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان، ایمانیات کے دیگر شعبوں کے لئے بنیاد بھی ہے اور جواز بھی، اسی پر اسلام کی تعلیمات کا سارا انحصار ہے، نبی اکرم ﷺ نے ایمان کی وضاحت فرماتے ہوئے اسی کو باقی تفصیل کی اساس بنایا تھا، فرمایا "اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ" ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، یہ وہ لازمی عقیدہ ہے کہ باقی تمام عقائد بھی اس کے حوالے سے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ حدیث مبارک کے کلمات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کو کوئی حوالہ نہیں دیا گیا بلکہ مستقل حکم ارشاد ہوا جبکہ دیگر عقائد کے بیان میں ضمیر کا بیان، ان کی نسبت کا تعین کر رہا ہے کہ اس کے فرشتے، اس کی کتابیں، اس کے رسول۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کیا جائے گا تو دیگر عقائد کا حوالہ معتبر ہوگا۔ ایمان باللہ کیسے قائم ہوتا ہے اور کس طرح مستحکم ہوتا ہے، نیز یہ کہ اس تسلیم کی حدود کیا ہیں؟ قرآن مجید میں بار بار ان کی طرف توجہ دلائی گئی اور تفصیلی ذکر ہوا، سورہ اخلاص میں اس تمام تفصیل کو چار آیات میں سمو دیا گیا، توحید کے ذکر اور ایمان باللہ کے تذکرے میں اس سورت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، سورہ مبارکہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۝ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

ترجمہ: فرما دیجئے، وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ جنا گیا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے"۔

سورہ اخلاص کی ان چار آیات میں ایمان باللہ کے حوالے سے بنیادی امور کا ذکر ہوا۔ ان شرائط و حدود کا اجمالی تذکرہ بھی ہوا جن پر ایمان لانا ہر صاحب ایمان

کے لئے ضروری ہے، بہتر ہوگا کہ قدرے تفصیل سے ان معتقدات کا جائزہ لیا جائے تا کہ اس بارے میں کوئی ابہام یا اشتباہ کا خطرہ نہ رہے۔

(ا) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے

اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا تسلیم کرنا ایمانیات کی بنیاد ہے، اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کے تمام تقاضوں میں اسی عقیدہ کی جلوہ گری ہے، توحید، وحدانیت کا اعتراف ہے، وہ ایک تو ہے ہی، عقیدہ یہ ہے کہ اس یکتائی کا اعتراف کیا جائے، یہ یقین ہو کہ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال و مظاہر میں یکتا ہے، شرکت نہ اس کی ذات میں ممکن ہے اور نہ صفات و افعال میں، یہ یقین، عقیدہ توحید کو نظریاتی مبحث سے زیادہ وارداتی حیثیت عطا کرتا ہے، علامہ ابن خلدون نے کہا تھا:

"توحید کے بارے میں فقط ایمان یا تصدیق معتبر نہیں، کمال توحید یہ ہے کہ نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جائے جس سے وہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کو ذات، صفات اور افعال میں یکتا جان لے"۔(ا)

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

توحید ایک عقیدہ بھی ہے اور رویہ بھی، عقیدہ اس لئے کہ ایمان کی اساس ہے اور رویہ یوں کہ ہر عمل میں اس کی اثر آفرینی درکار ہے، توحید کا اقرار نظریات کو یک رنگ اور اعمال کو یکسو بناتا ہے، مظاہر فطرت، اختلاف کے باوجود ایک اکائی پر دلالت کرتے ہیں۔ انسان جو اپنے رجحانات و میلانات اور اعمال و افعال میں ایک

---

(ا) مقدمہ بن خلدون، اصول فقہ اور اس کے متعلقات

marfat.com

دوسرے سے جدا جدا ہیں، اس حوالے سے ایک وحدت ہیں۔ یہ وحدت ہر کہیں ہے اگر چہ اس کے احساس وادراک میں انسان نے اپنی کوتاہ فہمیوں کے باعث بہت فریب کھائے ہیں۔ یہی فریب اسے در، در کا سوالی بناتا رہا ہے، اسلام کے عقیدہ توحید نے ذہنی انتشار کا بھی علاج کیا اور دربدری کا بھی مداوا کیا مگر انسان نے جب اس الہامی راہنمائی سے صرف نظر کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عقیدہ توحید سے منحرف ہوا۔ پھر بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ اپنے شرف سے بھی محروم ہوا، کوئی قدم قدم پر خدا بنانے لگا تو کوئی الٰہی صفات کے حوالے سے خدائی صفات کے حامل معبود تراشنے لگا۔ دو یا تین تو کبھی بے شمار خداؤں کا تصور انسان کو ورغلاتا رہا۔ اس سے ثنویت (دو خداؤں کا تصور) تثلیث (تین خداؤں کا تصور) یا تعدّد الٰہ (لاتعداد خداؤں کا تصور) کے سلسلے چل نکلے۔ نبی اکرم ﷺ نے بت پرستی کے خوگر معاشرے کو ایک اللہ کو تسلیم کرنے کی دعوت دی تو مخالفت کا طوفان اٹھا، مرکز توحید پر قابض بت پرستوں نے دس بارہ نہیں، تین سو ساٹھ بت بنا رکھے تھے جن کے سامنے وہ سجدہ ریز ہوتے اور ان سے منتیں مانگتے، کثرت کے رسیا یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ خالق والٰہ ایک ہے، مگر اسلام کی دعوت توحید کی دعوت تھی، تعلیمات اسلامیہ کا اصرار ہے کہ صرف ایک کو مانا جائے اور کسی دوسرے کو ماننے سے انکار کیا جائے۔

## (ب) اَللّٰهُ الصَّمَدُ...... اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے

احد ماننے سے یہ تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ جب کوئی دوسرا ہے ہی نہیں تو پھر وہ واحد کسی کا محتاج کیونکر ہو سکتا ہے، ذات باری کی یکتائی کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے، نہ اسے علم میں کسی کی حاجت، نہ قدرت وتخلیق میں کسی کی محتاجی، وہ حیّ ہے یعنی اس کا وجود واجب ہے، یہ وجود کسی کے سہارے نہیں

marfat.com

اپنے ہی حوالے سے ہے، ہاں باقی سب کا وجود اس کے سہارے کا محتاج ہے، کہ وہ قیوم ہے یعنی قائم کرنے والا، اس کے سوا جو کچھ ہے اس سب کا قیام اسی سے ہے، یہ مظاہر فطرت، چاند، سورج، ستارے اور زمین، سب کو اسی نے پیدا کیا، انسان کا وجود بھی اسی کا محتاج ہے کوئی خود بخود وجود میں نہیں آیا اور نہ کسی کا قیام اس کے بغیر ممکن ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے وجود بخشا اور یہ اسی کی رحمت ہے کہ وجود کو برقرار رہنے کی قوت وصلاحیت عطا فرمائی، اس نے جب چاہا، وجود تعمیر ہو گیا اور جب چاہے گا کچھ نہ رہے گا، وجود بخشی، پرورش، زندگی، سربلندی، ارتقاء اور بقا اسی کی عنایات سے ہیں، وہ تخلیق سے پرورش تک، وجود سے عدم تک قادر مطلق ہے، ان مراحل و افعال میں وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے مگر اس کی صمدیت کا ہر جا ظہور ہے، ہر عمل میں ہر چاہت میں، کچھ دینے یا کچھ لینے میں اسی کی بے نیازی ہر آن ظاہر ہوتی ہے، اخذ وترک اس کا حق ہے اور اس حق کو ہر وہ آنکھ ہر لمحہ دیکھتی ہے جسے حقائق دیکھنے کی عادت ہو، وہ دینے میں مالک کل ہے تو چھین لینے میں بھی قادر مطلق، کسی سے کچھ لے لے یا سب کچھ لے لے تو کوئی گلہ نہیں کہ سب کچھ اسی کا ہے اور کسی کو کچھ عطا کر دے تو پریشانی نہیں کہ مالک الملک ہے، وہ اپنے برگزیدہ بندوں اور خاص طور پر اپنے انبیاء ورسل کو، قدرت، علم، سلطنت، حکومت اور قوت میں سے جس قدر چاہتا ہے عطاء کرتا ہے، اس نے اپنی بے نیازی کا جلوہ یوں بھی دکھایا کہ اپنے محبوب ﷺ کو کائنات کا تاجدار، انسانوں کا سردار اور اپنی نعمتوں کا قاسم یعنی تقسیم کرنے والا بنایا۔

## (ج) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ...... نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا

واحد اور بے نیاز ماننے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا لازم ہے کہ اس کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، انسان نسلی تسلسل کے حوالے سے جب اپنی محدود سوچ

marfat.com

کو معیار رجنا لیتا ہے تو کئی لغزشیں کھاتا ہے مثلاً اسے خبر ہے کہ وہ پہلے نہ تھا، اب ہے اور یہ کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ نہ ہوگا، وہ نہ تھا اس لئے کسی نے اس کو جنم دیا اور یہ کہ اس نے آنے والی نسل کو جنم دیا اور وارث چھوڑا وہ خود کسی روز سب کچھ دوسروں کے حوالے کر کے عدم ہو جائے گا، یہ نسلی تسلسل اس کے لئے بقائے نسل کا حوالہ ہے، یہ سوچ کبھی ایک تحریک بنتی ہے اور وہ ذات واحد کے بارے میں بھی اسی نسلی نسبت کا شک کرنے لگتا ہے۔ اس مغالطے نے بہت سی قوموں کو ورغلایا ہے، اس ذات سے پہلے کون تھا؟ بعد میں کون ہوگا؟ اس طرح کا باطل خیال اکثر گمراہی کا باعث بنتا رہا ہے، یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو کہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا، نصرانیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور قدرت حق کے مظہر تھے، کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا سمجھا، عربوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا، یونانیوں اور ہندوؤں کے ہاں تو دیوتاؤں کی نسل کا عام تذکرہ رہا، قرآن مجید نے ان فریب خوردہ قوموں میں سے اکثر کا حوالہ دیا اور ان کے اس تصور الٰہ کی نفی کی مثلاً:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ن ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ.

(التوبہ: ۳۰)

ترجمہ: ''یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے''۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَا لْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ

(المائدہ: ۱۷)

ترجمہ: ''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تو مسیح ابن مریم ہے''۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ (النحل: ۵۷)

ترجمہ: ''اور وہ بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں، پاک ہے وہ اور ان

marfat.com

کے لئے ہے جو وہ پسند کرتے ہیں''۔

یہ سب باطل تصورات، اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے اور بے نیاز ہونے کی نفی کرتے ہیں اس لئے شدت کے ساتھ ان کا رد کیا گیا اور برملا اعلان ہوا کہ وہ واحد ہے، لاشریک ہے یعنی کوئی اس کا شریک نہیں، نہ اس کا وجود اپنے قائم ہونے میں کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی نے اس کو جنم دیا ہے، نسلی تعلق، والد ہونے یا بیٹا ہونے کی نسبت انسان کے لئے ہے کہ یہاں کثرت ہے اور جو یکتا اور واحد ہے وہاں ان نسبتوں کا کوئی مقام نہیں، وہ ساری مخلوقات کا خالق ہے۔ ''کن'' کہتا ہے یعنی کہتا ہے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ توحید کے اقرار کے ساتھ نسلی تعلق کی نفی دین اسلام کا وہ امتیاز ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا نتھرا ہوا یقین قائم کیا اور شرک کے تمام پہلوؤں کا رد کر کے توحید خالص کا علم بلند رکھا۔

## (د) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ...... اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات کو واحد اور بے نیاز تسلیم کرنے کے باوجود کبھی انسانی سوچ جو مادی آلائشوں میں جکڑی ہوئی ہے اس خود ساختہ پریشانی کا شکار ہو جاتی ہے کہ کوئی تو اور بھی ہو گا جو ویسی ہی قدرت رکھتا ہو گا جیسی ذات واحد میں مانی گئی ہے، بادشاہوں کا جبر، حکمرانوں کا خمار بعض اوقات ایسا فریب دیتا ہے کہ انسان مخلوق ہو کر بھی دعویٰ خدائی کرتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کا نمرود ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون، ان حکمرانوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا، جو چاہا کر ڈالا اور بغیر کسی رکاوٹ کے کر ڈالا تو اس سے ان پر خدا بننے کا جنون سوار ہوا، قوم نے بھی، خوف، ہیبت اور ظلم کے سامنے جھکنے میں عافیت پائی۔ یہ برابری کے دعوے ہمیشہ فریب دیتے رہے اور مغالطے ڈالتے رہے، انسانی سوچ کی اس کمزوری کو یہ کہہ

marfat.com

کر رد کر دیا گیا کہ وہ واحد ذات الٰہی ہے کہ "وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ" اور کوئی بھی اس ذات کا ہمسر نہیں ہے۔ برابری کی یہ نفی، قدرت میں بھی ہے، علم میں بھی اور دیگر صفات میں بھی، بھلا خالق اور مخلوق ہمسر کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے کہاں گئے؟ کیا موت نے ان سب کو ہلاک نہیں کیا؟ جب قوت کے یہ دعوے دار اپنے آپ کو نہ بچا سکے بلکہ اپنے وجود کو قائم رکھنے میں محتاج نکلے تو وہ اس بے نیاز ذات کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس اعلان سے دیوتاؤں کی دنیا ویران ہوئی اور آخرِ کار سب کو وجود حق کی یکتائی کا اعتراف کرنا پڑا۔

سورۃ الاخلاص نے ایمان کی حدود و شرائط کو واضح کر دیا، انسان غور و فکر سے کام لے اور مفادات سے بالاتر ہو کر سوچے تو توحید کی عظمت اور اہمیت کا اقرار کرے گا۔ سورۂ اخلاص میں یہ عقیدہ مکمل شکل میں بیان ہوا جبکہ قرآن مجید کی دیگر سورتوں کی متعدد آیات بھی اس عقیدہ کی جزوی وضاحت کرتی ہیں اور مختلف حوالوں سے انسانی فکر کو اس حقیقت کے ادراک کا درس دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء جو اس کی ذات کی یکتائی کے مختلف حوالے ہیں بار بار بیان ہوئے ہیں مثلاً سورہ الحشر میں ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ٥ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (الحشر: ۲۲-۲۴)

ترجمہ: "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غیب یعنی مخفی اور شہادۃ یعنی ظاہر کو جاننے والا ہے اور وہی نہائت رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے، وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر کمزوری سے پاک بادشاہ ہے، سلامتی دینے والا،

martat.com

امان بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، غالب، قوت والا، کبریائی والا ہے، اللہ پاک ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں، وہی ہے اللہ پیدا کرنے والا، بنانے والا، ہر کسی کو صورت بخشنے والا ہے، اسی کے لئے ہیں اچھے نام، اسی کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے''۔

ان آیات میں چند صفات کا ذکر ہوا مثلا:

الٰـــہ وہی ہے، وہ ذات ہی سزاوار ہے کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے، عبادت کا حق اسی کا ہے کہ وہ معبود ہے اور جب کوئی انسان اس نظریہ حیات سے فکری یا عملی انحراف کرتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے جو نا قابل معافی جرم ہے، کسی اور کو معبود سمجھ کر سجدہ کرنا شرک ہے اور اگر معبود نہ بھی جانا جائے صرف عظمت کے اظہار کی خاطر سجدہ کیا جائے تو بھی حرام ہے کہ شریعت مطہرہ میں سجدہ کی ہر شکل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، بت پرستی، شجر وحجر کی پرستش، سورج چاند کے سامنے سر بسجود ہونا حتی کہ انسان کا کسی بلند مرتبت انسان کے سامنے سجدہ کرنا بھی حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سختی سے روک دیا کہ وہ فرط عقیدت میں آپ کو سجدہ کریں، اس سے اسلام کے توحیدی رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ کیا عقل مندی ہوئی کہ انسان، انسان کے سامنے سجدہ کرنے لگے یا کسی پتھر کے بت کے سامنے بت بن کر سر جھکا لے! بارگاہ صمدیت میں سجدہ گزاری، انسان کو سر بلندی کا درس دیتی ہے اور مومن صادق، ہر کس و ناکس کے سامنے سر بسجود ہونے کی ذلت سے محفوظ ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا گیا ''اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (البقرہ: ۱۶۳) تمہارا معبود تو ایک ہی ہے، کیوں در بدر ہوتے ہو ایک کے ہو کے رہو تو سرفرازی ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ: وہ غیب وشہادت کا جاننے والا ہے، ظاہر ہے یا باطن، نظر آنے والا ہے یا مخفی، اس کو سب کا علم ہے۔ کائنات کا کوئی گوشہ اس پر نہاں

نہیں، انسان کے اندر پرورش پانے والے جذبے اور پروان چڑھنے والے تصورات وہ ان سب کا جاننے والا ہے، یہ عقیدہ واضح ہو جائے تو چھپ چھپ کر کی جانے والی حرکتیں دم توڑ دیتی ہیں اور بدی کا کوئی مخفی رخ بھی باقی نہیں رہتا، سیرت و کردار کی راستی کے لئے علم الٰہی کی ہمہ گیری کا قائل ہونا بہت ضروری ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وہ نہایت رحم کرنے والا ہے، ایسا رحم کرنے والا کہ اس سے زیادہ رحم کا کوئی تصور نہیں، وہ جب رحم کرتا ہے تو رحم کی آخری حد تک کرتا ہے اس کے سوا رحم کی کوئی صورت نہیں اور یہ کہ وہ رحیم ہے کہ بار بار رحم کرتا ہے، رحم آخری حد تک اور مسلسل و لگاتار، رحمٰن سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ ذات جس کی رحمت سب کو محیط ہے کوئی اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے وہ رحم کرتا رہتا ہے، مومن اس کی رحمت کے محتاج ہیں اور کافر بھی کہ نہ ماننے کے باوجود طرح طرح کی نعمتیں اس پروردگار کی رحمانیت کا ہی مظہر ہیں، رحیم، رحمت خاص ہے جو مومنوں کے لئے ہے، اس لئے یہ بھی کہا گیا کہ اَلرَّحْمٰنُ رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَالرَّحِیْمُ رَحِیْمُ الْاٰخِرَةِ (۱) یعنی وہ رحمان ہے کہ دنیا اور آخرت میں رحم کرتا ہے اور وہ رحیم ہے کہ آخرت میں رحم کرنے والا ہے اور ظاہر ہے وہاں صرف مومنوں پر رحم ہوگا کہ وہ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تفریق کا دن ہے۔

اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ: ملک ہے یعنی بادشاہ ہے جو قدوس بھی ہے کہ ہر نارسائی سے پاک ہے۔ دنیا کے بادشاہ، قوت و جلال کا جس قدر بھی اظہار کریں ان کی ناکامیاں اور نارسائیاں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، لوگوں پر ظلم کرنے والا، ان کو ہلاک کرنے والا، خود ہلاکت سے محفوظ نہیں ہوتا، کوئی برتر قوت سامنے آجائے تو سر جھک جاتا ہے مگر رب قدیر کی ذات وہ ہے کہ خود سر سے خود سر انسان بھی اس کی سطوت سے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر جلد:۱ص:۲۰

marfat.com

باہر نہیں جا سکتا کیونکہ بہر حال حکمرانی اسی کی ہے، وہ انسان کے وجود کا اسی درجہ مالک ہے کہ اتنا قبضہ تو خود انسان کو اپنے وجود پر حاصل نہیں، وہ چاہے تو بے ہوشی کی نیند میں بھی سانس کا آنا جانا لگا رہے اور جب وہ نہ چاہے تو ہوش و حواس کے دعوے کرنے والوں کے سانس کی ڈوری توڑ دے، جب سب پر اسی کی حکمرانی ہے تو غیر کے سامنے لجاجت کیوں؟ کارساز وہی ہے اس لئے ہر حال میں اسی کی حکمرانی کا اقرار چاہیے اور عملاً اس کا ثبوت بھی"۔

اَلسَّلٰمُ: ہمہ سلامتی ہے، کائنات میں جہاں بھی سلامتی نظر آتی ہے اسی کی ذات کی خیرات ہے، سب اوصاف اسی کے ہیں اور کاملیت اسی کو حاصل ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ: امان دینے والا، امن عطا کرنے والا ہے، پناہ گاہ عالم وہی ہے، قہر و جبر کے اسیروں کو امان اسی کے دربار سے عطا ہوتی ہے۔ ایمان کا لفظ بھی امن کی نوید ہے کہ ایمان لانے والا پناہ امن میں آ جاتا ہے مؤمن کا وجود بھی امن برپا کرنے کا ذریعہ ہے کہ امن دہندہ کا منصب اسی کو حاصل ہے۔

اَلْمُهَيْمِنُ: ہر جہت، ہر طرف کو محیط ہے، اس کا کرم ہر جانب حفاظت کا حوالہ ہے۔

اَلْعَزِيْزُ: غالب ہے، ساری کائنات اس کے قبضے میں ہے۔

اَلْجَبَّارُ: طاقت ور ہے۔ حکم نافذ کرنے کی پوری قوت رکھتا ہے، کسی کو اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں، بڑے بڑوں کی اکڑی ہوئی گردن پر اس کی گرفت ہے۔

اَلْمُتَكَبِّرُ: کبریائی، سربلندی اسی کے لئے ہے۔ کسی کو سرکشیدہ ہونے کی اجازت نہیں کہ جس نے دعویٰ کیا، تکبر کیا، آخر کار کڑی گرفت میں آیا۔

اَلْخَالِقُ: پیدا کرنے والا ہے کہ یہ ساری مخلوق، حیوانات ہوں، نباتات ہوں یا جمادات سب کا خالق وہی ہے۔

marfat.com

اَلْبَــــارِئُ: بنانے والا ہے، تمام ایجادات اور تمام تر زندگی اسی کے حکم کے تابع ہے۔

اَلْـمُصَوِّرُ: صورت بنانے والا کہ ہر صورت گری اس کی رضا سے ہے، ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تصویر بنا دیتا ہے، خوبصورت یا بدصورت، گورا یا کالا، توانا یا ناتوان ہونا انسانی کاوشوں کا نتیجہ نہیں، اسی کی مشیت کا مظہر ہے۔

اَلْـحَـكِيْـمُ: حکمت والا ہے کہ مناسب موقعہ پر مناسب حکم نافذ کرتا ہے۔ غالب ہو کر بھی حکمت کے ساتھ احکام دیتا ہے، جو چاہے دے سکتا ہے، جسے چاہے اور جب چاہے عطا کر سکتا ہے مگر یہ اس کی حکمت ہے کہ کب دینا ہے اور کس کو دینا ہے۔ غلبہ حکمت آشنا نہ ہو تو جبر ہوتا ہے، اس لئے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، قوت کے ساتھ مگر حکمت کے ساتھ نافذ ہوتے ہیں اس سے طاقت والوں کو سبق لینا چاہئے اور حکمت ودانش کے ساتھ طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے چند صفاتی اسماء ہیں، ہر اسم اس ذات کی قدرت، ہمہ گیریت، سبحانیت اور حسن ورعنائی کا مظہر ہے اس لئے ان کو الاسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے۔ ان اسماء سے ذات خالق کی عظمت وجلال کا پیغام ملتا ہے۔ وہ عالم ہے اور رحم کرنے والا ہے، بے علم کو رحم کا سلیقہ کیسے؟ مالک ہے تو سلامتی وامان عطا کرنے والا ہے کہ اس کے ہاں قوت کا استعمال مخلوق کی فلاح کے لئے ہے، غالب ہے مگر غلبہ اپنی مخلوق پر ہے اس لئے سراپا رحمت ہے، انسان کو ہدایت کی گئی کہ ان صفات کی روشنی میں اپنا طرز عمل متعین کرے، رحمٰن ورحیم کی رحمت پر نظر تو رہے، مگر یہ تصور رحمت بے باک نہ بنا دے کہ وہ عزیز وجبار بھی ہے۔ انسان کا کام اس خالق کی حمد کے ترانے گاتے رہنا ہے کہ یہ تقاضائے فطرت ہے، آسمانوں وزمین میں جو کچھ ہے وہ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور ہر لمحہ تسبیح میں مگن ہے۔

marfat.com

سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ،ملکیت اور تمام جہانوں کے رب ہونے کا اعلان ہے انسانی وجود کو اعتماد بخشتا ہے، وہ رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کا پرودرگار ہے۔رب کا معنی ہے پرورش کرنے والا ، حسب ضرورت عطا کرنے والا اور کسی مقام ومنزل پر بھی بے سہارا نہ چھوڑنے والا ،قوی سے قوی ، ضخیم سے ضخیم ، بلند قامت سے بلند قامت کو وہی پالتا ہے، فضا میں تیرتے پرندے اور سمندر میں غوطہ زن مچھلیوں کو اس کی ربوبیت ہی زندہ رکھے ہے، وہ ایسی مخلوق کو بھی پال رہا ہے جو نظر بھی نہیں آتی ، ماں کے پیٹ میں بچے کو اس کی رحمت ہی پالتی ہے، زندگی جب اس کے سہارے ہی قائم ہے تو پھر کیوں نہ اسی کے حکم کے مطابق گزاری بھی جائے ،مُحیِ یعنی حیات عطا کرنے والا وہ ہے تو 'ممیت' موت دینے والا بھی وہی ہے، یہ اس کی شان ہے کہ حیات عطا کرنے کا جو مقام چاہے انتخاب کرے اور جیسی حیات چاہے عطا کر دے، شاہوں کے گھر میں اپاہج جنم لے یا فقیروں کے ہاں توانا وصحت مند، پتھر سے کونپلیں نکلیں یا صحراؤں میں پھول کھلیں ، غرضیکہ حیات جہاں بھی ہے اس کے حکم سے ہے۔جب زندگی وہ عطا کرتا ہے تو شکر گزاری بھی اسی کی چاہیے اسی لئے ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ (البقرہ: ۲۱)

ترجمہ: ''اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔''

جب زندگی اس نے عطا کی ہے تو یہ عطا غیر کی جاگیر کیوں بنے ، زندگی وہ دیتا ہے، تو زندگی لینے کا حق بھی اسی کا ہے، موت کا لمحہ اس نے مقرر کیا ہے۔اس کی قوت کا اندازہ کیجئے کہ وہ معالجین کے جھرمٹ سے، دولت کے انبار کی موجودگی میں اور زندگی بچانے والی دواؤں کے ڈھیر کے سامنے تخت وتاج کے مالک کو اٹھا لیتا ہے، بھلا موت کا کس نے علاج کیا ہے؟ مضبوط قلعوں میں بند بھی ہو جائیں تو موت کا لمحہ

marfat.com

ٹال نہ سکیں، اس لئے فرمایا:

اَیْنَ مَاتَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ.

(النساء:٧٨)

ترجمہ: ''جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو پا، لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا، اس کی ربوبیت نے پرورش کی، حیات کو باقی رکھنے کے اسباب پیدا فرمائے کہ وہ رازق بھی ہے، زمین کو روزی کا ذریعہ بنایا اور حکم دیا کہ اس سے محنت کے ساتھ رزق تلاش کرو، یہ بھی سمجھا دیا کہ محنت اس اعتماد کے ساتھ ہو کہ یہ زمین، سب انسانوں، تمام ترحیوانوں اور ہر طرح کے پرندوں بلکہ تمام دوسری مخلوق کے رزق کی کفالت کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین کا سینہ اور اس کا اندر خزانوں سے بھر دیا ہے۔ تلاش کرنے والوں کو یہ مخفی خزانے مل جاتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ قادر و قیوم ہونے کے ناطے اس پروردگار کا اپنی مخلوق سے رحم و بخشش کا تعلق ہے زندگی کا کون سا لمحہ ہے جو رحمت کے بغیر گزرتا ہے؟ اس لئے اس ہمہ جہت رحمت پر شکر گزاری لازم ہے۔ یہاں اس موجود حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ کبھی یہ زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود بعض انسانوں پر تنگ ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ زمین تنگ ہوگئی، بلکہ اس لئے کہ کسی ظالم نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور اس نے ساری نعمتوں کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے جس کے نتیجے میں دوسری مخلوق ان نعمتوں سے محروم ہو گئی ہے، یہ ظالمانہ رویہ ہے، انسانیت کی توہین ہے اور قدرت کی تقسیم و بخشش سے بغاوت ہے، اگر اس مشترک دولت کو ساری انسانیت حسب ضرورت استعمال میں لائے تو کمی نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس وقت کیا گیا جب انسان کو اس زمین پر اتارا گیا، ارشاد ربانی ہے:

وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ. (البقرہ:٣٦)

marfat.com

ترجمہ: ''تمہارے لئے زمین میں قرار گاہ ہے اور قیامت تک کے لئے سامان زیست۔''

توحید الٰہی کا اقرار اور صفات الٰہیہ پر یقین، انسان کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس رحیم وکریم رب کے سامنے جھکا رہے، سر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں، ہر خواہش اس کی رضا کی طالب ہو اور ہر عمل اس کے حکم کا پابند ہو، زبان سے توحید کے ترانے ادا ہوں اور دل اعتراف وتصدیق کا مرکز بنا رہے۔ یوں جسم کا ہر جزو اس کی حمد کے لئے وقف ہو جائے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحہ:۱) (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جو سب جہانوں کا رب ہے) کے زمزمے گونجتے رہیں۔

توحید پر پختہ یقین مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی دعوت دیتا ہے کہ جس خالق پر ایمان رکھتے ہو یہ سب اس کی مخلوق ہے، مخلوق سے پیار خالق کے حوالے سے ہو تو تعلقات کے بندھن مضبوط ہوتے ہیں، محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور یہ فضا سب کے لئے خوشگواری کا سبب بنتی ہے۔ پھر انسان تو انسان، جانوروں تک سے پیار کو تحریک ملتی ہے، انسان انس ومحبت کا پیکر بن کر سب کے لئے دامن رحمت وا کرتا ہے، ایسا معاشرہ جہاں ایسے محبت والے بستے ہوں، جنت کا نمونہ ہوتا ہے، اللہ کرے کہ توحید کے یہ اثرات وحدت نسل انسانی کا موجب بنیں، انسان آگ وخون کے گرداب سے رہائی پائے اور آتشیں اسلحہ کی مکروہ دوڑ کا خاتمہ ہو۔

توحید حق پر گفتگو کے آخر پر ایک نہایت ضروری وضاحت لازم ہے۔ انسان افراط وتفریط کا شکار ہوتا ہے تو غیر محمود اعلانات کرنے لگتا ہے مثلاً توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بسا اوقات وہ کچھ پیش کر دیا جاتا ہے جو نہ توحید سے محبت کا تقاضا ہوتا ہے اور نہ شرک سے نفرت کا، اس کی نمایاں صورتیں دیکھئے:

اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے، ہر چیز پر اس کو قدرت حاصل ہے، وہ جو

marfat.com

چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا، وہ چاہے تو اپنے کرم سے کسی کو کچھ عطا کر دے مثلاً طاقت دے دے، حکومت بخش دے، عزت و وقار عطا کر دے، یہ سب اس کی قدرت بے پایاں کے اظہار کی صورتیں ہیں۔ اب اگر اس نے کسی کو کچھ دے دیا ہے تو اس کی اس بخشش کے اعتراف میں بخل نہ چاہئے، یہ ضرور یاد رہے کہ یہ سب کچھ بہر حال اس کا عطا کیا ہوا ہے، ذاتی مان لینا یا اس قادر و قیوم کے برابر مان لینا شرک ہے مگر نہ ماننا بھی عطاء قدرت سے انکار ہے۔ اگر انکار کو ہی روش خیر مان لیا جائے تو اس سے عطا کرنے کی قدرت سے انکار واجب آتا ہے۔

علم کے بارے میں بھی یہی اصول ذہن نشین رہنا چاہئے کہ علم اسی کا ہے مگر جب چاہتا ہے کسی کو اور خاص طور پر اپنے رسولوں کو جس قدر چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے کہ عطاء و بخشش اس کا حق ہے، یہ یقین رہے کہ یہ علم اسی علیم و خبیر ذات کا دیا ہوا ہے، اس کی عطا کو نہ ماننا غلط ہے اور جس کو عطا ہوا اس کی عظمت کا انکار کرنا لائق مذمت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو چاہے اور جب چاہے عطا کرتا ہے، انسان کو اس نے کئی نعمتوں سے نوازا، مقربین کو زیادہ نوازا اور انبیاء کرام علیہم السلام پر تو عطا کے دروازے کھول دیئے، پھر سب سے بڑھ کر اپنے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ پر وہ نوازشات کیں کہ رسولوں کا امام بنایا، مظاہر قدرت پر برتری و دسترس کی قوت عطا کی کہ انگلیوں سے چشمے پھوٹے، شفاعت کا تاج پہنایا، بے حد و حساب علم عطا کیا، مخفیات کے خزانوں سے سرفراز فرمایا، ہر خوبی سے نوازا اور ہر عظمت عطا کی اپنی قدرت اور بخشش کا خوب اظہار فرمایا، اس لئے کہ انہیں خاتم الانبیاء بنایا، یہ سب انعام و اکرام جو اپنے خاص بندے پر کیئے اس کی عطا ہے کہ عطا کرنے والا وہی ہے، سب کچھ اسی کا ہے اور یہ اس کے لئے سزاوار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جس قدر چاہے دے کہ نہ تو دینے والے کی قدرت پر شک ہے اور نہ ہی لینے والے کے انتخاب پر اعتراض۔

marfat.com

توحید حق پر ثابت قدم رہنے سے قوموں میں زندہ رہنے کا حوصلہ بیدار ہوتا ہے اور یہ زندہ قوت اگر بازوئے مومن میں گردش کرنے لگے تو وہ گردش لیل ونہار کا راکب بن جاتا ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ گردش لیل ونہار پر یہ قوت، دامان رسول ﷺ سے وابستگی کا ثمر ہے، علامہ مرحوم نے یہی کہا تھا:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

توحید انسان کو عظمت بھی عطا کرتی ہے اور حسن عمل بھی، اس پر یقین آ جائے تو انسانی صلاحیتوں کو توانائی نصیب ہوتی ہے، پھر سجدوں میں اعتماد اور عبادت میں ذوق کی افزائش ہوتی ہے۔ یہی پختگی ایمان ہے اور یہی بشریت کی معراج ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین کی دولت اور سجدوں کی لذت سے نوازے آمین۔

marfat.com

## عقائد اسلام

# اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان

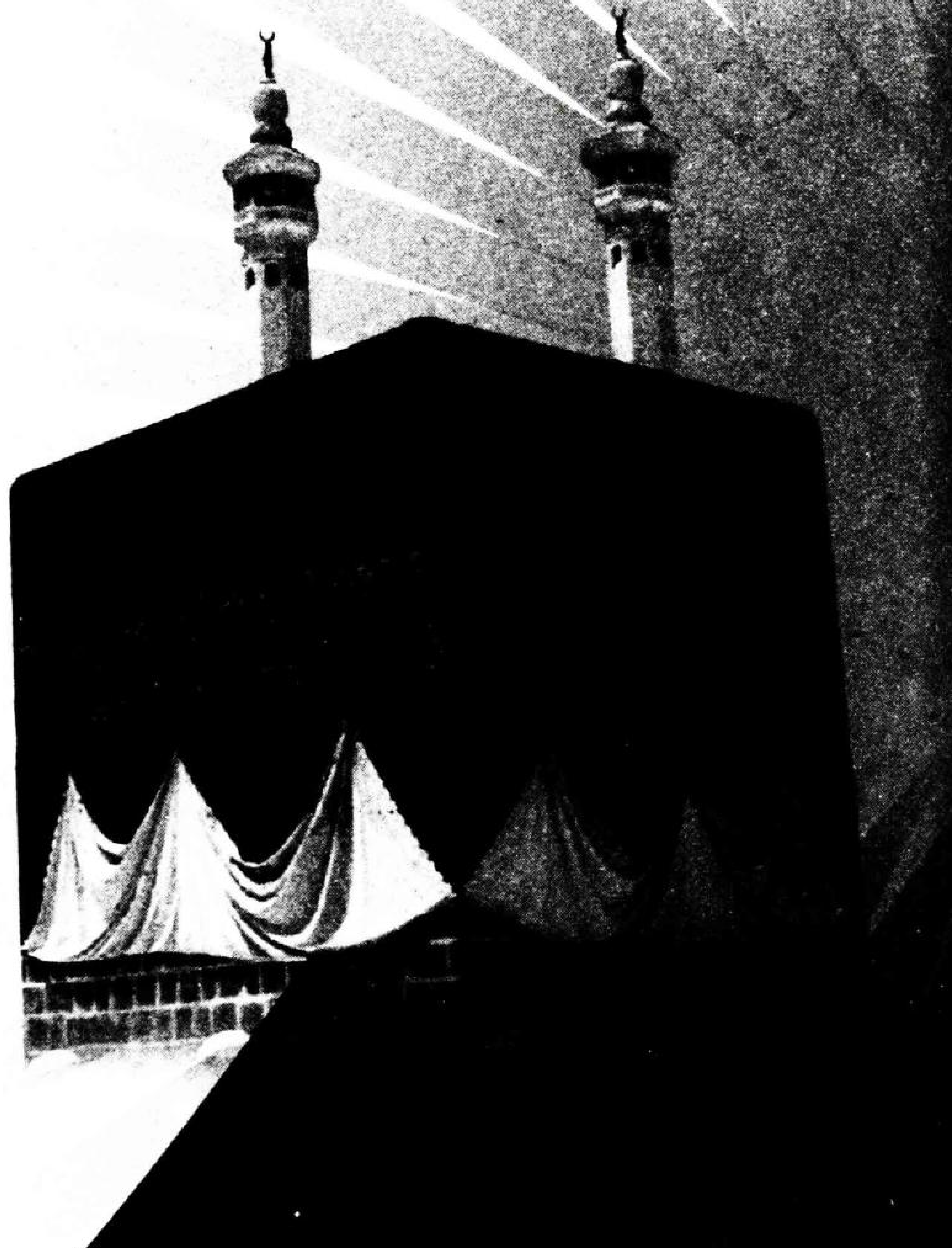

# اللہ تعالیٰ کے ملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان

ملائکہ کا واحد ملک ہے یعنی فرشتہ۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے پیدا کیا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ نُوْرٍ (۱) یعنی فرشتے نور سے پیدا کئے گئے، اللہ تعالیٰ نے بے حد و حساب مخلوق پیدا فرمائی، ان میں انسان، حیوان، پرندے، مٹی سے پیدا کئے گئے جبکہ جنوں کو آگ سے پیدا فرمایا اور فرشتوں کو نور سے، اس قادر و قیوم خالق نے جیسا چاہا پیدا فرما دیا اور ہر مخلوق میں جس قدر اس کی حکمت کا تقاضا تھا صلاحیت و قوت رکھ دی، کسی کو رینگنے کی طاقت دی تو کسی کو چلنے کی اور بعض کو اڑنے کی، اسی طرح بعض کو ایسا حسی وجود دیا کہ وہ سب کو نظر آنے لگا تو بعض کو بعض کی نظروں سے اوجھل رکھا، فرشتے وجود رکھتے ہیں مگر ان کا وجود نوری ہے اس لئے عام انسانی آنکھ ان کو نہیں دیکھ پاتی، دکھائی نہ دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ وجود، موجود ہی نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات اور رسولان عظام علیہم السلام کے صحائف و کتب، فرشتوں کے وجود پر شاہد ہیں، قرآن مجید نے بھی متعدد مقامات پر فرشتوں کا ذکر کیا اور ان کی قوت کا حوالہ دیا اور بتایا کہ ان کے فرائض کیا ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بیان میں فرشتوں کی موجودگی بلکہ ان کی رائے کے اظہار کا ذکر ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ○ (البقرۃ: ۳۰)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الزہد باب فی احادیث متفرقۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا

marfat.com

ترجمہ: ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں، انہوں نے کہا: کہ کیا آپ زمین میں اسے بنائیں گے جو وہاں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح کرتے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت موجود تھے، انہوں نے اپنے سوال کے ضمن میں اپنے فرائض اور اعمال کا ذکر بھی کیا، ان کا کہنا تھا کہ وہ تو ذکر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا اور اس کی تقدیس کا ذکر کرنا ان کا وظیفہ ہے، ہمہ تن دائمی حمد سرائی اور ہر لحظ خالق کی ثنا خوانی ان کا کام ہے اور وہ ہمیشہ سے اس کام کے پابند ہیں، اس واقعہ کی تفصیل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے تخلیق آدم کے ابتدائی مراحل میں ان کا پھر حوالہ دیا اور ساتھ ہی ایک تیسری مخلوق کا ذکر بھی ہوا، ارشاد پاک ہے کہ جب فرشتوں سے کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ایک وجود جس کا نام قرآن مجید نے ابلیس بتایا، نے انکار کیا اور یہ انکار تکبر کی بنیاد پر تھا، اس طرح وہ کفر اختیار کر گیا، یہ ابلیس کون تھا سورۃ الاعراف میں اس کا ذکر ہوا، فرمایا:

قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۝ (الاعراف: ۱۲)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہیں کرتا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا''۔ کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا''۔

اس سے اس نافرمان کی خودسری اور انکار کی بنیاد معلوم ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے تھی اور اس کی آگ سے جبکہ فرشتے نوری ہیں جیسا کہ

marfat.com

حدیث مبارک سے واضح ہوا۔

نوری مخلوق ہونے کی بنا پر ان کی استعداد کار بہت ہے کہ فاصلے ان کے لئے سمٹ جاتے ہیں، ان کی پرواز بے تکان ہے اور یہ کی موقعہ کہ مناسبت سے ان کا نہ نظر آنے والا وجود حسی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید نے فرشتے کا انسانی لباس میں آنے کا تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے، حدیث جبرئیل میں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہوئی ہے، جبرائیل علیہ السلام کے انسانی روپ میں آنے کا واضح تذکرہ موجود ہے جس پر موجود صحابہ خصوصا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیرت بھی رہی کہ یہ کون ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس الجھن کو دور کر دیا، بتا دیا کہ یہ جبرائیل تھے جو تم لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا، تو ان کے پاس معزز مہانوں کی آمد کا حوالہ دیا گیا کہ مہان آپ کے ہاں آئے جو اجنبی تھے مگر خوش آمدید کہا، مہان کی ضیافت آپ کے سماجی رویوں میں منفرد شان کا رویہ ہے اس لئے ضیافت کے لئے موٹا تازہ بچھڑا بھون کر لے آئے، سامنے رکھا مگر ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھے، اس پر حیرت ہوئی مگر جان گئے کہ یہ انسان نہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام بر فرشتے ہیں اس لئے برملا سوال کر دیا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ (الذاریات: ۳۱)

ترجمہ: فرمایا اے پیغام برو! تمہارا مقصد کیا ہے یعنی کیسے آئے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رویہ اور مہان نوازی کا اہتمام بتا رہا ہے کہ وہ مہان انسانی لباس میں تھے مگر ان مہانوں کا ذرا مختلف ردعمل نگاہ رسالت سے چھپ نہ سکا اور پھر خطاب فرشتے کہہ کر کیا کہ وہی مرسل یعنی بھیجے گئے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت سے

marfat.com

اس تبدیلی صورت کا ذکر ہوا ہے حضرت مریم علیہا السلام ایک پردہ دار مکان میں مقیم ہیں کہ فرشتہ آتا ہے جس کا تعارف قرآن مجید نے یوں کرایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (سورہ مریم: ۱۷)

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس کی طرف اپنے روح یعنی جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، پس وہ روح اس کے لئے ایک توانا بشر کے روپ میں ظاہر ہوا''۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر تَمَثَّلَ فرمادیا جس کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی کسی اور روپ میں سامنے آئے، یہی وجہ تھی کہ حضرت مریم علیہا السلام نے اس روح سے پناہ چاہی تھی۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں جن کو صورت وشکل بدل لینے کی قوت عطا ہوئی ہے، نظر نہ آنا اور شکلیں بدل لینا، بعض مادی رجحانات والوں کو ناممکن لگتا ہے مگر یہ ضرور خیال رہے کہ مختلف شکلیں عطا کرنے والے خالق سے یہ کوئی بعید نہیں ہے، خالق، تخلیق کے تمام مراحل پر قادر ہے اور وہ جب چاہے صورت پذیری کا عمل ہونے لگتا ہے۔ یہ موجود صورتیں بھی تو اس کی ہی بنائی ہوئی ہیں اور قبر میں مٹی سے ملنے کے بعد اس اجڑے ہوئے انسانی جسم کو پھر سے صورت عطا کرنا اس کی قدرت کا ہی اظہار ہوگا، بعض ظاہر بین لوگ فرشتوں کے وجود سے صرف اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آتے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو وہم ہوگیا ہے کہ تخلیق کے وہ نگران بنائے گئے ہیں، جو ان کی نظروں میں نہیں وہ موجود ہی نہیں۔ ہر مخلوق اپنے خالق کی نظر میں ہے، ہاں دوسری مخلوق سے مخفی بھی رہے تو مضائقہ نہیں، انسان محدود فکر اور کمزور نظر رکھتا ہے۔ فرشتوں کا وجود ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہر آسمانی صحیفے نے اس کا ذکر کیا ہے اور ان کے فرائض، ان کی خصوصی حیثیت اور ان

marfat.com

کی قوت کا اعتراف کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں فرشتوں کے وجود پر ایمان، ایمانیات کالازمی جزو ہے کہ اس ایمان کے بغیر الہام و وحی پر ایمان کمزور ہو جاتا ہے اس لئے فرشتوں کے وجود کا تسلیم کرنا عقائد کا حصہ ہے۔

## فرشتوں کی تعداد

فرشتے اللہ تعالیٰ کی حاضر باش مخلوق ہیں، یہ کارکنان قضا و قدر ہیں اس لئے ان کی تعداد بے شمار ہے، تخلیقی عمل کے ہر مرحلے پر ان کی ذمہ داریاں ہیں اور نظام کائنات کی در و بست میں ان کا معین کردار ہے، بعض لوگوں نے کوشش کی کہ ان کی تعداد کا اندازہ لگائیں مگر یہ سب اندھیروں کے قیاس ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرما دیا کہ فرشتوں کی تعداد کا تعین انسانی دانش کا حصہ ہی نہیں ہے اس لئے فرمایا:

وَمَایَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (المدثر: ۳۱)

ترجمہ: ''اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اس لئے اس سلسلے میں انسانی کاوش بے توفیق ہے۔

## فرشتوں کے فرائض و منصب

اللہ تعالیٰ کی یہ نورانی مخلوق اطاعت شعاری، حمد سرائی اور ثنا خوانی کے لئے وقف ہے۔ ہر لحظہ تسبیح ان کا کام ہے اور جو حکم ملے اس کی بجا آوری ان کا فریضہ ہے، وہ نافرمانی یا حکم عدولی کی قوت نہیں رکھتے کہ ان کا وجود ہی اطاعت کیشی کا مظہر ہے اسی لئے ارشاد ہوا:

لَایَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ. (التحریم: ۶)

ترجمہ: ''وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جو بھی اس نے ان کو حکم دیا ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے''۔

marfat.com

ہمہ تن اطاعت، ہر لمحہ تعمیل حکم کے لئے مستعد، یہی ان کی پہچان ہے۔ اس عمومی رویے کے باوصف ان میں بعض کو مستقل احکام دے دیئے گئے ہیں، ان فرشتوں کی سرداری اور ان میں سب سے اہم منصب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حاصل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام بر فرشتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی کا نزول ان کا مقدس فریضہ ہے، ان کو روح القدس بھی کہا گیا اور کبھی صرف 'روح' کہہ کر بھی حوالہ دیا گیا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر روح القدس کا ذکر ہوا مثلاً:

وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ.

ترجمہ: اور ہم نے اس کی مدد کی روح القدس کے ساتھ"۔

سورہ البقرہ (۸۷) و (۲۵۳)، سورہ المائدہ (۱۱۰) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بیان میں 'روح القدس' کہا گیا جبکہ سورہ النحل (۱۰۲) میں رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کے حوالے سے ذکر کیا گیا، ارشاد ہوا:

قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ (النحل : ۱۰۲)

ترجمہ: "فرما دیجئے کہ اسے یعنی قرآن مجید کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے۔"

سورہ الشعراء میں الروح الامین' کا ذکر ہے، ارشاد ہوا:

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○

(الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۳)

ترجمہ: اور بے شک یہ تمام جہانوں کے رب کی اتاری ہوئی کتاب ہے، اسے الروح الامین یعنی جبرئیل لے کر اترے ہیں۔"

بعض سورتوں میں مثلاً المعارج (۴) النبا (۳۸) اور القدر (۴) میں صرف الروح کہہ کر اسی رسول الملائکہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور ان

marfat.com

کی پیغام رسانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

کتب احادیث میں ایک دوسرے نمایاں فرشتے میکائیل علیہ السلام کے فرائض میں مخلوقات کے رزق کا اہتمام اور بارش کے نزول کا انتظام بتایا گیا ہے۔ یہ دونوں فرشتے مقرب ترین وجود ہیں جن کے خلاف کسی قسم کی بدزبانی کا شدت سے رد کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ٥ (البقرہ: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: فرمادیجئے جو دشمن ہوا جبرئیل کا کہ بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا جو پہلوں کی تصدیق کرتا ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے مومنوں کے لئے۔ جو دشمن ہوا اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا، تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔"

ان آیات میں جبرئیل علیہ السلام کی ذمہ داری کا تعین بھی ہوا اور آپ کی دشمنی پر وعید بھی آئی کہ پیغام رساں کی دشمنی اور اس کے وجود سے انکار پیغام کا انکار ہوتا ہے، دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور رسولوں کا ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا، فرشتوں کے ذکر کے باوجود حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کا نام لے کر الگ بیان ہوا، اس سے ان پر ایمان کی حتمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار اور ان کے منصب سے دشمنی دراصل اس پیغام سے بغاوت ہے جس کو لے کر آپ نازل ہوتے ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے پرخاش نظام ربوبیت کی مربوط تنظیم سے انکار ہے، اس لئے ان کا نام لے کر ان کی عظمت اور ان کے مناصب کا دفاع کیا گیا۔

marfat.com

تیسرا نام حضرت اسرافیل علیہ السلام کا ہے جو اختتام دنیا کا اعلان کرنے پر مامور ہیں، قرآن مجید نے ''صور'' پھونکنے کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح آسمان وزمین کو لپیٹ لیا جائے گا اور پھر دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ارشاد ہوا:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (الزمر: ۶۸)

ترجمہ: اور پھونکا جائے گا صور میں پس بے ہوش ہو کر گریں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر دوبارہ اسی میں پھونکا جائے گا تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ صور اسرافیل، دنیا کے خاتمے اور قیام آخرت کے لئے مقرر ہے اور یہ منصب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو تفویض ہوا ہے۔ سورہ یٰسین (۵۱) میں بھی اس جی اٹھنے کا اسی تناظر میں ذکر ہے۔

چوتھے فرشتے کو عزرائیل علیہ السلام کہا جاتا ہے، ان کے فرائض میں روحوں کو قبض کرنا اور موت طاری کرنا ہے، قرآن مجید نے مَلَکُ الْمَوْتِ کہہ کر ان کا ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ (السجدہ: ۱۱)

ترجمہ: ''فرما دیجئے، تمہاری جان قبض کرتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔''

ان برگزیدہ فرشتوں کے علاوہ لاتعداد فرشتے ہیں جن کو اپنے اپنے دائرہ کار میں کام کرنا ہوتا ہے، ان میں وہ بھی ہیں جو عرش الٰہی کے گرد ہی رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

marfat.com

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

(الزمر: ۷۵)

ترجمہ: ''اور آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہیں، اپنے رب کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔''

ان میں وہ فرشتے بھی ہیں جو انسان کے نامہ اعمال کو ترتیب دیتے ہیں اور ان اعمال کا مکمل حساب رکھتے ہیں۔ارشاد ہوا:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ٥ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ٥ يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ ٥

(الانفطار: ۱۰،۱۱،۱۲)

ترجمہ: ''اور بے شک تم پر نگران ہیں جو لائق تکریم لکھنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔''

یہ لکھا ہوا نوشتہ روز حشر اعمال کی باز پرس کا حوالہ بنے گا،اس لئے انتباہ کیا گیا کہ اپنے اعمال پر توجہ چاہیے کہیں یہ بے خبری کے اعمال روز حشر ذلیل نہ کردیں کہ وہاں سارا ریکارڈ پیش ہو جائے گا۔

دوزخ جو بداعمالیوں کی مکافات ہے اس پر بھی فرشتے مقرر ہوں گے، چونکہ یہ سزا کا مقام ہے اس لئے یہ فرشتے دہشت کا نمونہ اور قہاری کا پیکر ہوں گے۔فرمایا: دوزخ پر جو فرشتے ہیں وہ

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ (التحریم: ٦)

ترجمہ: ''اس پر ایسے فرشتے ہوں گے جو بڑے تند خو اور سخت مزاج ہوں گے''۔سورہ المدثر میں ان کی تعداد بھی بتادی گئی کہ:

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (المدثر: ۳۰) یعنی اس پر انیس فرشتے ہوں گے۔

غرضیکہ فرشتوں کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں اور وہ سب اپنی ذمہ داریوں

marfat.com

کو حکم کے مطابق نبھاتے ہیں، بد قسمتی سے انسان جب کسی حقیقت کا درست ادراک نہیں کرتا تو باطل خیالات میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ یہی حال فرشتوں پر ایمان کی نسبت سے ہوا، کسی نے ان کا وجود ماننے سے ہی انکار کر دیا تو کسی نے ان کی حیثیت کے بارے میں تو ہم پرستیوں کا سہارا لیا، عرب، ان کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (الزخرف: ۱۹)

ترجمہ: ''اور انہوں نے فرشتوں کو جو رب رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں بنا دیا۔''

قرآن مجید نے اس پر یہ معنی خیز تبصرہ بھی کیا کہ عرب خود تو بیٹیوں کے وجود کو برداشت نہ کرتے تھے مگر انہوں نے تمام فرشتوں کو بیٹیاں قرار دے دیا۔ حیرت ہے اس خام عقل پر اور تعجب ہے اس باطل خیال پر۔

فرشتوں پر ایمان، مومن کے ایمان کی اساس میں شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب ایمان کا تذکرہ کیا یا رسول اکرم ﷺ اور مومنوں کا ذکر کیا تو ایمان کے مشتملات میں فرشتوں کا بھی ذکر کیا، ارشاد ہوا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ. (البقرہ: ۲۸۵)

ترجمہ: ''رسول اعظم ﷺ اور تمام ایمان لانے والے، ایمان لائے اس پر جو، ان پر، ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا، سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔''

معلوم ہوا کہ ایمان لانے والوں پر لازم ہے کہ وہ فرشتوں پر بھی ایمان لائیں، اللہ تعالیٰ انسانی عقل کو تخلیق کی یہ حکمتیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

marfat.com

## عقائد اسلام

# اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان

# اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ انسانی ضروریات کی کفالت کا اہتمام بھی فرمایا، جسم کو قوت و توانائی درکار تھی کہ وہ زندہ رہ سکے اس لئے ان اشیاء کو بھی پیدا فرما دیا جو قوت یا توانائی کے حصول کا ذریعہ ہو سکتی تھیں، موسم کی شدت اور جغرافیائی مجبوریوں کے ازالے کا انتظام فرمایا کہ انسان ہر ماحول میں حفاظت و بقا کی پناہ میں رہے، یہ تو مادی سہولتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی سیرت و کردار کی اصلاح کا بھی سامان مہیا فرمایا تا کہ اس کا شرف قائم رہے اور وہ کائنات کے دیگر مظاہر پر اپنی برتری کا ثبوت بھی فراہم کر سکے، انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود اسی شرف کا امین ہے، ہر دور اور ہر نسل کو ہدایت و راہنمائی کے لئے یہ روشن و نورانی وجود میسر آئے، ان قدسی صفات انبیاء کرام علیہم السلام نے انسان کو ہر الجھن سے نکالا، ہر تاریکی سے بچایا اور ہر گرداب سے پناہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سیرت و کردار کا حسن بھی عطا فرمایا اور قوم کی ہدایت کے لئے راہنمائی کے اصول بھی تلقین فرمائے۔ یہ اصول ان الہامی نوشتوں کے ذریعے حاصل ہوئے جو خالق کل نے ہدایت خلق کے لئے مختلف اوقات میں اور مختلف ادوار میں انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل فرمائے، یہ کبھی مختصر ہدایت نامہ کی صورت میں عطا ہوئے تو کبھی مستقل کتاب کی شکل میں تفویض ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کئے گئے یہ صحائف ہر قوم کو عطا ہوئے تا کہ پریشان فکری کا کوئی شائبہ نہ رہے، یہ وحی الہامی راہنمائی کی وہ صورت تھی جو ہر نبی کو حاصل رہی، قرآن مجید میں اسی جانب اشارہ کیا گیا:

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی

marfat.com

وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا٥ (النساء: ۱۶۳)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ ہم نے وحی بھیجی تھی نوح علیہ السلام کی طرف اوران انبیاء کی طرف جوان کے بعد میں تھے،اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام واسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام ان کی اولاد،اور عیسیٰ علیہ السلام وایوب علیہ السلام ویونس علیہ السلام وہارون علیہ السلام اورسلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے داؤد علیہ السلام کوزبور عطا کی''۔

وحی جب کسی تحریری نوشتہ کی صورت میں آئی تو صحیفہ کہلائی،حضرت آدم علیہ السلام اورآپ کے بعدآنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کوصحائف (صحیفہ کی جمع) عطا کئے گئے،قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ سے قبل صحائف کا تذکرہ کیا ہے،ارشادہوا:

وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (طٰہٰ: ۱۳۳)

ترجمہ: ''اور کفار نے کہا کہ آپ ہمارے پاس اپنے رب کی جانب سے نشانی کیوں نہیں لاتے۔کیاان کے پاس پہلے صحائف میں نشانی نہیں آئی؟''۔مزیدارشادہوا:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ٥ صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی ٥

(الاعلیٰ ۱۸،۱۹)

ترجمہ: ''بے شک یہ تھا پہلے صحائف میں یعنی صحف ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام میں''۔ایک بارپھرذکرہوا:

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ٥وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی ٥

(النجم: ۳۶،۳۷)

ترجمہ: ''کیا اسے بتایا نہ گیا جو موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام جووفاشعار تھے،کے صحائف میں ہے''۔

marfat.com

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے صحائف، چاہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اترے ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تھیں جو راہ حق کے مسافر کے لئے راہنما تھیں اور تنبیہات تھیں تا کہ یہ قومیں راست روی سے انحراف نہ کریں، یہ صحائف دراصل ہدایت کے نوشتے تھے جو قوموں کو ضابطہ حیات اور منشور اخلاق کے طور پر عطا فرمائے گئے تھے۔

ان صحائف کے ساتھ ساتھ چند کتابیں بھی مختلف ادوار میں تفصیلی احکام کے ساتھ نازل کی گئیں جن کا شمار الہامی کتب کی حیثیت سے رشد و ہدایت کے حوالے سے ہر کہیں کیا جاتا ہے، مناسب ہوگا کہ ان الہامی کتب پر قدرے تفصیلی نظر ڈالی جائے۔

## ا۔تورات

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے برگزیدہ تر اور صاحب شریعت رسول تھے، پر احکام و کوائف پر مشتمل ایک ضخیم کتاب نازل فرمائی گئی، اسے عموماً عہد نامہ قدیم یعنی Old Testament کہا جاتا ہے، اگرچہ یہود کے نزدیک تورات عہد نامہ قدیم کا ایک حصہ ہے، موجودہ تورات، پانچ صحائف کا مجموعہ ہے، شاید اسی مناسبت سے قرآن مجید میں اسے صحف موسیٰ کہا گیا۔ اس میں احکام الٰہی کے ساتھ تاریخ انسانی کے تسلسل کا بھی ذکر ہے اور انسانی معاشرت کے بعض قوانین کا بھی تذکرہ ہے۔ تورات، شریعت موسوی کو محیط ہے۔ فرامین شریعت بعد کے زمانے میں بھی لائق توجہ اور قابل عمل رہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوہ طور پر قیام کے دوران میں چالیس روز تک نازل ہوتی رہی جسے الواح پر لکھ لیا گیا۔ قرآن مجید کی شہادت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب رسالت کے منصب کے اعلان کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہدایت کا نوشتہ بھی دیا، ارشاد ہوا:

marfat.com

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ. (الاعراف: ۱۴۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے لئے تختیوں پر ہر چیز لکھ دی جو نصیحت تھی اور ہر چیز کی تفصیل تھی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تورات، الواح پر تھی جو نصیحت پذیری کی ہر جانب کو محیط تھی اور اس میں ہر معاملے میں راہنمائی کی تفصیل تھی۔ جب یہ نعمتِ ہدایت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی جانب لوٹے تو قوم بچھڑا پوجنے کے خبط میں گرفتار ہو چکی تھی۔ سخت اضطراب کی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو متنبہ کیا اور

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (الاعراف: ۱۵۰) ''یعنی الواح کو پھینک دیا اور لگے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے الجھنے کہ ان کی موجودگی میں یہ بت پرستی کا چلن کیسے ہوا؟ حضرت ہارون علیہ السلام سے صورت احوال معلوم ہونے پر پرسکون ہوئے، قرآن مجید نے اس کا یوں حوالہ دیا:

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ (الاعراف: ۱۵۴)

ترجمہ: ''اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو الواح کو اٹھایا اور ان کے نسخہ میں ہدایت اور رحمت تھی۔''

ثابت ہوا کہ تورات میں عظمت کے ضابطے بھی تھے، ہدایت کے فرامین بھی اور رحمت کے حصول کے پیمانے بھی۔ قرآن مجید نے تورات کی الہامی حیثیت کا بار بار اعلان کیا۔ اس کے ضابطہ اخلاق ہونے اور قوم کے لئے راہنمائی کا نوشتہ ہونے کا بھی اقرار کیا اور برملا کہا:

marfat.com

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ (المائدہ: ۴۳)

ترجمہ: ''اوران کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم موجود ہے''

تاکیداً مزید وضاحت کی گئی:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (المائدہ: ۴۴)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور نور ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی کتاب یعنی تورات کی ہدایت اور نورانیت سے یہود نے اس طرح صرف نظر کیا کہ اس سے فیض یاب ہونے کے بجائے اس کو اپنی پسند اور خواہش کے مطابق بدلنے لگے۔ تورات کی الہامی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ہاں! اس کا موجودہ صورت میں مکمل الہامی ہونا لائق اعتماد نہیں کہ یہ کتاب مقدس اب وہ نہیں جو الواح پر تحریر تھی اور حضرت موسی علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔ یہ تبدیلی یا تحریف کیسے ہوئی قرآن مجید نے واشگاف الفاظ میں اس کا ذکر کیا اور پوری قوت سے اس کا حوالہ دیا، ارشاد ہوا:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء: ۴۶)

ترجمہ: ''جو لوگ یہودی ہو گئے، وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں۔''

یعنی یہود اپنی الہامی کتاب تورات کے کلمات کو من پسند مفاہیم کے لالچ میں بدلتے رہے، کہاں کا حکم کہیں لگا دیا اور کہاں کی عبارت کہیں پیوست کر دی، یہ تبدیلیٔ کلمات کا کھیل ان کا مرغوب مشغلہ تھا اور اگر اس ادل بدل سے بھی خواہشات نفس کی تکمیل نہ ہوتی تو یہ لوگ اس قدر دیدہ دلیر ہوئے کہ اپنے کلام کو کلام الٰہی کا درجہ دے دینے لگے، اس پر شدید ارشاد ہوا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ: ۷۹)

marfat.com

ترجمہ: ”پس وبال ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت لے لیں“۔

یہود اس قدر ردیدہ دلیر تھے کہ گھر بیٹھے اپنے خیالات وتصورات کو لفظوں کا جامہ پہناتے اور لوگوں کے سامنے اعلان کرتے کہ یہ تحریر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جھوٹ، مکر، بہتان اور مفاد پرستی کی سب پستیاں اس قوم کا وطیرہ تھیں، جس کتاب کو ان کے لئے جادہ ہدایت بنایا گیا واضح اعلان ہوا:

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

(بنی اسرائیل: ۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا“

جو کتاب الہام تھی اور سراپا ہدایت تھی اس کو ان کوتاہ اندیشوں نے زر دنیا کا ذریعہ بنایا ثمن قلیل یعنی، کم قیمت پر وہ یہ دھندا کرتے رہے۔ یہود کی یہ سرشت ایسی راسخ ہوئی کہ صدیاں گزرنے کے باوجود مفاد پرستی ان کے وجود کا حصہ ہے، انسان کی قدر و قیمت ان تاجروں کے نزدیک کیا ہو سکتی ہے جو کلام الٰہی کا بھی سودا کرنے سے خوف نہیں کھاتے، جو رب قدیر سے نہیں ڈرتے وہ، انسان کے وجود سے مفاد کشید کرنے سے کیسے گھبرائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تورات کا الہامی نوشتہ کب سے انسانی دست برد کا شکار ہو گیا، کہتے ہیں کہ ۵۸۶ قبل مسیح میں جب بخت نصر نے یروشلم کو اجاڑا تھا تو تورات کے نسخے بھی خاکستری کی نذر ہو گئے تھے، ایسا نہ بھی ہوا ہو تو بھلا وہ کتاب کیسے محفوظ رہ سکتی تھی جس کے حاملین خود ہی اس کے وجود کے دشمن ہو گئے تھے، یوں یہ کتاب، ہدایت و نور کا سرچشمہ کتاب، انسانی ہاتھوں کی کارستانیوں سے ناپید ہو گئی یا کم از کم اپنا اصل وجود برقرار نہ رکھ سکی۔

marfat.com

## ۲۔انجیل

انجیل جسے اب New Testament یعنی عہد نامہ جدید کہا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف تشریف لانے والے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کا اعلیٰ ترین نمونہ بنایا کہ بغیر باپ کے پیدا فرمایا، آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ کنواری ماں بنیں اور خالق کائنات کی قدرت کے اظہار کا مصدر قرار پائیں، حضرت زکریا علیہ السلام کی زیر نگرانی پرورش پانے والی یہ بچی ابتداء ہی سے رحمت کے حصار میں تھی، حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی اس محراب میں جاتے جہاں بچی کی پرورش کا اہتمام تھا، وہاں سامان رزق پاتے، حیرت سے پوچھتے: یہ کہاں سے ملا تو جواب یہی تھا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللہِ (ال عمران: ۳۷) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملا ہے، یہ حضرت مریم علیہا السلام کی خصوصی حیثیت کا اعلان تھا جس کا بعد میں اظہار بھی فرما دیا گیا:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران: ۴۲)

ترجمہ: ''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا ہے، پاک کر دیا ہے اور سارے جہانوں کی عورتوں میں سے منتخب کر لیا ہے''۔

پھر اس منتخب وجود کو فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت پہنچائی کہ ایک معزز اور مقرب بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو عطا ہو رہا ہے، انہوں نے اپنے کنوار پن کا حوالہ دیا کہ کسی بشر سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا تو بچہ کیسے ہوگا؟ جواب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تخلیق کسی وسیلے و ضابطے کی پابند تو نہیں، وہاں تو کُن ہو جا کہنا ہی کافی

ہے اور جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی تخلیق ہوئی ہے، اب اگر مرد نہیں ہے مگر عورت تو ہے، وہاں تو نہ مرد تھا نہ عورت۔ اسی لئے فرمایا گیا: اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۵۹) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے"۔

ان امتیازی اوصاف کے حامل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بھٹکے ہوئے قافلے کے لئے رسول بنایا گیا آپ نئی شریعت لے کر نہیں آئے بلکہ واضح کر دیا کہ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰۃِ (آل عمران: ۵۰) یعنی میں تو اپنے سے پہلے آنے والی تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیفہٗ ہدایت، انجیل کی صورت میں عطا فرمایا تاکہ آپ انبیاء سابقین اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات کی صداقت کی گواہی دیں:

وَاٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ فِیۡہِ ہُدًی وَّنُوۡرٌ (المائدہ: ۴۶)

ترجمہ: "اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی، اس میں ہدایت و نور ہے۔"

یہ ہدایت اور نور اس لئے بخشے گئے تاکہ سابقین کی صداقت کا اہتمام ہو اور قوم اس کے مطابق اپنی شاہراہ حیات متعین کرے، ارشاد ہوا کہ ہدایت و موعظت سے مقصود یہ تھا کہ

وَلۡیَحۡکُمۡ اَہۡلُ الۡاِنۡجِیۡلِ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ (المائدہ: ۴۷)

ترجمہ: "تاکہ انجیل کے حاملین اس کے مطابق فیصلے کریں جو اس میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔"

ایک اور مقام پر اس نزول انجیل کا ذکر ہوا کہ "وَاٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ" (الحدید: ۲۷) یعنی ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی، مقصد یہ تھا کہ ان کی معاشرتی زندگی میں توازن اور وقار پیدا ہو مگر ماننے والوں اور اقرار کرنے والوں نے دین عیسیٰ علیہ السلام

marfat.com

کو رہبانیت کی خلوتوں میں گم کر دیا، ترک دنیا کے دعوے ہوئے مگر اپنے دعووں کی بھی پاسداری نہ کر سکے۔ ایک دوسرے مقام پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کیا گیا تو ساتھ یہ بھی یاد کرایا گیا کہ ان کا ذکر تورات وانجیل میں بھی کیا گیا تھا کہ یہ الہامی کتابیں آنے والے رسول اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ کرتی رہی تھیں۔ قرآن مجید میں صحابہ رسول ﷺ کی سجدہ گزاریوں کا ذکر ہوا اور یہ حوالہ ارشاد ہوا:

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰئةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: ''یہ وہ اوصاف ہیں جن کی مثالیں تورات وانجیل میں بھی تھیں۔''

ایسا ہی حوالہ سورہ الاعراف میں بھی دیا گیا:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَ ھُمْ فِی التَّوْرٰئةِ وَالْاِنْجِیْلِ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: ''یہ وہ ہیں جو اتباع کرتے ہیں رسول محترم، نبی معظم، نبیّ الاُمی کا جن کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں''۔

واضح کر دیا گیا کہ ان الہامی کتب میں آنے والے رسول کی شہادت موجود تھی اور یہ کتابیں گذشتہ امتوں کے لئے ہدایت کا پیغام تھیں، قرآن مجید نے متعدد بار ان کی الہامی حیثیت کا ذکر کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ ان کتابوں میں راہنمائی و ہدایت کے واضح اصول درج کئے گئے تھے مثلاً ارشاد ہے:

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰئةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ (آل عمران: ۳،۴)

ترجمہ ''اور اس پروردگار نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا پہلے دور میں لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اس نے فرقان نازل فرمایا''۔

marfat.com

تورات وانجیل کے نزول اور ان کی ہدایت بخشی کا تقاضا تھا کہ آنے والی فرقان کو بھی تسلیم کیا جائے جو ابحق وباطل کے لئے امتیاز کا واحد ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کو کئی بار اس حقیقت کے ادراک کا اشارہ دیا کہ تورات وانجیل کے ماننے والوں کو جان لینا چاہیے کہ قرآن مجید اسی تسلسل کا نقطۂ کمال ہے، مختلف پہلوؤں سے پیغام کی ہمہ گیری کا حوالہ دیا گیا مثلاً جہاد فی سبیل اللہ میں جانوں کے نذانے دینے والوں کا ذکر ہوا تو سمجھایا گیا کہ

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ (التوبة:۱۱۱)

ترجمہ ”اللہ نے اس پر پختہ وعدہ فرمایا تورات میں، انجیل میں اور قرآن ہیں۔“

یعنی فرامین الٰہیہ یکساں طور پر ہر الہام میں موجود ہیں، یہ تو ان اہل کتاب کی کوتاہ نظری اور بدبختی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک پیغام کو مانتے ہیں اور دوسرے سے انکار کرتے ہیں یہ تسلیم ورضا کی روش نہیں ذاتی پسند کو خالق کے حکم پر ترجیح دینے کا معاملہ ہے۔ یہ گستاخی ہے۔ خودسری ہے اور عاقبت نااندیشی ہے، اسی لئے قرآن کا لہجہ تنبیہ کرنے والا ہے، ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الجمعه:۵)

ترجمہ: ”ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔“

تورات وانجیل کے حاملین بننے کا کیا فائدہ جبکہ ان کتابوں کے مندرجات پر عمل نہیں، کتاب اٹھانا تو کوئی فخر نہیں کہ کتابیں تو گدھے پر بھی لادی جا سکتی ہیں، انسانی شرف کتابوں کا اٹھانا نہیں، پڑھنا، سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہے جو بدقسمتی سے یہود ونصاریٰ کو نصیب نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حاملین نے ان کتابوں کو اپنے

marfat.com

خیالات کا مرقع بنانے کا ہر دور میں اہتمام کیا، دست اندازی ہوتی رہی اور اصل متن کی حفاظت نہ ہوئی۔ انجیل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عبرانی زبان میں تھی مگر اب اصل متن ناپید ہے، اب جو نسخہ قدیم ترین سمجھا جاتا ہے یونانی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی متعدد شکلیں بنتی رہیں اور کمی بیشی کا عمل جاری رہا،۳۸۲ء کے قریب عہد نامہ جدید کی ایک شکل متعین ہوئی۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا خود حاملین کتاب کو بھی اعتراف ہے۔عصر حاضر میں انجیل چار کتابوں پر مشتمل ہے۔جنہیں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی انجیل کہا جاتا ہے اور بعض اہل نظر ایک اور انجیل، برنباس، کا بھی ذکر کرتے ہیں جس کے مندرجات قرآنی حقائق سے قریب تر ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کتاب نور کی نورانیت برقرار نہ رہ سکی اور اس کے ماننے والوں نے اس کی حفاظت سے عمداً اغماض کئے رکھا۔

## ۳۔ زبور

زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب ہے، قرآن مجید نے اس کا کئی بار ذکر کیا ہے اور اس کے الہامی ہونے کی گواہی دی ہے مثلاً ارشاد ہوا:

وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا (النساء: ۱۶۳) یعنی ''ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔''

پھر ارشاد ہوا وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا (بنی اسرائیل: ۵۵) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔''

اس کتاب میں کن مضامین کا ذکر ہوا، قرآن مجید نے ایک واضح اشارہ اس جانب کیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ (الانبیاء: ۱۰۵)

marfat.com

ترجمہ ''اور تحقیق ہم نے زبور میں ذکر یعنی تورات کے بعد لکھ دیا کہ بے شک زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔''

زبور کے موجود محرف نسخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ ترحمد وثنا تھی، اسی لئے نغمات داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے اور اسی حوالے سے Psalms of David کا عموماً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

یہ تین کتب اور متعدد صحائف قافلۂ انسانیت کی راہنمائی کے لئے قرآن مجید کے نزول سے قبل الہامی نوشتے تھے، ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ ان کی الہامی حیثیت پر ایمان لائے، یہ ایمان اس حوالے سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام کے ذریعے ہدایت کے یہ نوشتے نازل فرمائے تھے، ان کا نزول برحق ہے، ان کے مندرجات الہامی تھے اس لئے برحق ہیں، یہ اپنے دور کے لئے راہنمائی کا حق ادا کرتے رہے اور یقیناً ان کے اندر علم کا نور موجود تھا اور ان کے احکام وفرامین پر عمل کرنے سے نجات کی امید کی جاسکتی تھی۔ اس ایمان وتصدیق کے باوجود یہ تاریخی حقائق بھی نظر انداز نہ ہونے چاہییں کہ ان میں انسانی دست برد کا عمل مسلسل جاری رہا، ماننے والوں نے ان کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کا پوراجتن کیا، عبارات تبدیل کی گئیں، خودساختہ جملے ان میں ڈالے گئے اور لفظوں کے دروبست کو برقرار نہ رکھا گیا، اس لئے اب موجود صحائف وکتب ان الہامی نوشتوں کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور اس حالت میں قابل اعتماد نہیں، ان میں کیا بدلا گیا اور کیا باقی رہ گیا، اس کا امتیاز مشکل ہے، ہاں ایک معیار مقرر کردیا گیا کہ ان کے ان مندرجات کی تصدیق کرلی جائے جو قرآنی مفاہیم سے انطباق رکھتے ہیں اور جو قرآن مجید کے احکام سے متصادم ہیں ان کو تسلیم نہ کیا جائے، ان کی تصدیق ان کے اپنے اپنے دور میں الہامی کتب کی حیثیت سے نازل ہونے کی ہے کہ یہ تسلیم کرنا

marfat.com

ضروری ہے کہ یہ سب صحائف اور کتب اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے ہیں لیکن اب لائق اعتماد صحیفۂ ہدایت قرآن مجید ہے کہ وہی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، یہاں دن کی پوری روشنی ہے اور صدیوں کا تناظر اس کا گواہ ہے۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو تورات پڑھنے سے روک دیا تھا، اس اعتراف کے باوجود کہ یہ کتاب ہدایت و نور کی حامل تھی۔ فرمایا کہ اگر اس دور میں خود صاحب تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں موجود ہوں تو ان کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ آپ میری یعنی نبی اکرم ﷺ کی اتباع کریں۔(۱) اب الہام کی امانت قرآن مجید کے اوراق میں محفوظ ہے اس لئے صرف اور صرف اس کا مطالعہ اور صرف اور صرف اس کے احکام کی بجا آوری لازم ہے، یہ تو قرآن مجید کا اعزاز ہے کہ اس نے سابقہ الہامی کتب کے بارے میں تصورات کو درست سمت دکھائی ہے اور ان کی حقانیت کا اعلان کیا ہے وگرنہ ان کتب کے حاملین تو متردد ہی رہے ہیں اور بیشتر واقعات میں انبیاء کرام کی حرمت کو پامال کر چکے ہیں۔

## ۴۔ قرآن مجید

تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کا سلسلۂ ہدایت آخر تکمیل کو پہنچا اور نبی رحمت حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید کی شکل میں ابدی پیغام نازل ہوا اور دائمی راحت کا سامان ہوا، یہ صحیفہ، رشد و ہدایت کی آخری کڑی بھی ہے اور راہنمائی کا کامل نوشتہ بھی، یہ ھدًی للناس یعنی لوگوں کے لئے ہدایت ہے، ذکر مبارک ہے، فرقان ہے اور دائمی رحمت ہے، یہ انتہاء موعظت بھی ہے اور کامل شفا بھی، ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۲۵ باب قول اللہ تعالیٰ بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ و سنن الدارمی

marfat.com

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥(یونس :۵۷)

ترجمہ: ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور آئی شفا اس مرض کے لئے جو دلوں میں ہے اور وہ مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے''۔

یہ نصیحت، یہ شفا، یہ ہدایت اور یہ رحمت، قرآن مجید کی صورت میں روشن آیات اور واضح ہدایت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پر عربی زبان میں نازل ہوئی، ایسی عربی جو مبین ہے یعنی واضح ہے کہ اس میں نہ زبان کا الجھاؤ ہے اور نہ اسلوب کا ایسی فصیح زبان اور ایسا بلیغ انداز کہ جس نے توجہ سے سنا تسلیم کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کے الفاظ منتخب مگر واضح، اسلوب عام فہم مگر بے مثل، لہجہ شفیق مگر پر وقار، آیات میں حسن و جمال اور کلمات میں معنی آفرینی کی پوری قوت، تشبیہات و استعارات دل نشین اور قراءت وجد آفریں ہے، جتنا غور کیجئے، اتنے ہی معانی کے موتی رولئے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں نہ تبدیلی ممکن نہ تحریف کی گنجائش موجود، صدیوں سے چیلنج دے رہی ہے کہ اس کی مثل ایک سورت ہی بنا لاؤ، اعلان عام ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥(البقرہ: ۲۳)

ترجمہ: ''اور اگر تم شک میں ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے تو اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے گواہوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

قرآن مجید کا یہ اعلان صدیوں سے سامنے ہے مگر کسی ماہر ادب یا صاحب علم سے جواب نہ بن پڑا۔ قرآن مجید نے اعلان کے ساتھ ہی پوری قوت سے خود ہی

marfat.com

کہہ دیا تھا کہ جواب نہ بن پڑے گا۔ اس سے ایک لمحہ صرف نظر کیجئے کہ جواب کیوں نہ دیا جاسکا۔ یہ ضرور سوچئے کہ دنیا میں جس قدر بھی ہدایت کے نوشتے ہیں، الہامی ہوں یا غیر الہامی کبھی کسی نے ایسا دعویٰ کرنے کا حوصلہ بھی کیا ہے؟ اگر ایسا کوئی اور نہ کرسکا تو یقین کرلیجئے کہ یہی وہ کتاب واحد ہے جو بے مثل اور بے نظیر ہے۔ قرآن مجید نے خود اس کا اظہار فرمایا:

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (ھود:۱)

ترجمہ: ''الف لام راء یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں اور پھر یہ وضاحت کے ساتھ کھول دی گئی ہیں حکمت والے خبر رکھنے والے کی طرف سے۔''

کتاب کی شان دیکھئے کہ لفظ لفظ مربوط ہے، ایک دوسرے سے پیوست ہے مگر ساتھ ہی واضح ہے کہ ہر قسم کی تفصیل کا حامل ہے۔ یہ اجمال و تفصیل، یہ پختگی اور وسعت دلالت کر رہی ہے کہ یہ رب قدیر کا کلام ہے جو حکمت والا ہے اور ہر اظہار و اخفاء کو جاننے والا ہے۔

قرآن مجید تقریباً تیئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال اور مدینہ منورہ کے دس سال، نزول قرآن کا کل دورانیہ ہیں، جو آیات و سورتیں ہجرت سے قبل نازل ہوئیں مکی کہلائیں، یہ کل چھیاسی سورتیں ہیں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں مدنی کہلائیں، یہ کل اٹھائیس ہیں۔ اس طرح کل سورتیں ایک سو چودہ ہیں، قرآن مجید کے تیس پارے اور سات منزلیں ہیں تاکہ ایک مہینہ میں اور ایک ہفتہ میں پورا قرآن مجید پڑھنے کی سہولت رہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو فن کتابت سے آشنا تھے، حضور اکرم ﷺ ان میں سے موجود کسی کو بلا کر حکم دیتے کہ اس آیت یا ان آیات کو فلاں سورت کے شروع یا آخر یا درمیان میں فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت کے

marfat.com

شروع میں لکھے۔اس طرح ہر ہر آیت تحریر بھی ہوتی گئی اور ترتیب بھی پاتی گئی اور اس پختگی کے ساتھ محفوظ کر لی گئی کہ صدیوں کے سفر کے باوجود قرآن مجید کا متن ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔قرآن مجید ہدایت کے فرامین کے ساتھ اپنی حفاظت کا بھی ذکر کرتا ہے، کبھی کہتا ہے فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ (الواقعہ: ۷۸) کہ یہ محفوظ نوشتہ میں ہے تو کبھی ارشاد ہوتا ہے فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظ (البروج: ۲۲) ہ یہ محفوظ لوح میں ہے۔اس طرح قرآن مجید اپنی غیر متبدل حیثیت کا احساس دلاتا ہے، ایک مقام پر تو نہایت وضاحت وتفصیل کے ساتھ ذکر ہوا:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: ’’اور بے شک یہ معزز کتاب ہے، اس میں باطل نہیں آ سکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے لائق حمد پروردگار کی اتاری ہوئی ہے۔‘‘

حفاظت کا اہتمام پروردگار کی جانب ہی سے تھا لیکن حاملین کتاب نے بھی اس کی حفاظت کا بھرپور حق ادا کیا ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، اس بورڈ نے کاغذ، لکڑی کے تختوں، کھجور کے پتوں، پتھر کی سلوں اور کپڑے کے ٹکڑوں پر لکھے گئے تمام اجزاء کو یکجا کیا اور پورے حزم واحتیاط کے ساتھ جمع کر دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک رسم الخط اور ایک لہجے کا اہتمام ہوا، تلاوت کے آداب، قراءت کے اصول اور تخریج مسائل کے ضابطے مرتب ہوئے۔

## آداب تلاوت

قرآن مجید میں پروردگار نے اس کتاب مقدس کی تلاوت کے آداب تعلیم فرمائے۔ارشاد ہوا:

marfat.com

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (الواقعة: ۷۹)

ترجمہ: اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک لوگ ہیں۔

معلوم ہوا آداب تلاوت میں طہارت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور پھر ارشاد ہوا:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (المزمل: ۴)

ترجمہ: "اور قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔"

یہ اس لئے کہ مفاہیم میں الجھاؤ نہ ہو اور احترام کی حد قائم رہے۔ پڑھنے والا تو اس اہتمام سے پڑھے اور گرویدگی کا ثبوت دے اور جن کے سامنے پڑھا جا رہا ہے ان پر لازم ہے کہ حد درجہ انہماک سے سنیں اور کسی قسم کا شور نہ کریں کہ شور برپا کرنا مومنین کا نہیں معاندین کا رویہ ہے، ارشاد ہوا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: "اور جب قرآن پڑھا جائے تو خوب غور سے اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں تلاوت کے کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا گیا: جب بھی قرآن پڑھا جائے، موجود سامعین پر لازم ہے کہ نہایت توجہ اور بھرپور انہماک سے سنیں اور چپ رہیں، اگر سامع قرآن ایسا کرے گا اور حق سماعت ادا کرے گا تو رحم کا حق دار قرار پائے گا۔ اس سے معلوم ہوا قرآن مجید پڑھنا اور سننا دونوں لائق اجر ہیں، ہوسکتا ہے کہ ہر انسان کو اس طرح کا ذوق حاصل نہ ہو، اس لئے وسوسوں اور بدخیالیوں سے محفوظ ہونے کا طریقہ سمجھا دیا گیا، ارشاد ہوا:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ (النحل: ۹۸)

marfat.com

ترجمہ: ''پس جب تو قرآن کی قراءت کرے تو اللہ تعالیٰ سے مردود شیطان کی وسوسہ کاریوں سے پناہ مانگ لے۔''

ان آیات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کس درجہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہاتھ بھی لگانا ہو تو پاک ہو کر لگاؤ، سکون اور اطمینان سے پڑھو، لفظ لفظ پر توجہ دیتے ہوئے پڑھو یعنی سراپا ادب اور احترام کے پیکر بن جاؤ کہ کلام الٰہی کی تلاوت کرنے لگے ہو، سنو تو غور سے اور خاموش ہو کر تا کہ توجہ ہٹ نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ کی دعائیں مانگ کر پڑھو کہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہو، سوچئے جو کتاب اس قدر عظمت کے تصور کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان کتابوں کی صف میں کیسے لایا جاسکتا ہے جن کا پڑھنے والا شیطانی رجحانات کا پیکر ہے، نفسانی خواہشات میں ڈوبا ہوا ہے اور گستاخ نیتوں سے، بے ادب انداز سے عبارتوں کو ادل بدل کرتا اور لفظوں سے کھیلتا ہے، یہی وہ فرق ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس نے قرآن مجید کو قاری کی روح کا زمزمہ بنا دیا ہے اور یہی وہ پناہ ہے جس نے حفاظت کتاب کا ذمہ لے رکھا ہے، ارشاد پروردگار ہے:

اِنَّانَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ O (الحجر: ۹)

ترجمہ: ''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ کتب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اتاری گئی تھیں مگر ان کے بارے میں یہ ذمہ کیوں نہیں لیا گیا کہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یقیناً قرآن بھی اور تورات وانجیل وزبور بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ ایک کی حفاظت کا اہتمام ہوا جبکہ دوسری کتابوں میں تحریف ہوتی رہی اور روکنے کا کوئی انتظام نہ ہوا۔ غور کریں تو واضح ہوگا کہ ان کی حفاظت کا ذمہ اس لئے نہ لیا

marfat.com

گیا کہ ان کی تعلیمات ایک خاص دور کے لئے تھیں۔ ایک کے بعد دوسری کو نازل کر دیا گیا مگر قرآن مجید دائمی صحیفہ ہدایت تھا اس لئے کہ یہ اس نبی ﷺ پر نازل ہو رہا تھا جس کی نبوت و رسالت کو جاری و ساری رہنا ہے، نبوت قائم ہے اس لئے پیغام بھی محفوظ کیا گیا ہے، یہ ایسی واضح شہادت ہے جس سے کسی صاحب فہم و فراست کو انکار نہیں ہے۔ قرآن مجید کے حفظ کرنے والوں کی ہر دور اور ہر ملک میں کثیر تعداد، قرآن کی عظمت و حفاظت کی بین دلیل ہے۔

تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید الہامی کتب ہیں، قرآن مجید صحیفہ ہدایت جو اپنی ابدی حیثیت کے اظہار کے ساتھ تورات، انجیل اور زبور کی منزلت اور صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے، باور صرف یہ کرانا ہے کہ جس پروردگار نے یہ پہلی کتابیں نازل کی تھیں اسی نے اب یہ دائمی صحیفہ عطا فرما دیا ہے، کیا اس کا اسلوب، اس کے مضامین کی فہرست اور کیا اس کی ہدایت، الہامی ہونے کی سند نہیں؟ کیا اس کا صدیوں کے اتار چڑھاؤ کے باوجود اپنی اصل شکل میں باقی رہنا اس کی برتر حیثیت کا ثبوت نہیں؟ کیا زبان دانی اور فہم و دانش کے دعوے دار اس کا جواب پیدا کر سکے؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو تسلیم کیجئے کہ یہ کتاب ہر پہلو سے منفرد ہے، بے مثل ہے، زندہ ہے اور اس کی تعلیمات آج بھی اسی طرح ثمر بار ہیں جیسے صدیوں پہلے تھیں تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ الہام ہے، وحی ہے، انسان کا کلام نہیں اور یہ کہ یہ سراسر محترم ہے، ہدایت کا سرچشمہ ہے، یہ صرف دعویٰ نہیں بارہا اس کو آزمایا جا چکا ہے۔ قریہ قریہ، شہر شہر اور گھر گھر سے اس کی آواز اٹھتی ہے، آوازوں اور لہجوں کے تفاوت کے باوجود، جو زبان اور لہجے کو یکسانی عطا کرتا ہے وہ کون سا صحیفہ ہے؟ بولنے والا کوئی ہو، کسی بھی ملک کا شہری ہو، تہذیبی رویے کیسے بھی ہوں جب بھی کوئی ہاتھ باندھ کر کعبہ رخ ہوتا ہے تو اس کی آواز، اس کی زبان ایک ہوتی ہے، تلاوت قرآن نے رنگ و نسل کا

marfat.com

فرق مٹا دیا اور وحدت انسانی کا عملی نمونہ پیش کیا، ہم آوازی کا جوہر اسی کتاب حکمت کا فیض ہے، قرآن مجید ہی وہ کتاب ہدایت ہے جو بلا امتیاز رنگ و نسل، وحدت فکر اور وحدت ذکر کی کفالت کی امین ہے۔ضرورت یہ ہے کہ تعصب سے بالاتر ہو کر، مفادات کے گرداب سے نکل کر اور طلب حق کی سچی خواہش لے کر اس کے حضور حاضر ہوا جائے تاکہ زبان سے ادا ہونے والے کلمات دل پر اترنے لگیں اور ضمیر کو جھنجھوڑنے لگیں، علماء کہتے ہیں کہ بچے کی تعلیم کی ابتداء قرآن مجید سے ہونی چاہئے تاکہ آغاز بابرکت بھی ہو اور پروقار بھی، اس لئے یہ حقیقت کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ رہے کہ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (۱)

ترجمہ: ''تم میں بہتر وہ انسان ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔''

اللہ تعالیٰ سیکھنے اور سکھانے کے اس عمل کو ہر صاحب عقل کا وظیفۂ حیات بنائے آمین۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلّمہ سنن الترمذی ابواب فضائل القرآن باب تعلیم القرآن

marfat.com

عقائد اسلام

# اللہ تعالیٰ کے رسُولوں پر ایمان

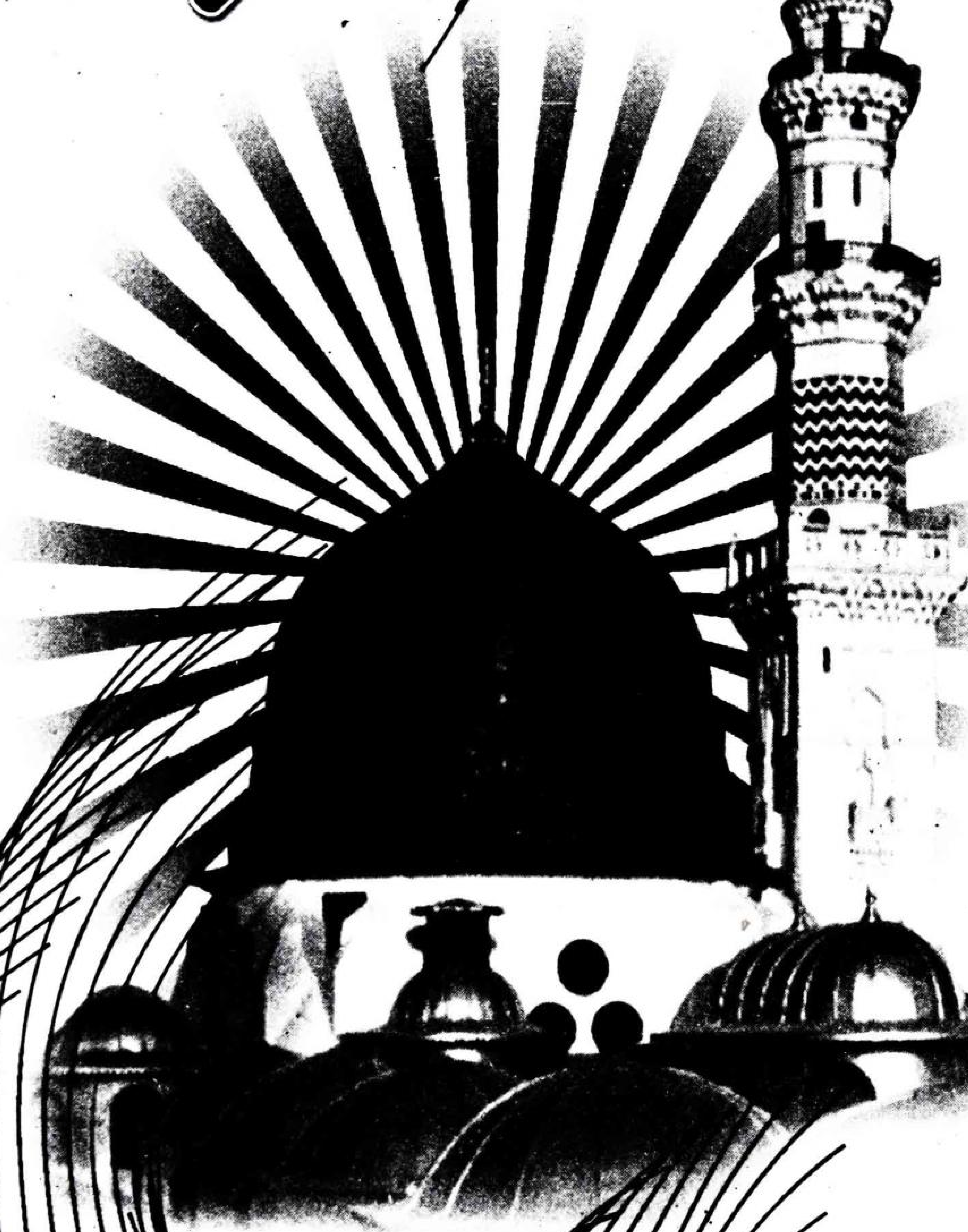

marfat.com

# اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان

ایمانیات کا ایک اہم جز و اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیے گئے انبیاء (نبی کی جمع) اور رسل (رسول کی جمع) پر ایمان لانا بھی ہے کہ یہی برگزیدہ وجود خالق ومخلوق کے درمیان ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ انسانی فکر نے کائنات اور کائنات کے خالق کے حوالے سے ہر دور میں کاوش کی ہے تاکہ وہ اس کائنات کی تخلیق کے مقاصد، تخلیق کرنے والی ذات اور اس ذات کی صفات کو جان سکے۔ کبھی اس کاوش میں نمایاں پیش رفت بھی ہوئی مگر الجھاؤ اور بے توفیقی کی کارفرمائی بھی رہی، خالق کائنات نے اپنی اس اشرف مخلوق کو اس حوالے سے بے سہارا نہیں چھوڑا، روز اول سے ہی راہنمائی کا اہتمام کیا، ہدایت کے ضابطے عطا فرمائے اور ہدایت فرمانے والی ہستیاں مبعوث فرمائیں، ان ہستیوں کو نبی یا رسول کہتے ہیں، نبی کا معنی خبر دینے والا ترجیحاً ایسی خبر جو انسانی فکر سے مخفی ہو، غیوبات یعنی وہ معلومات جو غیب یعنی پوشیدہ ہوں، کی خبر اور مخفیات کا علم، نبی کے منصب کا تقاضا ہوتا ہے، رسول کا معنی پیغام لانے والا۔ صرف خبر دے تو نبی اور اگر ساتھ پیغام یا نئے احکام لائے تو رسول کہا جاتا ہے، رسول، اللہ تعالیٰ کے پیغام ہدایت کو قوم کی اصلاح و فلاح کے لئے پیش کرتا ہے تاکہ عالم انسانیت میں جو برائیاں، ذاتی رجحانات، گروہی تعصبات یا مادی مفادات کے حوالے سے پیدا ہوگئی ہوں، دور ہو جائیں، عقل کی نارسائی کا علاج ہو جائے اور اعمال کی بے راہ روی کی اصلاح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس رحیم وکریم رب نے جسمانی توانائی اور عقل وشعور کی نعمت کے ساتھ الہامی راہنمائی بھی عطا کی، اس لئے کہ جسمانی توانائی بسا اوقات، ظلم وجبر اور اندھی قوت کا مظہر بن جاتی ہے اور عقل وشعور کی سرافرازی کئی بار ذاتی اغراض کے حصار کی محدودیت سے انانیت کا شکار ہو جاتی ہے

marfat.com

اس کے نتیجے میں ہوا و ہوس کا کارزار برپا ہوتا ہے اور اس کی پاداش میں انسانی معاشرہ فساد برپا کرنے لگتا ہے۔ شرف انسانیت کی توہین ہوتی ہے اور معاشرہ حیوانیت کا اسیر ہو جاتا ہے، انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام انسان اور انسانی معاشرہ کو انہی پستیوں سے نجات دلانے کی سعی کرتے ہیں۔

نسل انسانی کی ابتداء حضرت آدم علیہم السلام سے ہوئی، آپ ابوالبشر اور عالم انسانیت کے جدِّ اول ہیں، آپ کو خالق کائنات نے اپنا نائب بنایا اور اپنی پہچان کا ذریعہ بھی، آپ کا وجود کسی ارتقائی عمل کا نتیجہ نہ تھا جیسا کہ بعض مفکرین نے کہا ہے، جو تخلیقی عمل کی صرف مادی حوالوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ انسان کو بحیثیت انسان ہی پیدا کیا گیا، اس کی صورت گری ہوئی اور اس میں ہی روح ڈالی گئی اور اسے متحرک وجود عطا کر دیا گیا اور پھر اسے زمین پر آباد کر دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس سرزمین پر تشریف لائے اور قافلۂ انسانیت رواں دواں ہوا، رحمت حق کی بے پایاں وسعت کا اندازہ کیجئے کہ انسان کی تخلیق میں جسمانی نشو ونما کی صلاحیت رکھی، عقل و شعور کا امتیاز بخشا تو ہدایت و راہنمائی کا اہتمام بھی فرمایا، انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا نبی بھی بنایا، اس طرح تخلیق اور ہدایت کی ابتداء ایک ساتھ ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد کے بعد سے نسل انسانی پھیلنے لگی اور زمین کے مختلف گوشے آباد ہوتے گئے، آبادی کی کثرت کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ہر نسل کی راہنمائی اور ہر عہد کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے، ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر: ۲۴)

ترجمہ: ”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔“

کوئی قوم، گروہ یا معاشرہ ایسا نہیں جہاں راست روی کا مبلّغ نبی تشریف نہ

marfat.com

لایا ہو، اگر نبی نے زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھایا اور مخفی کارفرمائیوں کی کیفیات بتائیں تو رسول نے احکام سنائے، ہدایت کے ضابطے سمجھائے۔ رسول، احکام لانے کے منصب سے سرافراز ہوا اور نبی پیش کیے گئے احکام کا مبلّغ رہا، اس طرح کہ ہر رسول نبی بھی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک شریعت پر عمل کی دعوت دینے والے متعدد تھے۔ روایات کے مطابق ایسے راہنمایان اقوام جو نبی کہلائے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس کے قریب ہیں جبکہ اصحاب احکام رسولان گرامی تین سو تیرہ ہیں۔

انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا پیغام لاتے رہے اور انسانیت کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے، ماحول کے تفاوت اور عصری ضروریات کے فرق کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی اساس ایک تھی، توحید کا عقیدہ قدر مشترک رہا، تعلیمات کی اثر آفرینی اور فلاح انسانیت کی ضمانت ہر قوم پر آشکار رہی مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ قوموں نے مخالفت کی روش اپنائے رکھی، پیکر محسوس کے خوگر نت نئے بت تراشتے رہے اور شرک کے مرتکب ہوتے رہے، الہٰ واحد یعنی ایک معبود پر ایمان کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام دعوت دیتے رہے، ان فرستادہ ہستیوں کو عقیدہ توحید کی خاطر بڑی محنت کرنا پڑی، سخت مخالفت ہوئی، کبھی یہ مخالفت حد سے بڑھ گئی تو وطن چھوڑنا پڑا۔ قتل کی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا، غرضکہ بے حد وحساب ظلم ہوئے مگر استقامت اس درجہ تھی کہ کسی نے مشن ترک نہ کیا، مگر جب بہتری کی کوئی صورت نہ رہی تو وقت کے نبی نے بارگاہ صمدیت میں ہاتھ اٹھالئے، عذاب کو پکارا تو قہار وجبار پروردگار نے عذاب نازل کیا، کبھی زلزلوں سے لرزایا تو کبھی پانی کی طغیانیوں نے غرق کیا اور کبھی تند وتیز آندھیوں نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا، پتھر برسے، ظالم زمین کا رزق بنے، ایک قوم تباہ ہوئی تو دوسری کو بسنے کا موقعہ ملا، زمین کی چھاتی اب بھی عاد وثمود کی ہلاکتوں کے نشانوں کو سنبھالے

marfat.com

ہوئے ہے، قافلہ رشد و ہدایت کی تمام تر روایت اب بھی تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بھی سلسلہ نبوت جاری رہا، بہت سے نبی اور رسول تشریف لائے، ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

- حضرت آدم علیہ السلام
- حضرت نوح علیہ السلام
- حضرت ھود علیہ السلام
- حضرت ابراھیم علیہ السلام
- حضرت اسماعیل علیہ السلام
- حضرت اسحاق علیہ السلام
- حضرت یعقوب علیہ السلام
- حضرت ایوب علیہ السلام
- حضرت یوسف علیہ السلام
- حضرت داؤد علیہ السلام
- حضرت سلیمان علیہ السلام
- حضرت صالح علیہ السلام
- حضرت موسیٰ علیہ السلام
- حضرت ہارون علیہ السلام
- حضرت زکریا علیہ السلام
- حضرت یحییٰ علیہ السلام
- حضرت عزیر علیہ السلام
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ان سب کے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے یہ سلسلہ نبوت و رسالت مکمل ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین بن کر آئے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود سے نیکیوں کو فروغ ملتا رہا۔ بدیاں پسپا ہوتی رہیں اور اعمال صالحہ کا وقار قائم ہوتا رہا، نبی کی ذات حسنات کا سر چشمہ اور دنیا و آخرت میں فلاح کی ضامن ہوتی ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق انبیاء و رسل پر ایمان لانا لازم ہے، اس ایمان بالرسل کے بغیر ایمان متحقق نہیں ہوتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان کا تقاضا ہے کہ:

(**الف**) ان میں تفریق نہ کی جائے کیونکہ بحیثیت نبی سب ایک منصب پر فائز ہیں اور سب کو ایک بارگاہ سے عظمت و شرافت عطا ہوئی ہے اس ارشاد ربانی میں اس

marfat.com

جانب واضح اشارہ کیا گیا، فرمایا گیا:

قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ (البقرة : ١٣٦)

ترجمہ: ''کہہ دو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو اتارا گیا، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) پر اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو اور جو دیا گیا انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے رب کی جانب سے، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے ہیں''۔

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کا نام لے کر اور باقی تمام کا نبی کے عنوان کے تحت حوالہ دیا گیا اور واضح کر دیا گیا کہ مومنوں کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول یا نبی مبعوث فرمائے سب پر ایمان لائیں۔ کسی نبی یا رسول کی نبوت و رسالت کے بارے میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں اس لئے کہ ان سب کی تعلیمات کا مرکز ایک تھا، نام جدا جدا ہیں، قوم و عہد مختلف ہے مگر پیغام ایک ہے کہ سب کو نسبت ایک ہی بارگاہ سے ہے اور سب کا ہدف ایک ہے کہ رب کائنات کے سامنے سر بسجود ہونا ہے اور اسی پروردگار کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے ایمان کے حوالے سے اور منصب رسالت کی نسبت کے حوالے سے واضح فرما دیا کہ کسی نبی میں تفریق روا نہیں، اس سے یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اس عدم تفریق سے عدم تفضیل مراد ہے، یقیناً تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک منصب کے حامل ہیں کہ سب فرستادگان الٰہی ہیں مگر ان سب کا مقام و مرتبہ اپنا اپنا ہے، فضائل و درجات میں یکساں ہونا لازم نہیں، حقیقت ہے کہ ان میں سے بعض کو

marfat.com

بعض پر فضیلت حاصل ہے، اس حوالے سے رب کائنات کا ارشاد واضح ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط (البقرۃ: ۲۵۳)

ترجمہ: ''یہ سب رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں وہ بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں کسی کے درجات بلند کئے اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام کو واضح نشانیاں عطا کیں اور ان کی روح القدس سے مدد فرمائی''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ہم کلامی کا شرف بخشا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متعدد نشانیاں عطا ہوئیں حتیٰ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی معاونت کے لئے مقرر فرمایا گیا، ان میں سے بعض کو درجات سے نوازا گیا۔ درجات سے بلند تر فضائل کی جانب اشارہ کیا گیا۔ یہ بے شمار درجات اور فضائل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عنائت فرمائے گئے، ان فضائل کا شمار ممکن نہیں اگر چہ انسانی بساط کے مطابق ہر صاحب ایمان نے کوشش کی ہے، یہ کوشش متقاضی ہے کہ فضائل شماری کا قرینہ پیش نظر رہے تا کہ ذکر فضائل اور بیان رفعت میں کسی نبی یا رسول کی تحقیر یا توہین کا پہلو نہ نکلے کہ اس سے خود سرور عالم ﷺ نے منع فرمادیا ہے۔

**(ج)** انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود انتہائی محترم ہے، ان کی عظمت، ان کے وقار اور ان کی پاکدامنی کا جو معترف نہیں وہ ایمان والا نہیں، ان کی مشترک خصوصیت ہے کہ سب معصوم ہیں، ان سے کسی حالت اور کسی حوالے سے گناہ سرزد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ سب خیر کے ضامن اور عمل صالح کے داعی ہیں، ہر عمل خیر وصالح کا اسوہ ہیں اور ہر برائی اور بدی کی سرکوبی کا حوالہ ہیں، اس لئے ان کی ذات کے حوالے سے بدی

marfat.com

کا امکان یا برائی کے سرزد ہونے کا وسوسہ گناہ ہے اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے کہ یہ عظمت نبوت سے انکار ہے اور یہ انکار کفر ہے۔

(د) انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر خوبی سے نوازا ہے اور ہر فضیلت عطا کی ہے، علم کی دولت، عمل کی عظمت، ظاہری حسن، باطنی طہارت، اخلاق کی برتری اور شخصیت کا وقار سب کو عطا ہوا، ان کی دعا مقبول اور ان کی تمنا و خواہش محترم ہے، ان کا تعلق عالم انسانیت سے ہے مگر ان کا مرتبہ و مقام بلند تر ہے، ظاہری شکل و صورت میں بشر ہیں مگر افضل البشر اور احسن البشر ہیں، کوئی غیر نبی نہ ان کا ہمسر ہے نہ ہم مرتبہ، قرآن مجید نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیا، تذکرے کی عبارت، الفاظ کا انتخاب اور اسلوب کلام کا حسن صاف دکھائی دیتا ہے اگر کلام الٰہی سمجھنے کا سلیقہ حاصل ہو تو اندازہ ہوتا ہے کہ خود خالق کائنات ان کی عظمت کا کیسے اظہار کر رہا ہے، جہاں کہیں کسی معاشرتی حوالے سے کسی شک کا گزر ہو سکتا تھا، وہاں فوری ازالہ کر دیا گیا، سیرت انبیاء کرام علیہم السلام کا مومنانہ مطالعہ اس عظمت و شرافت کی وضاحت کے لئے راہنما بنے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا وہ سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا بالآخر نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوا، آپ ﷺ پر مدارج کا سلسلہ انتہاء تک پہنچا اور نبوت و رسالت کا اختتام ہوا، اب ہدایت و راہنمائی کے لئے آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہی وسیلہ نجات ہے۔ آپ ﷺ کے حوالے سے چند اساسی امور پیش نظر رہنے چاہیں:

## حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت عالمین کی عظمت کے ساتھ سارے عالم انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا، آپ کی نبوت و رسالت کی وسعت بے پایاں

marfat.com

ہے کہ کائنات کے ہر ذرے کو محیط ہے، اب نوع بشر کو ہدایت وراہنمائی کے لئے کسی اور در کی تلاش نہ ہوگی کہ اب اسی در سے مومنوں کو بشارتیں ملیں گی اور کافروں کو انجام بد کی وعید پہنچے گی، اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (السباء : ۲۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا''۔

نسل انسانی کے لئے ہدایت کا دائمی پیغام آپ ﷺ سے لوگوں تک پہنچا، تسلیم کرنے والوں کے لئے بشارت آپ ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے ڈرسنانے والے بھی آپ ہیں۔ یہ منفرد شرف آپ کا امتیاز بھی ہے اور نوع بشر کے لئے لائحہ عمل بھی۔

قرآن مجید نے حضور اکرم ﷺ کی ہمہ گیر حیثیت کا ذکر رحمت کے حوالوں سے کیا تا کہ اس عمومی مزاج کی نشاندہی ہو جائے جو نبی رحمت ﷺ کی بلند تر منزلت کا حوالہ ہے، ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا''۔

اس آیت کریمہ نے نبی آفاق ﷺ کی بلند منزلت کی خبر دی اور رسالت کی ہمہ گیری کا اعلان فرمایا، عَالَم کی جمع عَالَمُوْن ہے لام کے حرف جر نے اسے عَالَمِیْنَ بنا دیا، عَالَمِیْنَ سے واضح ہو گیا کہ ہر ہر عالم کے لئے آپ رحمت ہیں، یہ عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت، عالمین جمع ہے اور کثرت کا مفہوم دے رہا ہے مگر اس جمع پر ال داخل کر دیا گیا جس سے اس کثرت میں مزید وسعت پیدا ہو گئی اور رحمت تمام جہانوں کے تمام گوشوں کو محیط ہو گئی، رب العالمین نے آپ ﷺ کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنایا تا کہ ربوبیت رب سے رحم کی بھیک مانگنے والے اس رحمت کونین ﷺ

marfat.com

کے دربار رحمت میں بھی حاضر رہیں۔

رحمت طلب کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ ظلم وستم کی کوئی صورت ہو، بدی و گناہ کی کیسی شکل ہو، اپنے رب کو ہی پکاریں مگر اس پکارنے کا سلیقہ یہ ہے کہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر دست طلب بڑھائیں تا کہ رحمت عالمین ﷺ کی رحمت اس درخواست کی مؤید بن جائے، معلوم ہوا کہ گنہگار کو رحمت طلب کرنے کا حق حاصل ہے، وہ جب چاہے مانگے مگر یہ ضرور خیال رہے کہ مطلوب صرف مانگتے رہنا ہی نہیں، قبولیت سے مشرف ہونا بھی ہے، اس لئے سمجھا دیا گیا کہ مانگنے پر پابندی نہیں، رحمت رب و کرم خالق کی کوئی حد نہیں مگر اس قادر مطلق نے خود ہی اجابت دعا کا طریقہ بتا دیا بلکہ متنبہ کر دیا کہ رحیم و کریم رب کی رحمت حاصل کرنے کا ادب بھی سیکھ لو، ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے، اگر وہ جنہوں نے جب ظلم کر لیا اپنی جانوں پر آپ کے پاس آ جائیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول مکرم ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں“۔

واضح کر دیا گیا کہ حصول مغفرت اور طلب رحمت کی شرط یہ ہے کہ استغفار کرنے والوں کی تائید اس دربار رحمت سے بھی ہو جائے، اگر یہ تائید حاصل ہو گئی تو گنہگار اپنے رب کو توّاب بھی پائیں گے اور رحیم بھی۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ تو بہت ہوتا ہے کہ یہ انسان کی سرشت میں ہے مگر خود خالق کائنات نے واضح کر دیا کہ اس سے محبت، اتباع رسالت سے مربوط

marfat.com

ہے، ارشاد ہوا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (ال عمران :۳۱)

ترجمہ: ”فرما دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

اتباع رسالت کا اجر یہ ہے کہ خود پروردگار محبت کرتا ہے اس لئے کہ اسے اپنے حبیب مکرم ﷺ سے محبت ہے، تبھی تو وہ خود اپنے فرشتوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پر رحمتوں کے نزول کا اعلان کرتا ہے، پروردگار کو انسان بھی وہی اچھا لگتا ہے جس کے وجود سے اتباع رسول ﷺ کی مہکار آتی ہو، وہ مالک الملک جہاں اپنے رسول ﷺ کے وجود کے عکس یا نمونے دیکھتا ہے محبت کرتا ہے اور رحمتیں نازل کرتا ہے۔

رب کائنات اپنے رسول ﷺ پر کس قدر رحمتیں نازل کرتا ہے اس کا اعلان خود فرمایا، ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O (الاحزاب:۵۶)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو، تم بھی ان پر دورد بھیجو اور بہت سلام عرض کرو“۔

درود بھیجنے کا حکم دیا گیا اس لئے یہ واجبات ایمان میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی اہمیت اور عظمت یوں واضح کی کہ اپنا عمل بتایا اور فرشتوں کے عمل کا بھی حوالہ دیا، سلام کے حکم میں تسلیماً کہہ کر تاکید کر دی گئی تا کہ ایسا نہ ہو کہ درود پڑھنے والوں سے سلام رہ جائے۔

marfat.com

نبی اکرم ﷺ کی بلندیٔ مرتبت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی توقیر و نصرت سے انسانی وجود کو باوقار بنایا جائے، ارشاد ہوا:

فَالَّذِينَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الاعراف ۱۵۷)

ترجمہ: ''پس وہ جو ایمان لائے آپ پر اور انہوں نے آپ کی تعظیم کی اور ساتھ دیا اور اس نور کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اتارا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

ایمان کے ساتھ تعظیم اور نصرت کو مربوط کرنا دلیل ہے کہ کاملیت ایمان بغیر تعظیم رسالت حاصل نہیں ہوتی اور جس کو یہ دولت مل جاتی ہے تو وہ قرآن مجید کے حرف حرف سے نور نکلتا دیکھتا ہے، پھر وہ اس کی روشنی میں چلنے کا حوصلہ پا لیتا ہے۔ ایسے حوصلہ مند افراد ہی بامراد ہیں۔

تعظیم و تکریم صرف ایک اخلاقی رویہ نہیں ہے، یہ تو عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے، نبی اکرم ﷺ کا مکرم و محترم وجود اور آپ کا لایا ہوا دین رحمت، فلاح دارین کا ضامن ہے اس لئے اب نیکی کی شناخت کا معیار اتباع رسالت ہی ہے، اس کے بغیر نہ ایمان ثابت ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے چنانچہ واضح کر دیا گیا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (ال عمران: ۱۳۲)

ترجمہ: ''اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول محترم کی تا کہ تم رحم کئے جاؤ''۔

رحمت پروردگار مشروط ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے، اس اطاعت سے انکار نافرمانی ہے، اس لئے جس نے بھی یہ باغیانہ روش اپنائی وہ محروم ہوا اور در رحمت سے بھٹک گیا۔ ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب: ۳۶)

marfat.com

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوا ہے''۔

یہاں ایک سوال وضاحت طلب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری تو آپ کی ذات کے محسوس حوالے سے واضح ہے کہ لاکھوں آنکھیں اطاعت کے مرکز کا مشاہدہ کر رہی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیسے ہو اور اس کی نافرمانی کی صورت کیسے معلوم ہو، اس اٹھنے والے سوال کی اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی، ارشاد ہوا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

ترجمہ: ''جو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو بے شک اس نے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے''۔

خود نبی محترم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ (۱)

ترجمہ: ''جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، محمد (ﷺ) ہی لوگوں کے درمیان نشان امتیاز ہیں''۔

مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ کا ارشاد واضح کر رہا ہے کہ اب انسانوں کے درمیان، اچھے یا برے نیک یا بد کا فیصلہ کرنا ہو تو معیار محمد ﷺ کا وجود ہی ہوگا، جو آپ کا ہے، جو آپ کی پسند ہے اور جو آپ کی طرح ہے، وہی حق ہے اور جو آپ کا نہیں، آپ کی پسند کا نہیں اور آپ کی طرح کا نہیں، وہی باطل ہے، معلوم ہوا، اطاعت رسول

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ

marfat.com

ہی اطاعت حق ہے کہ اب خالق کائنات تک رسائی کا اور کوئی ذریعہ نہیں، آپ ﷺ کے اسوہ مبارکہ کو چھوڑ کر نجات، فلاح اور کامرانی کا کوئی اور دروازہ نہیں، یہی ایک در رحمت ہے جس تک رسائی کامیابیوں کی ضمانت ہے۔

☆ یہ یقین بھی ایمان رسالت کا لازمی حصہ ہے کہ آپ کے تمام ارشادات واجب الاتباع ہیں، آپ کا عمل اسوہ حسنہ ہے تو آپ کی زبان سے ادا ہونے والا ہر کلمہ وحی حق ہے، سچ وہی ہے جو آپ نے فرمایا اس لئے کہ جھوٹ کا صدور آپ سے ممکن نہیں ہے، اگر ایسا صدور ممکن ہوتا تو معیار قائم ہی نہ ہوتا۔ آپ کے فرمودات کی صداقت اور عظمت کا خود اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا، ارشاد ہوا:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰیؕ ۝ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۝ (النجم: ۳،۴)

ترجمہ: ''اور آپ خواہش کے زیر اثر نہیں بولتے، بلکہ آپ کا کلام تو وحی ہے جو کی جاتی ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی گفتگو، خواہشات نفس کے اظہار کے لئے نہیں ہوتی بلکہ تمام تر وحی ہے، آپ کا کلام مکمل طور پر حصار پروردگار میں ہے، آپ ﷺ کے جذبات، تمنائیں، خواہشات اور میلانات بہر جہت رضائے رب کا مظہر ہیں، اس ارشاد ربانی نے عصمت نبوت کا ہر رخ آشکار کر دیا۔

☆ ختم نبوت کا اعزاز آپ ﷺ کا امتیاز ہے، انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم السلام مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں مبعوث ہوئے، یہ سلسلہ ہدایت حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی آمد پر اپنے اختتام تک پہنچا، آپ افضل الرسل بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی، اللہ تعالیٰ نے اس خاتمیت کا واضح اعلان فرما دیا، ارشاد ہوا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ۝ (الاحزاب: ۴۰)

marfat.com

ترجمہ: ''محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

اس فرمان الٰہی سے دو اہم باتیں واضح ہوگئیں، ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں، دوسری یہ کہ آپ سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں۔ باپ ہونے کی نفی سے یہ اشارہ ملا کہ باپ لائق احترام وجود ہونے کے باوجود یہ مقام نہیں رکھتا کہ نبی کی عظمت کو اس حوالہ سے جانچا جائے، انسانی روابط میں سب سے برگزیدہ تعلق کا ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا گیا کہ تعلقات باہمی کا کوئی حوالہ اس عظمت کا مثل نہیں ہوسکتا جو بحیثیت نبی کسی وجود کو عطا ہوتی ہے اور پھر نبی بھی وہ جس کی آمد کے بعد کسی اور کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، اس طرح رفعت و عظمت کے ہر تقابل کی نفی کر دی گئی۔

اس آیت کریمہ نے اس عقیدے کی ترسیخ کر دی کہ ختم نبوت کے حوالے سے کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمانے والے خالق و مالک نے یہ دروازہ خود ہی بند کر دیا ہے، نبوت کسی محنت یا ریاضت کا ثمر نہیں ہے، یہ تو عطا ہے، اس لئے جب منکرین نے یہ چاہا کہ فلاں کو نبی ہونا چاہئے تھا، وہ لوگ انکار کے ساتھ یہ سوال بھی کر رہے تھے کہ اگر نبی ہونا تھا تو آپ ہی کیوں منتخب ہوئے، بہت سے سردار، بہت سے جہاں دیدہ افراد موجود تھے، وہ کیوں نبی نہ بنے، مکہ مکرمہ میں بھی یہ سوال اٹھا اور طائف میں بھی، جواب بڑا واضح اور دوٹوک تھا:

وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ‌ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسٰلَـتَهٗ‌ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ (الانعام: ۱۲۴)

ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس کوئی آیت آئی، کہنے لگے: ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کو بھی اس کی مثل نہ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے

marfat.com

رسولوں کو دیا گیا، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے، عنقریب جرم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت پہنچے گی اور شدید عذاب بھی اس بنا پر جو وہ مکر کرتے رہے ہیں''۔

واضح کر دیا گیا کہ رسالت کس کو عطا کی جائے، پیغام الٰہی کس پر نازل کیا جائے یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا معاملہ ہے۔

ہر صاحب ایمان پر لازم ہے کہ وہ ان تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت یا رسالت کا اعزاز بخشا ہے، اور ان تمام دعویداروں سے براءت اور نفرت کا اظہار کرے جن کو اس منصب کا حامل نہیں بنایا گیا، عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کو تسلیم کرنا ہے، کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ کسی غیر نبی کو نبی مان لینا بھی کفر ہے کہ یہ مرتبہ ومقام اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، نہ یہ اعمال وافعال کا معاوضہ ہے اور نہ کسی کی پسند وناپسند کا مظہر ہے، اس لئے اب ہر وہ شخص جو ایسا دعویٰ کرے کذاب ہے اور مرتد ہے کہ اب نبوت ختم ہو چکی، اب کسی ایسے مدعی کو کسی حوالے سے بھی تسلیم کرنا کفر ہے اور جو نبی اکرم ﷺ کی آمد کے بعد کسی اور کو نبی تسلیم کرتا ہے وہ دین اسلام سے خارج ہے اس لئے کہ عقیدہ ختم نبوت، بنیادی حیثیت کا حامل ہے، اس میں کسی تاویل یا لفظی موشگافی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ سوال کہ نبوت یا رسالت کا اعزاز کس کس کو حاصل ہے؟ بڑی توجہ کا مستحق ہے، یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ سے قبل تشریف لانے والے انبیاء کی پوری فہرست ہمارے سامنے نہیں، اس لئے ان پر ایمان کی دو صورتیں ہیں، جن انبیاء کرام علیہم السلام کا خود خالق دو جہاں نے ذکر کر دیا یعنی قرآن مجید میں ان کے اسماء مذکور ہو گئے یا یہ کہ نبی رحمت ﷺ نے بحیثیت نبی ذکر کر دیا، ان پر نام لے کر ایمان لایا جا سکتا ہے کہ ان کی نشاندہی کی گئی ہے، ان پر اور باقیوں پر یوں بھی ایمان لایا جا سکتا ہے کہ کہا جائے

marfat.com

کہ ان تمام پر ایمان لاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی یا رسول بنایا، پریشانی بلکہ بدقسمتی یہ ہے کہ بعض لوگ جن میں بعض اصحاب علم بھی ہوتے ہیں کسی شخصیت کے کارناموں یا نیک اعمال سے متاثر ہو کر اس کی نبوت کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں، یہ بہت پرخطر رویہ ہے، سوچئے! اگر وہ وجود یا شخصیت نبی نہ ہو اور اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اس لئے مناسب یہی ہے کہ حتمیت سے صرف ان کا نام لیا جائے جن کی توثیق قرآن مجید یا احادیث رسول ﷺ سے ہو چکی ہے، نبوت کے اقرار کا یہ رجحان بعض وقات دیگر قوموں کی قربت یا معاشرتی موانست سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ برعظیم پاک و ہند میں ہندوؤں کی ہمسائیگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے کہ رام چندر یا کرشن کے بارے میں بعض قلمکاروں نے غیر محتاط بلکہ خطرناک راہ اختیار کی ہے، اس روش سے ہوش مندی کے ساتھ بچنا چاہیے۔

یہ رویہ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل کے حوالے سے ذکر کیا گیا، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اس لئے اب کسی کا نبی ہونے کا دعویٰ کرنا اسلام سے بغاوت ہے، مگر بدقسمتی یہ رہی کہ ایسا ہوتا رہا، کبھی مادی آسودگی اور مالی منفعت کے حوالے سے تو کبھی کسی کا آلہ کار بن کر، تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد حتیٰ کہ ایک عورت سجاح نے سماجی منزلت کے حصول کے لئے ایسا کیا مگر خلیفہ برحق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یقین محکم اور ملت اسلامیہ کے برمحل ردعمل نے ان سب کو نیست و نابود کر دیا۔ عصر حاضر میں مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزی استعمار کی شہ پر دعویٰ کیا اور رخ بدل بدل کر اتحاد قوم کو انتشار کا شکار بنایا، افسوس یہ ہے کہ مسلمان قوم کا ردعمل، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سا نہ ہوا بلکہ دلیل و حجت اور مناظرانہ اسلوب کا حامل رہا جس سے بیرونی معاونت کو موقع ملا کہ اس فتنہ کو تحفظ دیا جائے، ہر مسلمان کو اس یقین کے ساتھ ختم نبوت کا عقیدہ اپنانا چاہیے کہ اس میں دلیل

marfat.com

نہیں مانگی جاتی اور نہ کسی دعویدار سے اس کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ حتمی عقیدہ ہے، اسے دلائل کے انتشار کا شکار نہیں ہونا چاہئے، احتیاط چاہئے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی، دین مکمل ہوا، نعمت تمام ہوئی اور دین اسلام، خالق کائنات کی رضا سے دائمی ضابطۂ حیات قرار پایا، ارشاد ہوا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ۔ ۳)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کر لیا۔''

دین مکمل ہوا، اس لئے اس کی تعلیمات میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں، اسلام کے نام پر کوئی اور ضابطہ پیش کرنا ممکن نہ رہا۔ نعمت تمام ہوئی اس لئے کہ دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کی سب صورتیں واضح ہوگئیں، اب دنیا کی سربلندی کے لئے کسی اور در کی ضرورت نہیں اور نہ آخرت میں کامرانی کے لئے کسی اور کی حاجت، اب دین صرف اور صرف اسلام ہے۔

اس گفتگو کے نتیجے کے طور پر بڑے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی ہدایت و راہنمائی کا اہتمام کر دیا تھا، جہاں جہاں بھی نسل آدم پھیلتی گئی وہاں وہاں ہی ہادی و راہنما آتے رہے، کسی قوم اور کسی دور کو اس نعمت سے محروم نہیں رکھا گیا، انبیاء علیہم السلام کا قافلہ رشد و ہدایت مسلسل جاری رہا، ان برگزیدہ ہستیوں پر ایمان لازم ہے، یقیناً ان میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے مگر تمام منصب نبوت کے حوالے سے یکساں ہیں، سب محترم ہیں اور لائق تعظیم ہیں، سب کی تعلیمات ایک مرکز پر مجتمع ہیں اگرچہ ماحول اور ضرورت کے حوالے سے بعض

marfat.com

احکام کی نوعیت قدرے مختلف ہے، ان سب میں بلند تر و جود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے کہ آپ پوری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ سب جہانوں کے لئے آپ کا وجود رحمت ہے، اس لئے اب صرف اور صرف آپ کی اتباع لازم ہے کہ یہی اطاعت الٰہی کا حوالہ ہے، اب آپ کی ذات ہی مرجع خلائق ہے اور بخشش الٰہی کا وسیلہ ہے، آپ ہی فارق حق و باطل ہیں اور یہ کہ آپ کے تمام ارشادات و اقوال کو وحی الٰہی کی سند حاصل ہے، آپ خاتم النبیین ہیں کہ اب کسی کو یہ منصب عطا نہیں ہوگا، گر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو باغی، کافر اور مرتد ہے خود ساختہ ہے یا کسی لالچ یا سازش کا شکار ہے۔ آپ کا دربار ہی نجات کا ذریعہ اور کامرانیوں کی ضمانت ہے، اس دربار کا ادب ایمان کا تقاضا ہے کہ یہاں جنبش لب اگر بے سلیقہ ہو جائے تو جرم ہے، آپ کے آداب کا خود خالق کائنات نے اعلان فرمایا، چند نمایاں آداب یہ ہیں:

## آداب رسالت

یاد رہنا چاہئے کہ دربار رسالت اس قدر عظیم اور حسّاس ہے کہ اس کی نزاکتوں کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ ارشادات ربانی کی روشنی میں آداب رسالت کی فہرست تیار کی جائے، ارشاد ہوا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ o اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ o اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ o وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ

marfat.com

اِلَیۡهِمۡ لَكَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (الحجرات: ۱ تا ۵)

ترجمہ: ''اے ایمان لانے والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے، اے ایمان لانے والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کے ساتھ گفتگو میں بلند کلامی کرو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند کلامی کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو شعور بھی نہ ہو، بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ہاں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے، ان کے لئے بخشش ہے اور عظیم اجر ہے، بلا شبہ وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے زیادہ تر بے عقل ہیں، اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ ان کے پاس باہر آ جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیات میں دربار نبوی کے بعض آداب اور منزلت رسالت کے کچھ ضابطے سمجھا دیئے گئے، ایسے مجلسی آداب عموماً صرف تہذیبی مظاہر ہوتے ہیں مگر یہاں واضح کر دیا گیا کہ اس دربار عالی میں یہ صرف تہذیبی برتری یا سماجی رویوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایمان کی بقا اور اعمال کی سالمیت کا مسئلہ ہے اس لئے جنبش لب بھی ادب شناس ہونی چاہئے اور انداز حاضری بھی مومنانہ چاہئے وگرنہ وہ سارے اعمال جن پر یہ گمان بھی ہے کہ نیک اور صالح ہیں ضائع ہو جائیں گے، اس لئے احتیاط کا درس دیا گیا اور سمجھا دیا گیا کہ:

☆ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی جائے، یہ رویہ ظاہراً بھی ہو اور باطناً بھی یعنی ظاہری انداز بھی آگے بڑھنے کا نہ ہو اور دلی طور پر بھی احترام کا یہ عالم ہو، تاکہ کوئی حرکت یا کوئی بھی شے فرمان الٰہی

marfat.com

فرمودہ رسول ﷺ سے تجاوز نہ کرے، اس لئے کہ یہ رب کائنات کا فیصلہ ہے اور وہ پروردگار ہر جنبش اوز ہر حرف وکلمہ کو سنتا بھی ہے اور ہر ارادے و میلان کو جانتا بھی ہے۔

☆ آوازوں کو ادب شناس ہونا چاہئے کہ کسی صورت بلند نہ ہوں جیسا کہ عمومی گفتگو اور آپس کے مکالمے میں بلند ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ بھی ہدایت ملی کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کے کسی حوالے کو کسی صورت اپنے جیسا گمان نہیں کرنا چاہئے حتیٰ کہ گفتگو کی مانوسیت میں اور بے تکلفی کی بے باکی میں بھی، حالت کوئی بھی ہو، آپ کی منزلت کا خیال رہنا ضروری ہے۔ گفتگو کا لہجہ عام مجلسوں جیسا نہیں ہو سکتا، انسان باہمی گفتگو میں بعض اوقات قدرے دلیر ہو جاتا ہے، اس لئے اسی حوالے کو اساس بنایا گیا ہے اور سمجھا دیا گیا کہ آپ کا دربار، آپ کا مرتبہ، آپ سے معاملات کا انداز حتیٰ کہ آپ سے گفتگو کا لہجہ منفرد اور ممتاز ہے۔ یہ امتیازی اوصاف دلالت کر رہے ہیں کہ آپ کی ذات کس قدر عظیم تر اور فزوں تر ہے، یہ بے عدیل وجود بے مثل ہے اس لئے ہر لحاظ سے لائق تکریم ہے۔

☆ آداب شناسی روح ایمان ہے کہ اس دربار کے آداب ملحوظ نہ رہیں تو تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اگر چہ بظاہر کس قدر لائق اجر وثواب ہوں۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ یہ ایسا نقصان ہے جس کے لئے نادانستہ ہونے کا جواز بھی تلافی نہیں کرتا، لَاتَشْعُرُوْنَ نے جہاں احتیاط کا پیغام دیا ہے وہاں یہ بھی یاد کرایا ہے کہ اس دربار میں بے خبری کا کوئی بہانہ کام نہ آئے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان بعض اوقات ظاہری صورت یا عمومی مماثلت کی وجہ سے بے باک یا از کم بے خبر ہو جاتا ہے اور اسے یہ خیال نہیں

marfat.com

رہتا کہ کس کی حضوری میں ہے، اس مماثلت سے بعض افراد کو الجھاؤ بھی پیدا ہوا، بشری لباس، کھانے پینے کے معمولات اور کوچہ و بازار میں آنے جانے نے اہل مکہ کو بھی عظمت رسالت کے اعتراف میں پریشان رکھا تھا اس لئے متنبہ کر دیا گیا کہ یہ ایمان کی سالمیت کا مسئلہ ہے، یہ بڑا نازک مقام ہے اس لئے سراپا عجز چاہئے۔

☆ رسول اکرم ﷺ کے دربار میں اپنی آوازوں کو پابند آداب رکھنے والے وجود ہی محترم ہیں اس لئے کہ پروردگار عالم نے ان کے دلوں کو آزمایا ہے اور وہ تقویٰ کی آزمائش میں سرخرور ہے ہیں۔ ان کے لئے ہی مغفرت ہے، اجر ہے، معلوم ہوا کہ کامیابی و کامرانی صرف ادب شناس افراد کے لئے ہے۔

☆ دراقدس پر بے باکانہ آوازیں نہ دی جائیں کہ یہ عامیانہ طریقہ ہے اور یہ حجرات عام مکانات نہیں، قدسیوں کے نزول کے مراکز ہیں، آواز تو اس کو دی جاتی ہے جو بے خبر ہے، یہاں تو ہمہ وقت باخبری ہے، ہاں کبھی قدسیوں کی آمد کا مرحلہ ہوتا ہے تو کبھی معاشرتی مسائل کے سلجھاؤ کا لمحہ ہے اس لئے اپنی باری کا انتظار کیا کرو، صبر کرو کہ آپ خود ہی فیض بخشی کے لئے باہر تشریف لے آئیں۔ یہ بے ادبی ہے کہ بے محابا پکارنے لگو اور تکلیف کا سبب بنو، اس لئے کہ دکھ دینے والوں کے لئے قرب کا کوئی مقام نہیں، ان کی قسمت میں در رحمت سے دوری ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب کی تنبیہ ہے، ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ (الاحزاب:۵۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے

marfat.com

رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ پر ایمان کے حوالے سے جب یہ یقین ہو جائے کہ آپ ساری انسانیت کے لئے رسول ہیں اور یہ بھی کہ آپ آخری رسول ہیں تو مکمل یکسوئی اور کامل عقیدت کے ساتھ اتباع کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جب اس ارشاد ربانی کی ہمہ گیری بھی واضح ہو جائے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: "یعنی یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں حسین ترنمونہ موجود ہے۔"

تو کسی اور کی غلامی ممکن نہیں رہتی اور یہ یقین واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی آمد کے بعد صرف اور صرف آپ کی اطاعت اور اتباع لازم ہے اور یہ کہ کامیابی کی ضمانت آپ کی سیرت مطہرہ ہی ہے، یہ بات کل بھی حق تھی، آج بھی یہی کامل صداقت ہے اور آنے والے کل بھی یہی وسیلہ نجات ہے۔ آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دوران بھی رحیم و کریم تھے اور آج بھی اپنی امت سے غافل نہیں، آپ کے اپنے ارشاد کے مطابق آپ کا اس دنیا میں رہنا امت کے لئے سرمایہ خیر تھا اور آپ کا پردہ فرما کر قبر انور میں راحت نشین ہونا بھی امت کے لئے خیر کی ضمانت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول مکرم ﷺ کی عظمت کے اعتراف کے بغیر ایمان کی کوئی صورت ممکن نہیں، امت کے ہر فرد کو یہ اعتماد حاصل رہنا چاہئے کہ وہ رحمت کے سایوں میں ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے اعمال وافعال سے بے خبر نہیں، گنہگاروں کو بھروسہ رکھنا چاہئے کہ آپ ﷺ شفاعت کا وسیلہ ہیں کہ روز حشر یہی آپ

کا امتیازی وصف ہوگا۔

انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ان سب کا احترام کیا جائے، ان کی حیات طیبہ کے کسی پہلو پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی جسارت نہ کی جائے بلکہ ہر نظر ایمان کی نورانیت کی حامل رہے، اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ ایک مسلمان پر صرف اپنے نبی ﷺ کا ہی احترام لازم نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام ضروری ہے۔ کسی نبی کی توہین یا اس وجود کے حضور گستاخی اسی طرح لائق تعزیر ہے جیسے نبی اکرم ﷺ کی توہین یا گستاخی، یہ وہ عالی ظرفی ہے جو اسلام اپنے ہر ماننے والے کے لئے لازم قرار دیتا ہے، اس سے بین المللی احترام کی فضا پیدا ہوتی ہے اور دینی افکار میں وحدت کی نمود ہوتی ہے، ہر صاحب ایمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حد ادب کا خیال رکھے، اس کے لفظ با ادب ہوں، لہجہ عاجزانہ اور متین ہو اور رویہ سراپا سپاس گزاری کا ہو، ایمان بالرسالت کی تکمیل تب ہوتی ہے جبکہ ہمہ پہلو ادب، ہر خیال، ہر ادا اور ہر عمل کا حوالہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایمان لانے والے کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ تمام انبیاء کرام اور تمام رسولان عظام علیہم السلام اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کی عظمت و رفعت کی پاسداری کرے تاکہ اس ہالہ عقیدت و محبت میں دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کا سامان کر لے۔

آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیه واله و صحبه اجمین .

marfat.com

# آخرت پر ایمان

# آخرت پر ایمان

اسلامی نظام عقائد میں الآخرۃ (آخرت) یا اَلْیَوْمُ الْاٰخِرُ (یوم آخر) پر ایمان کو بھی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال پر کہ ایمان کیا ہے؟ دیگر اساسی عقائد کے ساتھ اس کا بھی ذکر فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث ایمانیات کے ضمن میں روایت ہوئی ہے اس میں اس کا تذکرہ ''تُؤمِنُ بِالْبَعْثِ'' کے الفاظ سے کیا گیا کہ تو ایمان رکھے کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا ہے، یوم آخر پر ایمان انسان کو یہ یقین فراہم کرتا ہے کہ اسے اس دنیا سے جانا ہے اور یہ کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ساری مخلوق اس دنیا سے اٹھالی جائے گی، اس کے بعد قیامت قائم ہوگی اور دنیا میں کئے گئے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

یہ عقیدہ کہ انسان کو بالآخر موت کی وادی میں اترنا ہے یعنی قبر میں جانا ہے اور اس کے بعد دوبارہ جی اٹھنا اور اپنے اعمال کے مواخذہ کے لئے خالق کے ہاں پیش ہونا ہے، انسانی زندگی میں سیرت و کردار اور اعمال و افعال کی استقامت اور اصلاح کا ضامن ہے۔ انسان کی فکر، جزا و سزا کے تصور سے عبارت نہ ہو تو بے باک ہو جاتی ہے اور پھر یہ بے باکی خودسر ہو کر فساد کا باعث بنتی ہے، وہ سوچنے لگتا ہے کہ اگر یہی دنیا ہی آخری منزل ہے تو اسے اس زندگی کو اپنے مفاد اور اپنی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ یہ خیال اور یہ فکر پختہ ہو جائے تو انسان کی پوری قوت اپنے مفادات کے حصول کے لئے وقف ہو جاتی ہے، اچھائی، بھلائی یا نیکی کی کوئی تحریک اسے متاثر نہیں کرتی اس لئے کہ اسے بہرحال اپنی ذات کے حوالے سے جینا ہے۔ پھر جبکہ وہ ایسا منظر بھی بار بار دیکھے کہ نیکی و بھلائی کا بظاہر نتیجہ اس دنیا میں

marfat.com

دل پسند نہیں نکلتا، کتنے نیکو کار بظاہر کوئی اجر نہیں پاتے اور کتنے بدقماش اور بدعمل سماجی مرتبوں پر قابض ہو کر خوشگوار زندگی گزارتے ہیں، اس سے اس کا نیکی کے جذبوں پر سے اعتماد اٹھنے لگتا ہے۔ سوچئے اگر یہی دنیا حاصل زندگی ہے تو مصیبتوں میں گرفتار، درماندہ انسان کو کون یقین دلائے گا کہ اس پریشان حالی کے باوجود اسی کا رویہ انسانی شرف کا نمائندہ ہے، کیا یہ ظلم و جبر باکردار انسانوں کے عزم کو متزلزل نہ کر دے گا؟ کیا جب کفر کی دولت، ظلم کی سطوت اور جبر کی عادت انسانی معاشرت کو پامال کرے گی اور بدی کا چلن سماجی رویہ بن جائے گا تو انسانی معاشرہ کو حیوانی معاشرہ بننے سے کون روک سکے گا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ روز آخر پر ایمان اور اعمال کے حساب پر یقین نے ہی انسان کو مستحکم رویے کا خوگر بنایا ہے، وہ ظلم برداشت کرتا ہے مگر اپنے شرف سے دست بردار نہیں ہوتا، وہ غربت و مفلسی میں جی لیتا ہے مگر دست درازی کی ذلت کا مرتکب نہیں ہوتا، وہ گردن کٹوا لیتا ہے مگر کسی فرعون کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا، اس لئے کہ اسے یہ یقین حاصل ہے کہ یہ دور ابتلاء ہے جو مختصر بھی ہے اور بے حقیقت بھی، آنے والی زندگی پر ایمان اس کو حوصلہ عطا کرتا ہے اور یوم حشر کا یقین اسے حسنات سمیٹنے کا ذوق عطا کرتا ہے۔ اسے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔(۱) توانائی عطا کرتا ہے، اسلام انسان کو ضوابط آشنا بنا کر اس کے اعمال میں حسن اور اس کے رویوں میں احسان کی نمو کرتا ہے تا کہ وہ کامیاب زندگی گزارنے کا اہل ہو جائے، وہ دنیا کو عاقبت کے لئے زاد سفر تیار کرنے کا پڑاؤ سمجھے، وہ کامیابی کو دنیا کے حوالے سے نہیں آخرت کی نجات کے حوالے سے مشروط سمجھے، اسلام اگرچہ اسے حسنات دنیا کے حصول سے محروم رہنے کا درس نہیں دیتا مگر اس پر ضرور اصرار کرتا ہے کہ

---

(۱) المقاصد الحسنۃ امام السخاوی ص: ۲۵۵

marfat.com

حسنات آخرت کی قیمت پر دنیا کے حصول کی خواہش نہ رکھے، قرآن مجید نے ایک دعا کے ذریعے اس توازن کا درس دیا، دعا یہ ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

(البقرہ ۵:۲۰۱)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیک انجام عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔''

نیکی کی وہ شکل جو آخرت پر ایمان کے حسن سے پر وقار ہو، کو دنیا و آخرت کی پذیرائی حاصل ہے اس لئے کہ دنیا، دارِ عمل ہے اور آخرت دارِ جزا، یہاں جو کاشت کرنا ہے آخرت میں اسی کا پھل پانا ہے، حسنات دنیا کی کھیتی پر بہار ہو گی تو حسنات آخرت کی فصل لہلہائے گی وگرنہ محنت بے توفیق ہو جائے گی اور ناکامیوں کا عذاب استقبال کرے گا، یاد رہنا چاہئے کہ بہتر بدلے کے لئے بہتر کارکردگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کے اس باہمی ربط اور ان دونوں کی منزلت کو قرآن مجید میں واضح کر دیا گیا، ارشاد ہے۔

یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ۝

(المؤمن: ۳۹)

ترجمہ: ''اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف متاع ہے اور بے شک آخرت ہی دار قرار ہے''۔

دنیا، آخرت کے لئے متاع ہے، ساز و سامان کی فراہمی کی منزل ہے، کتنی بدقسمتی ہو گی کہ چند روزہ پڑاؤ کو دائمی منزل سمجھ لیا جائے اور ہمیشہ کے مقام اور ابدی راحت کدہ سے صرف نظر کر لیا جائے، قرار گاہ آخرت ہے اور یہ قرار گاہ صرف صاحب تقویٰ اور صاحب عقل کے نصیب میں ہے۔ ارشاد رب ذوالجلال ہے:

marfat.com

وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(الاعراف:۱۶۹)

ترجمہ:''اور دارآخرت ان کے لئے موجب خیر ہے جوتقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے''۔

واضح ہوا کہ تقویٰ ہی موجب خیر ہے، اس لئے تقویٰ شعاری کا اہتمام ہونا چاہئے، قرآن مجید نے اس کی وضاحت کردی کہ نیکی صرف اعمال کی ظاہری شکل کا نہیں، قلب ونظر کی یک رنگی کا نام ہے اور یہ کہ نیکی تب متحقق ہوتی ہے جب ایمانیات کے جملہ شعبوں پر کامل یقین ہو کسی ایک شعبہء ایمان کا انکار پورے نظام عقائد سے انکار ہے، ارشاد ہوا:

لَیْسَ الْبِرَّاَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ (البقرۃ:۱۷۷)

ترجمہ:''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی جانب پھیر لو بلکہ نیکی تو اسی کی ہے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، یوم آخر پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور انبیاء کرام پر۔''

## نیکی کا وجود ایمان سے ہے

یہ آیت کریمہ واضح کررہی ہے کہ نیکی صرف اس انسان کی ہے جو ایمانیات کے تمام شعبوں پر یقین رکھتا ہے، ایمان نہ ہو تو عبادت کیسی ہو، کسی سمت ہو، لائق اجر نہیں، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر انسان دائرہ ایمان میں نہیں مگر اس کے اعمال کی بعض صورتیں بظاہر نیکی کا روپ رکھتی ہیں مثلاً یہ کہ وہ خیرات کرتا ہے، سخاوت اس کی عادت ہے، وہ سماجی فلاح میں معاون ہے، یہ نیکیاں نظر آتی ہیں مگر یہ درحقیقت نیکیاں نہیں یہ نیکی کی ظاہری شکلیں ہیں، نیکی تو ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔

marfat.com

## یوم آخر کو تسلیم کئے بغیر ایمان نہیں

انسانی معاشرہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر بعض اجزائے ایمان کی لازمی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے، یہ لوگ دراصل دین کے پیروکار نہیں ہوتے، اپنی خواہشات پر عمل پیرا ہوتے ہیں، یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے اپنی پسند کا انتخاب کر لیتے ہیں جیسا کہ اہل کتاب کرتے رہے، وعیداً ارشاد ہوا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرة: ٨٥)

ترجمہ: ''کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔''

اس من پسندی کا اہل کتاب سے کئی بار اظہار ہوا، قرآن مجید نے اس روش کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً ٥(النساء: ١٥٠)

ترجمہ: ''اور وہ کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لائے اور ہم بعض سے انکار کرتے ہیں، اور وہ اس کے درمیان کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں''

ایسے لوگوں کے لئے تاکیداً حکم دیا گیا کہ ایمان کو ناقص صورت میں نہیں کامل شکل میں جملہ شرائط کے ساتھ اپنائیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً م بَعِيْدًا(النساء: ١٣٦)

marfat.com

ترجمہ: ”اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی، اور جو کفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ، تو بے شک وہ طویل گمراہی کا شکار ہوا“۔

اس ارشاد پروردگار میں دائرہ تصدیق کا ذکر ہوا اور انکار کی حدود کی نشاندہی بھی کر دی گئی، یوم آخر کا ذکر اس آیت میں بھی اور قرآن مجید کی دیگر متعدد آیات میں بھی ایمان کے مشتملات کے طور پر کیا گیا، بعض مقامات پر اس کا ذکر پوری تاکید اور واضح تصریح کے ساتھ کیا گیا کہ ایمان لانے والوں کے یقین میں یہ بھی داخل ہے:

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ: ۴)

”ایمان لانے والے آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

حتیٰ کہ یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کا اسوہ حسنہ صرف انہی لوگوں کے لئے پر بہار ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور یوم آخر کے وقوع پر ایمان رکھتے ہیں، ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: ”بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی حیات مبارکہ میں حسین تر نمونہ ہے، یہ اُس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔“

آخرت پر یقین کے بغیر نیکی کا کوئی پہلو فروغ نہیں پاتا، یہ ایمان نہ ہو تو صرف دنیا مقصود ٹھہرتی ہے اور دنیا مقصد نگاہ بن جائے تو انسان شتر بے مہار ہو کر من مانی کرنے لگتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، بداعمالیاں حسین لگنے لگتی ہیں اور وہ

marfat.com

گناہ کی دلدل میں اترتا جاتا ہے، بدقسمتی یہ ہے کہ اسے اپنے اس انحطاط کا احساس بھی نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۝

(النمل: ۴)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا پس وہ اندھے ہوئے پھرتے ہیں''۔

ایک بدیہی حقیقت کا اظہار ہوا کہ جب انسان کو انجام کا خوف نہ ہو، اسے اعمال کے محاسبے کی پرواہ نہ ہو، تو وہ دلیر ہو جاتا ہے، گناہ کرتا جاتا ہے مگر گناہ کا اصل چہرہ دیکھنے کی اسے توفیق حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اپنی بدعملیوں پر ناز کرنے لگتا ہے۔ بدکرداری کا بھیانک چہرہ اسے حسین دکھائی دیتا ہے، یہ انتہا درجہ کی بے بصری ہے کہ آنکھیں حقائق کا مشاہدہ نہ کر سکیں اور اعمال کی برباد فصل بھی لہلہاتی محسوس ہونے لگے۔

## یوم قیامت اور روز حساب

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کیجئے کہ اس نے ایسے بے بصر لوگوں کو بدانجامی سے بچانے کے لئے بار بار متنبہ کیا، ترتیب و اسلوب کلام بدل بدل کر یاد دلایا کہ دنیا سے بہرحال رخت سفر باندھنا ہے، محشر کی گھڑی قریب آ رہی ہے، اس لئے ارشاد ہوا کہ: اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ (طٰہٰ: ۱۵) بے شک وہ ساعت حساب آیا چاہتی ہے۔

خواہشات میں سرگرداں انسان کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ روز حساب آ کر رہے گا، زندگی کی نعمت اور آسائش دنیا کی دولت عطا کرنے والے کی طرف سب کو لوٹنا ہے، نعمتیں عطا کرنے والا پروردگار حساب کا حق رکھتا ہے اس لئے یاد دلایا گیا:

اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ۝ (الغاشیۃ: ۲۵، ۲۶)

marfat.com

ترجمہ: ’’بے شک ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہے پھر بے شک ان کا حساب ہمارے ہی اختیار میں ہے۔‘‘

یہاں یہ خیال اکثر لوگوں کو پریشان کرتا ہے کہ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے ان کے بعض اعمال لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں اور بعض درون خانہ سب کی نظروں سے چھپ کر آخران اعمال پر جزاوسزا کا فیصلہ کیسے ہوگا، اعمال کی فہرست کہاں سے آئے گی اوران پر شاہد یا گواہ کون ہوگا، واضح کر دیا گیا:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ o كِرَامًا كَاتِبِيْنَ o يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ o

(الانفطار: ۱۰،۱۱،۱۲)

ترجمہ: ’’اور بے شک تم پر محافظ مقرر ہیں، باعزت لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔‘‘

انسانی اعمال کا ایک باضابطہ مکمل ریکارڈ ترتیب پا رہا ہے، حیرت تو اس پر ہے جو پردوں میں چھپ کر، خفیہ مسکن بنا کر اس اعتماد کے ساتھ گناہ کئے جا رہا ہے کہ کسی کو اس کی خبر نہیں، تو محاسبہ کیسا، اس کو متنبہ کر دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے، ہر حرکت، ہر جنبش اور ہر عمل محفوظ ہو رہا ہے، مضبوط، باخبر اور باصلاحیت نگران ہر لمحہ موجود ہے کہ علیم وخبیر پروردگار نے اس کام کے لئے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ قیامت کے روز جب یہ نامہ اعمال سامنے آئے گا تو بدعملیوں کے مرتکب افراد تصویر حیرت بنے چلا پڑیں گے کہ:

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الكهف: ۴۹)

ترجمہ: ’’(کہیں گے) اس نوشتہ کا کیا معاملہ ہے کہ یہ نہ چھوٹی بات چھوڑتا ہے اور نہ بڑی مگر یہ کہ گنے جا رہا ہے اور وہ اپنے اعمال کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔‘‘

marfat.com

اعمال کو سامنے پا کر جھنجھلا جائیں گے، یہ کیسا نوشتہ تحریر ہے کہ جو عمل بے توقیر سمجھ کر کیا تھا وہ بھی اس میں ہے، جب پوری زندگی کے اعمال کا دیوان ان کے روبرو ہوگا تو انہیں احساس ہوگا کہ ہر عمل اپنا اثر رکھتا تھا اور ہر جنبش کی کوئی قیمت تھی، گناہ گاروں کے لئے اس مرتب ریکارڈ پر یقین کا ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا، زبان بند کر دی جائے گی اور حرکات کے مرتکب اعضاء اپنی کارکردگی کا خود اعتراف کریں گے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ٥ (یٰسٓ : ٦٥)

ترجمہ: ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

انسان کی یہ بے خبری ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو اپنا سمجھتا اور ان سے اپنی خواہشات کے مطابق بداعمالیوں کا ارتکاب کرواتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ یہ اعضاء اس کے جسم پر ضرور ہیں مگر یہ کسی کے نمائندہ ہیں، اب تو اس کا حکم مان رہے ہیں مگر ایک وقت ضرور آئے گا جب یہ سب اپنے خالق کے حکم کی تعمیل میں لگ جائیں گے، اس لئے ان اعضاء کو استعمال میں دینے والے خالق کے احکام کو پیش نظر رکھنا چاہئے تا کہ یہ اسی کام میں لگے رہیں جو کام ان کا خالق ان سے لینا چاہتا ہے، نامۂ اعمال کے روبرو ہونے کے بعد حساب کا عمل شروع ہوگا، اعمال کے حسن و قبح کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہوگی کہ وہ مالک الملک رحیم و کریم ہے، اعمال کے وزن کے مطابق جزا و سزا کا تعین ہوگا، جزا و سزا کے تعین کے بعد کیا ہوگا؟ قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کر دی، ارشاد ہوا:

marfat.com

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ o فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍo وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗo فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌo وَمَآ اَدْرٰکَ مَاھِیَہْ oنَارٌ حَامِیَۃٌ o(القارعة: ٦ تا١١)

ترجمہ: ''پس جس کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہ دل پسند زندگی میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا، آپ کیا جانیں وہ کیا ہے، دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ میدان حشر میں حساب کے لئے اعمال کا وزن ہوگا، نیکی اور بدی کو میزان عدل میں تولا جائے گا، جن لوگوں کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور لائق ترجیح ہوں گی ان کے لئے عیش و راحت کی دائمی زندگی ہوگی، جنت میں بلند تر رہائش اور ہر خواہش کی تکمیل ان کا مقدر ہوگا، یہ اس لئے کہ ان کا میلان حسنات کی طرف رہا، ان دیدہ وروں نے آخرت پر یقین رکھتے ہوئے دنیاوی زندگی کو ترتیب دیا، یہ لوگ میزان عدل میں سرخرو رہے، حساب کی منزل سے کامیاب گزرے، اب ان کے لئے دار جزا کی نعمتیں ہیں:

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o(الفجر: ٣٠)

ترجمہ: ''میری جنت میں داخل ہوجاؤ۔''

کی بشارتیں ان کا استقبال کر رہی ہیں، جنت ان کے لئے آراستہ ہے اور

اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ o(المعارج: ٣٥)

ترجمہ: ''وہ جنتوں میں مکرم و محترم ہوں گے۔''

ان کے برعکس مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ جن کے پلڑے کم وزن رہ گئے۔ یعنی میدان حشر میں جب اعمال میزان عدل پر تولے جائیں گے تو ایسے بدقسمت افراد بھی ہوں گے جن کے اعمال خیر کم نکلیں گے کہ وہ بداعمالیوں کا بوجھ اٹھائے ہوں گے، ان لوگوں کے لئے جہنم کا وہ گوشہ ہوگا جسے ہاویہ کہتے ہیں۔ ہاویہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائی

marfat.com

گئی کہ ہاویہ دہکتی اور شعلے اگلتی ہوئی آگ ہے۔ نیکیوں سے منہ موڑنے والے، حسنات سے اعراض کرنے والے، اس آتش بے امان کا ایندھن ہیں، تعجب ہے کہ جہنم کے سفر پر جارہے ہوتے ہیں مگر تسلیم نہیں کرتے، نہایت خودسری سے عذاب کے تصور کو جھٹلاتے ہیں لیکن جب مکافات عمل کے نتیجے میں پکڑے جائیں گے تو جتلایا جائے گا کہ

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ٥ (الطور : ۱۴)

ترجمہ: ''یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلاتے رہے ہو۔''

جھٹلانے والوں کو بارہا تنبیہ کی گئی تھی کہ ان کہ ان بداعمالیوں کا انجام بڑا بھیانک ہوگا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ٥ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ٥ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ٥ (اللیل : ۱۴ تا ۱۶)

ترجمہ: ''میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے، اس میں نہ جائے گا مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔''

دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کس کا نصیب ہے؟ ارشاد ہوا: اس بدبخت انسان کا جو تکذیب کا خوگر ہوا اور راست روی سے انحراف کرتا رہا حالانکہ اسے اس انجام پر متنبہ بھی کر دیا گیا تھا، خبر مل جائے، آنے والے عذاب کی اطلاع ہو جائے مگر روگردانی وطیرہ رہے، بدبختی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے بدبختوں کے بارے میں فیصلہ ہے کہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ٥ (ھود: ۱۰۶)

ترجمہ: ''پس وہ جو بدبخت ہوئے، وہ دوزخ میں گئے، ان کے لئے اس میں چیخنا اور رینگنا مقدر رہے۔''

دوزخ کا ایندھن بنیں گے تو گدھوں کی طرح ہینگنے لگیں گے کہ کرب سے آوازوں کی شناخت بھی نہ ہو سکے گی۔

marfat.com

یوم آخر یا الآ خرۃ پر ایمان ایک مومن کے عقائد کا جز ولازم ہے، یہ ایمان متعدد مراحل کو محیط ہے، زندگی کا خاتمہ یعنی موت اس کی ابتداء ہے۔ قبر میں منکر نکیر کا آنا، سوال کرنا اس کا وہ مرحلہ ہے جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے، یہ مرحلہ انتظار قیامت کے لمحات کو محیط ہے، پھر یوم حشر کہ دوبارہ جی اٹھنا ہے اور دربار الٰہی میں پیش ہونا ہے، حساب اور میزان عدل اس کا ہی ایک مرحلہ ہے اور آخر میں جنت یا دوزخ میں داخلے کا فیصلہ اور جزا وسزا کا دائمی انتظام، یہ آخرت پر ایمان کے مشتملات ہیں، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک عبارت جو بعض دیگر مراحل کے تذکرے پر مشتمل ہے یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْحِسَابِ وَالْمِیْزَانِ وَالْجَنَّۃِ وَالنَّارِ حَقٌّ کُلُّہٗ. (۱)

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، موت کے بعد جی اٹھنے، تقدیر کہ وہ خیر ہو یا شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حساب، میزان، جنت اور دوزخ پر ایمان لایا کہ یہ سب حق ہیں۔''

یوم آخر پر ایمان کے ان تمام شعبوں کو تسلیم کر لیا جائے تو انسان کے اندر، محاسبہ کا شعور اُجاگر ہوتا ہے، اسے یقین آجاتا ہے کہ دنیا کی زندگی کا ایک انجام ہے، دنیاوی اعمال کا ایک نتیجہ ہے، یہ نتیجہ پر بہار بھی ہوسکتا ہے اور عبرتناک بھی، یہ یقین عمل صالح کی تحریک دیتا ہے اور وہ عاقبت کی خیریت کا سامان کرنے لگتا ہے، اس کو یہ بھی خبر رہے کہ حساب کتاب کی اس منزل میں کوئی معاون یا مددگار بھی نہ ہوگا۔

مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ٥ (السجدہ: ۴)

---

(۱) الفقہ الاکبر للامام ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ

marfat.com

ترجمہ: ''تمہارے لئے اس کے سوا کوئی ساتھی اور شفاعت کرنے والا نہیں، تم اس پر دھیان کیوں نہیں دیتے۔''

ہاں ایک امید ہو سکتی ہے کہ وہ پروردگار خود کسی کو ایسی سفارش کے لئے اجازت دے دے جیسا کہ ارشاد ہوا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمہ: ''کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے۔''

معلوم ہوا کہ کوئی تو صاحب شفاعت ایسا ہے جس کو اذن شفاعت حاصل ہے، آیئے اس وجود محترم کا تذکرہ کرلیں۔

## مقام محمود اور شفاعت کبریٰ

رسول معظم ﷺ کو آپ کے خالق و مالک نے بے شمار اوصاف و خصائص سے نوازا، ان کا احاطہ طویل مطالعے اور ضخیم تحریر سے بھی ممکن نہیں، علماء کرام نے ان خصائص کے حوالے سے مستقل تصانیف مرتب کی ہیں، ان میں علامہ جلال الدین السیوطی علیہ الرحمتہ کی الخصائص الکبریٰ اور قاضی عیاض الاندلسی علیہ الرحمتہ کی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ نمایاں شان رکھتی ہیں کہ ان میں فضائل و شمائل کا دلپذیر تذکرہ ہے۔

خصائص کی فہرست میں اذن شفاعت کا منصب، نبی اکرم ﷺ کا وہ امتیازی وصف ہے جس کا اشارہ قرآن مجید میں اور جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے، قرآن مجید میں ہے:

لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا٥ (مریم: ۸۷)

ترجمہ: ''لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر وہ جس نے رب رحمٰن سے وعدہ لے لیا''۔

marfat.com

یہ کون سا محترم وجود ہے جس سے اس منصب عالی کا وعدہ ہوا، اس کا لطیف اشارہ خود قرآن مجید نے دیا:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO(الضحیٰ: ۵)

ترجمہ: ''اور یقیناً آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے''۔

اس انعام پر تبصرہ کرتے ہوئے خود صاحب انعام ﷺ نے فرمایا: محمد (ﷺ) راضی نہیں ہو گا جب کہ اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے''۔(۱) واضح ہوا کہ جس رضا کا تذکرہ ہوا اس کا سب سے اہم پہلو شفاعت ہے، اس منصب کا ذکر خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے پانچ خصوصی امتیازات میں فرمایا:

اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَّمْ یُعْطَھُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ.

ترجمہ: ''مجھے پانچ امتیازی اوصاف ایسے دیئے گئے کہ مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے''۔

آپ ﷺ نے پانچوں کا ذکر فرمایا، ان میں پانچواں امتیاز یہ ارشاد ہوا:

وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ (۲)

ترجمہ: ''مجھے شفاعت کا منصب عطا فرمایا گیا''۔

شفاعت کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بہت شہرت حاصل ہے کہ قیامت کے روز لوگ پریشانی کے عالم میں باری باری ہر نبی کے حضور حاضر ہوں گے اور اس ہولناک منظر سے نجات کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر سب دوسروں کی طرف جانے کا مشورہ دیں گے کہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا وہ موقعہ بڑا کڑا ہے، درگاہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتے ہوئے آخر کار سب

---

(۱) تفسیر الدر المنثور سورۃ والضحیٰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض سجداً وطہوراً

marfat.com

دراحمد مختار ﷺ پر حاضر ہو کر شفاعت کے طلب گار ہوں گے، آپ ﷺ فرمائیں گے:
ہاں میں ہی اس منصب کی ادائیگی کے لئے چنا گیا ہوں، پھر آپ سجدہ ریز ہو کر رب کی رحمت کی طلب کریں گے، اس پر ارشاد ہو گا:

اِرْفَعْ رَاْسَکَ فَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (۱)

ترجمہ: ''سر مبارک اٹھائیے، مانگیے دیا جائے گا اور کہئے سنا جائے گا اور شفاعت کیجئے قبول ہو گی۔''

یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ کے علاوہ بھی کئی کتب حدیث میں موجود ہے، اس میں ہر دروازے پر دستک دے کر، انکار کا سن کر، آخر در رسول اکرم ﷺ پر حاضر ہونا اور بامراد ہونا، ثابت کرتا ہے کہ قیامت کے روز ''شفاعت کبریٰ'' کا منصب جلیل آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن مجید نے اس بلند منزلت کا مختلف انداز میں ذکر کیا، ارشاد ربانی ہوا:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (بنی اسرائیل: ۷۹)

ترجمہ: ''قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔''

یہ مقام محمود کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو سید المفسرین کے لقب کے حامل ہیں، فرماتے ہیں:

هٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ (۲)

یعنی یہ مقام محمود، مقام شفاعت ہے، خود حضور اکرم ﷺ سے جب مقام محمود کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق باب صفة الجنة والنار

(۲) تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث ص: ۵۵

marfat.com

هِیَ الشَّفَاعَةُ (۱)

ترجمہ: ''یعنی یہ مقام شفاعت ہے۔''

مزید وضاحت فرمائی کہ:

هُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ فِیْهِ (۲)

ترجمہ: ''وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔''

اسی لئے امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ شفاعت کبریٰ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ (۳)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ قیامت کے روز، حساب کی وحشت سے نجات کا صرف ایک ذریعہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبی رحمت ﷺ شفاعت فرمادیں، اس شفاعت کی تمنا رہنی چاہئے اور اس شفاعت کا حق دار بننے کے لئے دامن رسالت سے وابستگی کو مضبوط رکھنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم السلام سے لے کر عصر حاضر تک ہر ایک کی نگاہ اسی در شفاعت کی طرف اٹھتی رہی ہے اور ہر ایک نے گنبدِ اَخضر کے مکین کے نام کی دہائیاں دی ہیں:

یَـآ اَکْـرَمَ الْـخَـلْـقِ مَـالِـیْ مَـنْ اَلُـوْذُبِـهٖ

سِـوَاکَ عِـنْـدَ حُـلُـوْلِ الْـحَـادِثِ الْـعَـمَمِ (۴)

ترجمہ: اے مخلوق میں سے مکرم ومحترم، آپ کے سوا میرا کون ہے جس کی میں ہمہ گیر حادثوں کے اترنے پر پناہ طلب کروں۔''

حضرت امام ابن حجر العسقلانی علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں:

---

(۱) الشفاء الجزء الاول ص : ۱۳۴

(۲) تفسیر ابن کثیر الجزء الثالث ص : ۵۸

(۳) تفسیر ابن کثیر الجزء الثالث ص : ۵۵

(۴) قصیدہ البردۃ، علامہ بوصیریؒ

marfat.com

وَاِنْ قَنطَتْ مِنَ الْعِصْيَانِ نَفْسٌ . فَبَابُ مُحَمَّدٍ بَابُ الرَّجَآء (۱)

ایمان بالآخرۃ کے حوالے سے شفاعت رسول ﷺ پر یقین بھی ضروری ہے کہ روز حساب یہی سہارا فلاح ونجات کی ضمانت ہے۔

## حرف آخر

اسلام کو دین حق تسلیم کرنے والے پر لازم ہے کہ ان عقائد کو پوری تفصیل اور مکمل حدود کے ساتھ مانے، ایمانیات کے ان شعبوں میں سے کسی ایک کے بارے میں شک وتردد کا شکار نہ ہو کہ ان میں معمولی سی لغزش بھی ایمان سے خارج ہو جانے کا سبب بنتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام شعبہ ہائے ایمان ایک دوسرے سے پیوست ہیں، ایمان باللہ کے بغیر ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرۃ کا کوئی جواز نہیں رہتا، ایمان بالرسل نہ ہو تو ایمان باللہ ہی متحقق نہیں ہوتا، ایمان بالآخرۃ نہ ہو تو ایمانیات کے اساسی شعبے فلسفیانہ مبحث بن کر رہ جاتے ہیں حتیٰ کہ ایمان بالرسل، ایک شخصی اعتراف کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ یہ پانچ اساسی عقائد ہیں، ان پر مکمل ایمان کے بغیر نہ کوئی ایمان دار کہلا سکتا ہے اور نہ ملت اسلامیہ کا فرد بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کے تمام جزئیات پر صدق دل سے یقین رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱) دیوان ابن حجر العسقلانی ؒ

marfat.com

عقائد اسلام

# تقدیر کا بیان

# قدر پر ایمان

ایمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے مشتملات ایمان کے آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا وَ تُؤمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ (۱) یعنی تو ایمان لائے قدر پر، وہ خیر کی ہو یا شر کی، مراد یہ ہے کہ قدر کے فیصلے موافق ہوں یا غیر موافق، یہ تسلیم کرنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، قدر یا تقدیر کا مسئلہ ہر قوم اور مکتب فکر کے ہاں بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے اور یہی وہ تصوراتی الجھن ہے جس نے انسان کو عدم توازن کا شکار کیا ہے، بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کی اساسی نوعیت کے بارے میں ذہنوں کو اجلا کر لیا جائے، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ اعتقاد، ایمان کا حصہ ہے۔

قدر کا معنیٰ اندازہ ہے، کسی پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں اندازہ و تخمینہ قدر کہلاتا ہے، انسان اپنے روزمرہ کے معاملات میں قبل از وقت اندازے لگاتا ہے، وہ سوچتا ہے اور کافی حد تک یقین کر لیتا ہے کہ اگر وہ پیش آمدہ معاملے کو یوں حل کرے گا تو اس کا ممکنہ نتیجہ یہ ہوگا، اگر انسان کی سوچ تجربات زندگی سے مربوط ہے اور اس نے حالات کی ترتیب کا درست ادراک کر لیا ہے تو اس کا اندازہ اکثر و بیشتر درست نکلتا ہے اور اگر اس کی فکر نارسا ہے، درست فیصلوں کی اہل نہیں ہے تو اس کے اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں، درست نتیجہ یا غلط نتیجہ عموماً اس کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے، اس کے باوجود کہ انسان سوچ اور عمل کے درمیان کے مراحل کا ادراک کرنے کی سعی کرتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ حالات کا دھارا اچانک وہ رخ اختیار کر لے جس کے بارے میں اس نے پہلے سوچا نہ تھا، یہ کیفیات ثابت کرتی ہیں کہ کبھی فکر راست نہیں ہوتی تو کبھی عمل کے مراحل پر قدرت نہیں ہوتی، یہی انسانی قوت کی کمزوری ہے، وہ سب کچھ حاصل کرنے کے باوجود کائنات کے وسیع تناظر میں محدود وسائل کا حامل فرد

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

marfat.com

ہے اس لئے کہ وہ مخلوق ہے اور بعض صلاحیتوں سے نوازے جانے کے باوجود، متعدد محرومیوں کا شکار ہے جبکہ خالق کائنات لامحدود عظمتوں والا، قدرت وسطوت والا اور علم وحکمت والا ہے، وہ ہر عیب سے پاک اور ہر کمزوری سے ماوراء ہے، وہ جو چاہتا ہے اسے لامحالہ ہونا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ بہر حال عدم ہے۔

مخلوق کا اندازہ خام ہے مگر خالق کا ہر اندازہ مستحکم ہے اس لئے کہ اس کے ہاں نہ غفلت ہے نہ بے خبری اور نہ کوئی کمزوری و نارسائی، حالات کا جبر، اَن دیکھے مراحل کا دباؤ مخلوق پر تو ہو سکتا ہے خالق پر نہیں۔ اس کا اندازہ صرف اندازہ نہیں ہوتا، حالات، واقعات کے وقوع کا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ ماضی کو جانتا ہے، حاضر سے باخبر ہے اور مستقبل سے آگاہ ہے، اس لِئے اس کے ہاں نہ علم کی کوتاہی اور نہ عمل کی ناتوانی، یہ کائنات اس نے پیدا کی ہے، اس میں موجود قوتوں، توانائیوں اور صلاحیتوں سے وہ باخبر ہے کہ اس نے خود ان کو کائنات کے مناسب قیام پر ودیعت کیا ہے۔ یہ قوتیں کب بے توفیق ہو جائیں، یہ توانائیاں کب مضمحل ہوں اور یہ صلاحتیں کب بے جان ہوں، یہ سب اس پروردگار کے علم میں ہے، اس لئے اس کے فیصلے بہر حال نافذ اور اس کی تقدیریں ہر صورت میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

انسان بعض اوقات اس پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ حالات کی ستم ظریفی کو کس طرح ذات حق کی طرف نسبت دے، اچھائیاں، خوبیاں اور بھلائیاں اس کی طرف منسوب ہوں تو لائق تحسین ہیں مگر برائیاں، بدکیفیاں اور بدصورتیاں وہ نہیں کوئی اور انجام دیتا ہوگا، اس خیال نے جو بظاہر عظمت خالق کے حوالے سے ترتیب پایا ہے انسان کو ذہنی طور پر الجھا دیا ہے، اس سے دو خداؤں کا تصور جنم لیتا ہے، قدیم ایرانی مذہب جو زرتشت کی طرف منسوب ہے میں یزدان یعنی نیکیوں کا خدا اور اہرمن یعنی بدیوں کا خدا، کا خیال پیدا ہوا جس سے توحید خالق کے اساسی نظریے کی نفی ہوئی،

marfat.com

ہندوؤں کے ہاں بھی یزدان کی طرح، وشنو، تعمیر کا دیوتا سمجھا گیا اور اہرمن کی طرح، شِو کو تخریب کا دیوتا قرار دیا گیا، ماننے والے اہرمن اور شِو سے خوف زدہ رہے کہ بدی کے اجراء اور تخریب کاری کے فروغ کا اختیار انہی کے پاس تھا۔

اسلامی تعلیمات نے اس ثنویت (دو خداؤں کو تسلیم کرنے کا نظریہ) کا شدت سے رد کیا اور اس بات پر زور دیا کہ سب توانائیوں کا مرکز ذات واحد کو سمجھا جائے، نیکوکار کے اعمال کی قوت بھی اسی کی عطا کردہ ہے اور بدکار کے اعمال کی توانائی بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے بلکہ اس پوری کائنات میں جو ہے وہ اس خالق کی عطا ہی ہے، کائنات کو اس نے پیدا کیا اور مقرر کاموں پر لگا دیا، سورج اپنے فرض کو نبھا رہا ہے اور چاند اپنا فرض ادا کر رہا ہے، ان مظاہر قدرت میں انکار کی مجال نہیں، ہوا کا کام چلنا اور مہکانا ہے وہ اسی پر مامور ہے، آگ کو جلانا اور حرارت پہنچانا ہے، وہ اپنے کام پر لگی ہوئی ہے، غرضیکہ سب عناصر اپنے اپنے فرائض پر کاربند ہیں۔ انسان کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ اسے صلاحیت و توانائی دی اور اس صلاحیت اور توانائی کے استعمال کا اختیار بھی دیا، ہدایت و رہنمائی کا ایک مربوط نظام مقرر کیا گیا مگر اپنے دائرہ عمل میں آزاد فیصلوں کا حقدار بھی گردانا گیا، اسی اختیار پر اس کو جزا و سزا کا مستوجب قرار دیا گیا، آزادی کے باوجود اس کو ضوابط کا پابند بنایا گیا، انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ کبھی تو اپنی قوت پر ناروا اعتماد کر کے خودسر ہو جاتا ہے اور برتر قوت یعنی خالق کی قدرت کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور کبھی اپنی بے ہمتی کو بہانہ بنا کر اپنی تمام صلاحیتیں ضائع کر دیتا ہے۔

انسانی فکر کی تاریخ کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ انسان ہمیشہ دو انتہاؤں کا اسیر رہا، کبھی اپنی قوت پر اس قدر اترانے لگا کہ خالق تک کا انکار کر دیا، کبھی خالق کو تسلیم تو کر لیا مگر اسے اپنے معاملات سے لاتعلق سمجھا، اعتمادِ خودی کا سبب بنا، میں ہوں

marfat.com

دوسرا کوئی نہیں، یہ دعویٰ ایسے خودسروں سے بار بار سنا گیا، ایسے افراد کو جو صرف اور صرف اپنے وجود کو ہی قوت کا منبع سمجھتے رہے، قدریہ، کا نام دیا گیا، انسان اپنا آپ معمار ہے اور وہ ہر عمل میں آزاد ہے، یہ اس گروہ کا عقیدہ رہا۔ اس کے برعکس وہ لوگ بھی اس دنیا میں موجود رہے جو انسان کو ایک کٹھ پتلی سمجھتے رہے، بے کار محض اور سراسر بے ہمت گردانتے رہے، یہ تو حالات کا جبر ہے کہ انسان کبھی کسی ایک عمل یا کبھی کسی دوسرے عمل پر کاربند نظر آتا ہے، خالق کو تسلیم کیا اور ہر کام کی نسبت اس کے طرف کی مگر اس طرح کہ اپنے ہر اختیار سے دست بردار ہو گئے، یہ لوگ اہل جبر یا جبریہ کہلائے، جبر وقدر کے ان دو گروہوں میں اکثر مفکرین اور فلسفی بٹے ہوئے ہیں۔

اسلام ان دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی روش اپناتا ہے، انسان، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اس کی سب قوتیں اور صلاحیتیں اس خالق ہی نے پیدا فرمائی ہیں، وہ قوت نیکی پر لگے یا برائی پر، اس قوت کا خالق وہی ہے، زندگی اس کی عطا ہے، موت اس کے حکم کے مطابق وقت مقرر پر آئے گی، حکیم یا ڈاکٹر بیماریوں کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں کہ یہ فیصلہ خالق کا ہے، اس لئے ارشاد ہوا:

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(یونس: ۴۹)

ترجمہ: ”جب ان کا وقت مقرر آ گیا تو ایک ساعت کے لئے نہ پیچھے جا سکیں گے اور نہ آگے۔“

یہ موت کا لمحہ ہے اور اس میں ردوبدل انسان کے بس میں نہیں، ہاں حیات وموت کے درمیانی عرصہ میں اختیار کی سرافرازی اس خالق ہی نے عطا کی ہے، بہانہ ساز، یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ مالک چاہتا تو ہم نیکوکار بن جاتے، وہ نہ چاہتا تو ہم بت پرستی نہ کرتے۔ اس طرح وہ اپنے اختیار کی عظمت سے انکار کرتے ہیں، وہ نہ جان سکے کہ

marfat.com

اپنی پسند کے دیگر کاموں کا اگر اختیار موجود ہے تو حق و باطل میں تمیز کا کیوں نہیں؟ اس پروردگار نے تمیز کا شعور عطا کر دیا، درست یا نادرست روش اپنانے کی قوت عطا کر دی، اب فیصلہ انسان کے ہاتھ میں ہے کہ قدرت کا علان یہ ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔

(الکہف: ۲۹)

ترجمہ: ''اور کہہ دیجئے: حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔''

ایمان جبر و قدر کے توازن میں ہے، جہاں انسان مجبور ہے وہاں جزا و سزا بھی موقوف ہے اور جتنا اسے اختیار دیا گیا ہے اسی قدر اس پر حساب اور مواخذہ ہے، آنکھ دی ہے تو نظر پر قدغن بھی لگائی ہے، کان دیا ہے تو سماعت کے ضابطے بھی مقرر کئے ہیں، زبان دی ہے تو گفتگو پر محاسبے کا پہرہ بھی لگایا ہے، صحت دی ہے تو عمل کا حکم بھی دیا ہے، دولت دی ہے تو صدقہ و خیرات کی ترغیب بھی دی ہے غرضیکہ کوئی تقاضا غیر ضروری اور استطاعت سے بڑھ کر نہیں، بدقسمتی یہ ہے کہ انسان نے الہامی راہنمائی کو نظر انداز کر کے اعتقادی مغالطے پیدا کئے اور نظریاتی الجھنوں کا شکار رہا۔

اس مغالطے کا سد باب کرنے کے لئے تقدیر پر ایمان کو ایمانیات کا حصہ بنایا گیا، عقائد خمسہ، پر ایمان کا دارو مدار ہے اور ایمان باللہ اس کی اساس ہے۔ ایمان باللہ کے تمام تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے تو تقدیر کے مسائل حل ہو جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کو واحد خالق مانا اور اس کے سوا کسی خالق کے تصور سے انکار کر دیا تو پھر ہر توانائی کو اس کی بخشش سمجھنا لازم ہے۔ یہ بخشش و عطاء کی تسلیم کا بدیہی نتیجہ ہے کہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر جھکا دیا جائے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام کیا جائے، جان اس نے دی ہے اگر اس جان بخشی کا حق ادا نہ ہو تو کیا اس کو کسی اور کی

marfat.com

نوازش سمجھ لیا جائے، دو ہی صورتیں ہو سکتی ہے، یا یہ کہ نافرمانی کے عمل کو کسی اور ذات سے نسبت دی جائے اور کوئی اور خالق مان لیا جائے یا یہ کہ خالق اسی کو مانا جائے مگر اس عمل میں اپنی کوتاہی کو تسلیم کر لیا جائے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر قوت و توانائی کو اس کی طرف نسبت دی جائے کہ خالق صرف وہ ہے اور بد عملی یا برائی کو اپنے وجود کی طرف منسوب کر کے اس سے بچنے کا چارہ کیا جائے، قدر پر ایمان یہ ہے کہ انسانی اختیار کو تسلیم کرنے کے باوجود نتائج کی وقوع پذیری کو خالق کا فیصلہ قرار دیا جائے، خالق کائنات علیم و خبیر ہے، قادر و قیوم ہے اور مالک و رب ہے، اس لئے اس کا فیصلہ بہر حال نافذ ہوگا، اسی کو تقدیر مبرم کہتے ہیں یعنی ایسی تقدیر یا پختہ فیصلہ جسے بہر صورت نافذ ہونا ہے اس لئے کہ اس ذات کا علم کامل ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہے، تقدیر کا ایک رخ معلق ہے کہ ہونے یا نہ ہونے کے درمیان ہے، انسان کو اس قدر اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ہمت، کوشش اور اطاعت شعاری سے معلق فیصلوں کو اپنے حق میں نافذ ہونے کی سعی کر سکتا ہے، اسی تناظر میں اس ارشاد نبوی ﷺ کو سمجھنا چاہئے کہ دعا قضا کو بدل دیتی ہے، علامہ اقبالؒ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

عقائد پر غور و فکر میں قدر پر ایمان کو ہر لحظہ پیش نظر رکھنا چاہئے تا کہ کسی عمل اور کسی مرحلہ پر لغزش قدم کا خطرہ نہ رہے کہ عقائد کی پختگی اور ان کی اساس پر تعمیر سیرت ہی کامرانی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر و خیال کو ایمانیات کی روشنی سے آبرومند رکھے آمین۔

marfat.com

# كتاب الأركان

- الشهادتين
- الصلوٰة
- الزكوٰة
- الصوم
- حج

mafiat.com

# ارکان اسلام

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایمانیات کے حوالے سے اساسی عقائد کے بارے میں ضروری معلومات درج کی گئیں اس لئے کہ کسی نظریہ حیات کو اپنانے اور انداز زندگی کو اس کے مطابق ترتیب دینے کے لئے ان کا جاننا لازم ہے، انسان جب اپنی زندگی کو کسی ڈھب سے گزارنا چاہتا ہے تو وہ اس کیلئے کچھ بنیادی امور طے کر لیتا ہے تاکہ زندگی کے لمحات میں ربط قائم رہے، یہ ممکن نہیں کہ انسان ہر لمحہ یا ہر روز نئے انداز سے سفر زندگی پر گامزن ہو جائے، کل کو آج سے لاتعلق نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مستقبل کو حال سے الگ کیا جا سکتا ہے، انسان کا شرف یہ ہے کہ وہ غور و فکر سے اور تجربات حیات سے اپنی راہیں متعین کرتا ہے، اسلام نے اسے یقین دلایا ہے کہ یہ زندگی بے کار مشغلہ نہیں اور نہ ہی یہ کوئی بے مقصد دورانیہ ہے بلکہ یہ اول و آخر ایک با مقصد عطا ہے۔ یہ علیم و خبیر ذات کی تخلیق کا مظہر ہے، اس کی ابتداء بھی رضائے الٰہی کا نتیجہ ہے اور اس کی انتہاء بھی تقدیر الٰہی کی پابند ہے، یہ نہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور نہ خود بخود قضا کے گھاٹ اترتی ہے اور یہ کہ اس کا ہر لمحہ لائق قدر اور اس کا ہر پہلو قابل توجہ ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد خالق کائنات ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ٥

(المومنون: ۱۱۵)

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کر رہے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار کھیل کود کے لئے پیدا کیا اور یہ کہ تم نے ہماری جانب لوٹنا نہیں ہے۔"

زندگی کو بے کار اور صرف کھیل کود سمجھ لینا، زندگی کی قدر و قیمت سے ہی

marfat.com

انکارنہیں، خالق کائنات کے تخلیقی عمل کی اہمیت سے بھی انحراف ہے بلکہ اس کی خالقیت سے بغاوت ہے، انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کی افادیت کو پیش نظر رکھ کر ایسا کرتا ہے اور جو عقل و دانش کے جوہر سے فیض یاب ہے اس کا ہر عمل مقصدیت کی میزان پر پورا اترتا ہے، انسان محدود فکر اور ناتمام دانش کے باوجود، ہر حرکت کا جواز مدنظر رکھتا ہے تو وہ خالق جس کا علم زمین وآسمان کے ہر رخ اور ہر ذرے کو محیط ہے اس کا عمل بے مقصد کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس کی سطوت کا حال یہ ہے کہ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ: ۲۵۵)

ترجمہ: ''اس کی سطوت آسمانوں اور زمین کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے ہے۔''

اسلام انسان کو یہی باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ خالق کی قدرت، سلطانیت، علم اور حکمت کا شعوری اعتراف کرے، اس کی وحدت، اس کے رسولوں کے پیغام کی صداقت اور روز آخر کے انجام کی ہمہ گیری پر ایمان لائے، عقائد کے حوالے سے انہی اعترافات کا ذکر کیا گیا ہے، یہ تسلیم کا مرحلہ اور ایمان کا درجہ ہے، ان عقائد پر ایمان لانے کے بعد انسان کو کیا کرنا چاہئے، کیا یہ نظری مباحث ہی کافی ہیں یا ان پر ایمان لانے کے بعد زندگی کو عملی طور پر بھی کسی خاص انداز سے گزارنا ضروری ہے؟ ظاہر ہے کوئی ان عقائد کو مان کر ان پر پختہ یقین کر لیتا ہے اور کوئی ان کو تسلیم نہیں کرتا، کیا یہ ممکن ہے کہ ماننے اور انکار کرنے والے کا طرز حیات ایک سا ہو؟ اگر ایسا ہے تو مان لیجئے عقائد صرف خیالات کی عیاشی ہے کہ ان کا عملی زندگی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اسلام، انسانی زندگی میں وحدت کا داعی ہے، سوچ اور عمل میں ہم آہنگی پر اسلام پوری قوت کے ساتھ اصرار کرتا ہے، ایمان لائے ہو تو معاشرتی زندگی میں ایمان کی برکات کا اہتمام بھی کرو، اسی اہتمام کو اسلام کہتے ہیں۔

ایمان اور اسلام کو عموماً روزمرہ زندگی میں ہم معنی سمجھا جاتا ہے اس لئے تسلیم

marfat.com

کرنے والے کو مومن یا مسلم کہہ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں کلمات اپنے لغوی مفہوم میں قدرے مختلف معانی رکھتے ہیں مگر ان کا اطلاق ایک سا ہے۔ ایمان اگر داخلی اعتراف کا نام ہے تو اسلام معاشرتی اظہار کو کہا جاتا ہے، غور کیا جائے تو اپنے وسیع تر مگر مخصوص مفہوم میں دونوں میں قدرے تفاوت ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان بظاہر تمام اعمال کو مسلم امت کی طرح انجام دے مگر وہ دل سے ان اعمال کی قوت یا افادیت کا قائل نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی انسان تسلیم و رضا کے تمام پہلوؤں پر یقین رکھتا ہو مگر عملی طور پر اس کے اظہار یا اس پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی کا مرتکب ہو۔ تسلیم کے بغیر ظاہری اعمال انجام دے کر مسلم امت کا حصہ بننے کا فریب کرنے والا منافق کہلاتا ہے۔ یہ دراصل دھوکہ باز ہے کہ مسلم معاشرت کے تمام فوائد کو سمیٹنا چاہتا ہے مگر مسلم امت میں قلب و روح کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہتا۔ یہ اخلاق و کردار کا بدترین عیب ہے اسی لئے اس پر وعید بھی بہت شدید ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۵)

ترجمہ: ''بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔''

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلامی معاشرت میں فساد پیدا کر کے ملت کو حد درجہ نقصان دیتے ہیں۔ ان کے برعکس وہ جو تسلیم میں پختہ ہیں مگر معاشرتی اعمال میں مسلمان امت کے ہمراہ نہیں فاسق ہیں کہ نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں، اپنے ہیں مگر انداز غیروں کے سے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(المائدہ: ۴۷)

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہ ہی فاسق ہیں۔''

marfat.com

نافرمان لوگ حد سے بڑھ جائیں تو کفر تک چلے جاتے ہیں ،اس لئے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر کفر کرنے والوں اور دین سے انکار کرنے والوں کو فاسق کہا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ مفاہیم کے لحاظ سے ممکن ہے کہ کوئی مسلمان کہلاتا ہومگر مومن نہ ہومگر شریعت اسلامیہ میں اعلان اسلام پر مسلمان ہونے کا ہی حکم لگائیں گے کہ داخلی کیفیات کا معاشرہ اندازہ نہیں کرسکتا اگر چہ ایمان کے بغیر اسلام کے دعویٰ کی تکمیل نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اَلْاِسْلَامُ عَلَانِیَۃٌ وَّالْاِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ (۱)

یعنی اسلام اعلان ہے اور ایمان دل میں ہوتا ہے۔

اس لئے فیصلہ یہی ہے کہ زبان سے اقرار اسلام ہے اور دل سے تصدیق ایمان ہے۔صدر اسلام میں جب لوگ سطوت اسلام سے مرعوب ہوکر مسلمان ہونے کا اعلان کررہے تھے تو کچھ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں شک وتردد کے وسوسے موجود تھے اور کچھ ایسے بھی جو اعلان تو کررہے تھے مگر تسلیم کی وہ منزل نہ آئی تھی جو ایمان کا تقاضا ہے،اس پر قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (الحجرات: ۱۴)

ترجمہ: بدوی کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ،فرمادیجیے تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یہ کہو: ہم اسلام قبول کر چکے اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ایمان تو تب اپنی پوری قوت اور کاملیت کے ساتھ انسانی وجود کا افتخار بنتا ہے جب زبان سے اسلامی ملت کے ساتھ ہمنوائی کا برملا اعلان ہواور دل ودماغ کے تمام جذبات وخیالات بارگاہ صمدیت میں سجدہ ریز ہوجائیں، یادرہنا چاہئے کہ ایمان کا

(۱) مسند احمد جلد ۳ ص: ۱۲۵

marfat.com

دعویٰ تب سچا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی محبت و اطاعت کو سرمایہ حیات بنالیا جائے، ایمان، محبت کے بغیر ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، اس لئے کہ محبت ہی اطاعت کی اساس ہے "لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَّامَحَبَّةَ لَهٗ" جس کو سرکار مدینہ ﷺ سے محبت نہیں اس کا ایمان نہیں اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں اس کی لازمی اور حتمی حیثیت کو واضح کیا ہے، فرمایا:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. (۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں جب تک میں اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

یہ حدیث حضرت انسؓ سے روایت ہوئی ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مفہوم کی حدیث موجود ہے، بلکہ ایک حدیث میں جو صحیح بخاری ہی نے روایت کی، فرمایا: مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاس کہ محمد ﷺ کی ذات گرامی ہی لوگوں کے کفر و ایمان کے لئے وجہ امتیاز ہے، جو ان کا ہے وہ مومن، اطاعت شعار اور جو ان کا نہیں وہ کافر و نافرمان۔

ایمان کے شعبوں کا ذکر کیا جا چکا، آیئے اسلام کے حوالے سے اعمال و افعال یعنی ارکان اسلام کا ذکر کریں۔

## ارکان اسلام

ارکان کا واحد رکن ہے یعنی ستون، وہ بنیادیں جن کے قائم کرنے سے اسلام کی شاندار عمارت تیار ہوئی انہیں ارکان کہا جاتا ہے، یہ ارکان کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں، حدیث جبریل جس کا عقائد کے مباحث میں تذکرہ کیا جا چکا، اس میں ارکان کی تفصیل بھی موجود ہے، اسی کو گفتگو کی اساس بناتے ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان باب حب الرسول ﷺ من الإیمان

marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی راوی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا تھا:

قَالَ :يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکوٰۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحِجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً (۱)

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر سفر کی ہمت رکھتا ہو تو بیت اللہ کا حج کرے''۔

اس مفہوم کی متعدد احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، ایک مشہور حدیث ہے جس کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے اسلام کے حوالے سے گفتگو میں فرمایا:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَھَادَۃِ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکوٰۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ .(۲)

ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ پر ہے، یہ شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ کہ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

بُنِیَ ، کے لفظ میں بناء یعنی بنیاد کا تذکرہ ہے کہ اگر اسلام ایک نظریاتی و عملی

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان

(۲) صحیح البخاری ، کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس

marfat.com

عمارت ہے تو اس عمارت کی بنیاد یا وہ ستون جس پر اس عمارت کو قائم ہونا ہے، پانچ ہیں، ان میں سے کسی ایک رکن یعنی ستون کا نہ ہونا یا کمزور ہونا پوری عمارت کو متزلزل کردے گا، ارکان یہ ہیں:

١۔ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کی شہادت اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت

٢۔ نماز کا قیام

٣۔ زکوٰۃ کی ادائیگی

٤۔ رمضان کے روزوں کی پابندی

٥۔ استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج۔

یہ اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، ان کو تسلیم کرنا اور ان کو احکام وضوابط کے مطابق ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ان کے فرض ہونے کی حیثیت کو ماننا لازم ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں متردد ہونا یا ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ماننا کفر ہے مثلاً یہ کہ کوئی نماز کو تو فرض مانتا ہے مگر زکوٰۃ کو لازم نہیں سمجھتا یا کہ کوئی روزوں کو تسلیم کرتا ہے مگر حج کیلئے سفر کو ضروری خیال نہیں کرتا یا کسی معاشرتی ومعاشی گھٹن کی بنا پر ان ارکان کی فرضیت سے ہی انکار کر دیتا ہے، یہ سب صورتیں اسلام سے بغاوت اور کفر ہیں، ہاں اگر کوئی انسان ان سب کو ماننے میں متردد نہیں، ایمان کی پوری قوت کے ساتھ ان پر یقین رکھتا ہے مگر ان فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے، نماز فرض جانتا ہے مگر چھوڑنے کا مرتکب ہوتا ہے، روزہ کو ضروری سمجھتا ہے مگر بجا آوری میں کمزوری یا عدم توجہی دکھاتا ہے تو یہ سب سخت تر گناہ کی صورتیں ہیں، اس بے عملی سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ اعمال کی تمام صورتیں پوری لگن کے ساتھ قائم رہیں، فرائض کے چھوڑنے یا ان میں کوتاہی کرنے پر بار بار وعید آئی ہے

marfat.com

کیونکہ یہ ناشکری بھی ہے اور بد عملی بھی۔ کس قدر بدقسمت ہیں وہ لوگ جو دین کو قبول کرنے کا اعلان بھی کریں مگر دین کے تقاضوں کو نظر انداز بھی کریں، اس سلسلے میں وہ افراد انتہائی بدبختی کا شکار ہیں جو روحانیت کا عَلَم اٹھائے ہوئے ہیں مگر فرائض واحکام سے غافل ہیں بلکہ عملاً ان احکام کے انکاری ہیں۔ انہوں نے صرف عوام کی عقیدتوں کو حصول زر کا ذریعہ بنایا ہے، حد یہ ہے کہ اپنے رویوں سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ بے عمل صوفی، بدعمل فقیر اور احکام الٰہیہ اور اسوہ حسنہ کے باغی روحانی راہنمائی کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے پاکیزہ دامن پر بدنما داغ ہیں، یہ لائق نفرت اور قابل اجتناب ہیں، اسلام تو نام ہے رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کے سامنے جھک جانے کا، ہر آن احکام الٰہیہ کی پاسداری کا، ہمہ وقت انقیاد کا، یہ ہندوانہ روش کے حامل، جاہل افراد کسی صورت اطاعت واتباع کے اہل نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کو فکر کی راستی اور عمل کی استقامت عطا فرمائے۔ آمین

آیئے اب ارکان اسلام کا قدرے تفصیلی مطالعہ کریں۔

marfat.com

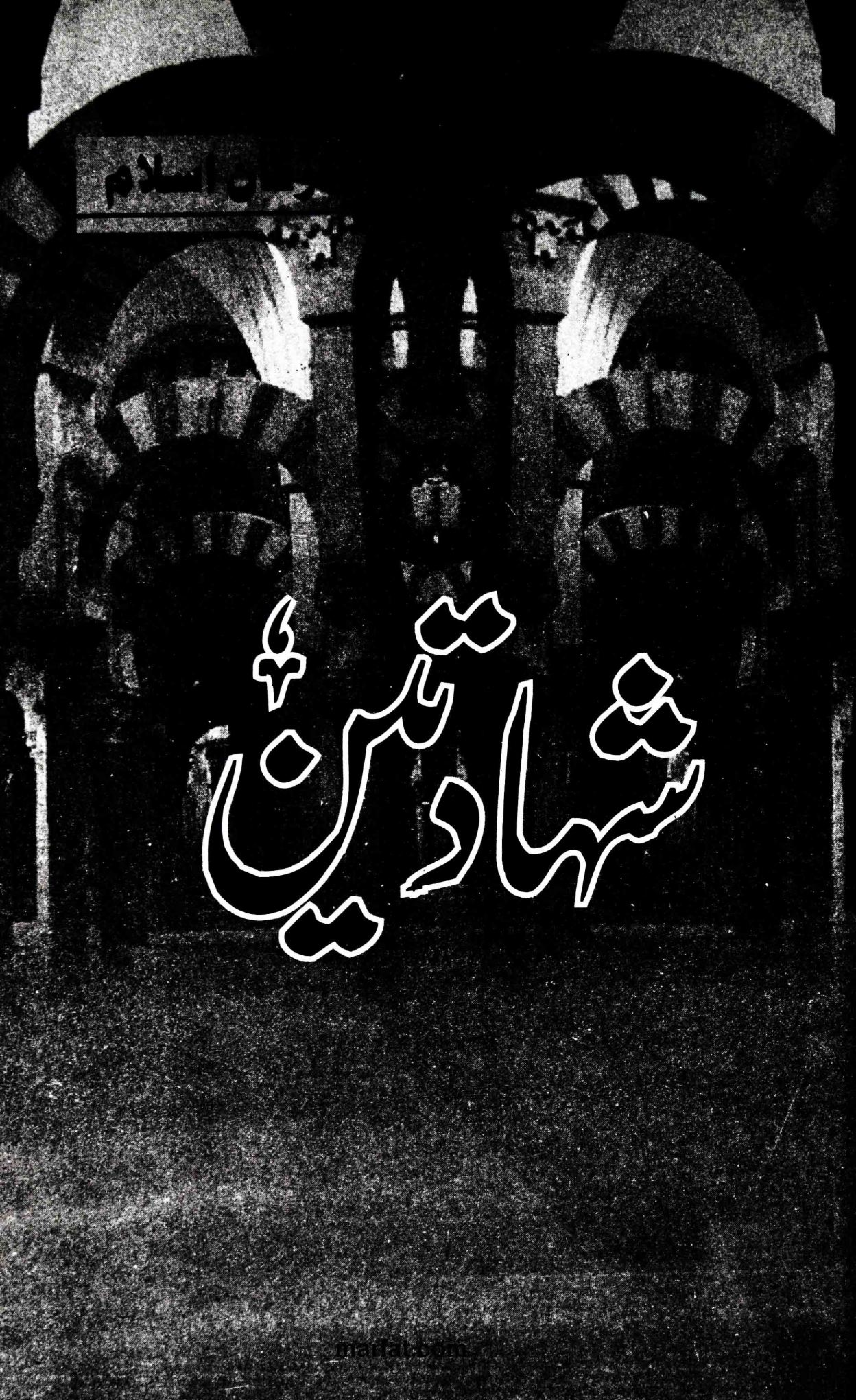
اسلام
شہادتیں

# ا۔الشہادتین (دوشہادتیں)

اسلام ایک دین ہے یعنی زندگی کے لئے مکمل ضابطہ، اسلام کا لفظی معنی جھکنا، تسلیم کر لینا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب انسان، اسلام کو بطور دین اختیار کر لیتا ہے تو وہ ظاہری اور باطنی لحاظ سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اب اس کے نظریات پر اسلام کی تعلیمات کا قبضہ ہوگا اور اس کے اعمال و افعال کا ہر پہلو احکامِ اسلام کے تابع رہے گا، اس تسلیم کا ظاہری اعلان کلمۂ طیبہ کی شہادت سے ہوتا ہے، یہی اسلام کا رکن اوّل ہے، یہ کلمہ مومن کی زبان کا وظیفہ بھی ہے، اس کے دل و دماغ کا اعتراف بھی اور اس کے اعمال و افعال کا نگران و محافظ بھی، وہ جب پوری شعوری قوتوں کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

اور یہ گواہی دیتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد اور اس کے رسول ہیں۔

تو وہ خدائی کے تمام دعویداروں اور راہنمائی و راہبری کے سب خود ساختہ مصلحین سے انکار کرتا ہے اور اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی گردن اپنے خالق و مالک کے سوا کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہوگی اور اس کے معاشرتی، معاشی اور سماجی تعلقات و روابط پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے سوا کوئی نگران نہ ہوگا، وہ ایک معبود کا عابد، ایک خالق کی مخلوق اور ایک حاکم کا محکوم بن کر زندگی گزارے گا اور راہبری و راہنمائی اور ہدایت کے لئے صرف ایک وجود کا امتی بن کر جئے گا۔

عقائد کے حوالے سے توحید پر ایمان کو اساسی حیثیت اور رسولوں پر ایمان کو

marfat.com

لازمی مرتبہ حاصل ہے، اس ایمان کو اب عقیدہ کے ساتھ عمل کی اساس بھی بننا ہے اس لئے ان دونوں شہادتوں کو رکن اسلام کی حیثیت سے بھی گنا گیا کہ یہ اعتقاد اب صرف ذہنی یا قلبی میلان و جذبہ نہیں ایک فعال قوت ہے جسے اسلامی معاشرہ کی تعمیر و ساخت میں بنیادی عنصر کا درجہ حاصل ہے، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ پوری زندگی کا حوالہ ہے، اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنا، اس وجود کو واحد و یکتا ماننا، اس واحد کو ہی خالق و رب تسلیم کرنا اور اسی خالق و رب ہی کے سامنے سر نیاز خم کرنا مسلمان کی زندگی کا امتیاز ہے۔ وہ ایک کو مانتا ہے اور اس کے علاوہ سب خداؤں سے انکار کرتا ہے، وہ ایک خالق کی مخلوق کے حوالے سے ساری کائنات کو اس واحد کی تخلیق مانتا ہے، اس لئے کسی بت، کسی دیوتا یا کسی مہا دیو کا قائل نہیں ہوتا، وہ جب اسی کو خالق کل مان لیتا ہے تو اسی کے سامنے سر بسجود ہونے پر فخر کرتا ہے، اس کی گردن اب کسی اور کے سامنے نہیں جھکتی کہ یہ عقیدہ توحید سے انکار ہوگا اور شرف انسانیت کی نفی بھی کہ اشرف الخلق ہو کر اپنے سے کم تر کے سامنے سجدے کر رہا ہے، الوہیت صرف ذات واحد کو سزاوار ہے کہ خالق وہی ہے، قرآن مجید میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ٥ (البقرة:٢١)

ترجمہ: ”اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔“

عبادت کا حکم دیا گیا کہ یہ صرف اسی کو زیبا ہے اس لئے کہ پیدا اس نے کیا ہے، کس قدر ظلم ہوگا کہ خالق وہ ہو اور سر کسی اور کے سامنے جھکا رہے، اللہ تعالیٰ کے ہر فرستادہ نبی نے اپنی قوم کو اسی بارگاہ کو تسلیم کرنے اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی تبلیغ

marfat.com

کی، الہامی نوشتے خواہ وہ کسی دور میں نازل ہوئے اس حقیقت کا اعلان کرتے رہے اور بار بار کہتے رہے مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (الاعراف: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵) کہ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرۃ: ۲۵۵) کہ کوئی معبود نہیں مگر وہ جو حیّ و قیوم ہے، جب نصاریٰ نے عظمت و شان عیسیٰ علیہ السلام کے اعتراف میں حد سے تجاوز کیا اور ان کی الوہیت کے وہم میں مبتلا ہوئے تو فرمان الٰہی نے تثلیث پر یقین رکھنے والوں کا رد کیا اور اس تجاوز کو کفر قرار دیا اور واضح کر دیا کہ وَمَامِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ (المائدہ: ۷۳) اور کوئی معبود نہیں مگر معبود واحد و برحق، کبھی اس غلط سوچ کا ازالہ کیا کہ وہ آسمان کا تو الٰہ ہے مگر زمین کا کوئی اور ہونا چاہئے پیکر محسوس کی یہ خواہش اکثر مادہ پرستوں کو رہی ہے اس لئے اس کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہوا: وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰـہٌ (الزخرف: ۸۴) اور وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے'' یعنی کائنات کا کوئی طبقہ ہو الٰہ وہی ایک ہے وحدت معبود کے لئے یہ دلیل دی گئی کہ وہ خالق یکتا ہے، جب تخلیق ایک واحد ذات کی ہے تو ممنونیت کی سجدہ ریزی کے لئے کثرت الٰہ کیوں؟ ارشاد ہوا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الفاطر: ۳)

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق مہیا کرتا ہے''؟۔

جب ایسا کوئی اور وجود نہیں تو یقین کرلو کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ (الفاطر: ۳) ''اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں''۔

انسانی فکر کا المیہ یہ ہے کہ وہ جب بھی انانیت کے گرداب میں مبتلا ہوتی ہے تو ان حقائق سے بھی انکار کر دیتی ہے جو کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہوتے

marfat.com

ہیں ۔ایسے خودفریب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول راہ راست کی دعوت دیتے رہے، کبھی ان کے شعور کو جھنجھوڑ کر ہدایت کا سامان کرتے تو کبھی اس مالک الملک کی گرفت اور عذاب سے ڈرا کر سیدھی راہ کی تلقین کرتے ،حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ط اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ٥

(الذریٰت:۵۱)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، میں تم کو اس پروردگار کی طرف واضح ڈرانے والا ہوں''۔

قرآن مجید کی متعدد آیات اس دعوت پر مشتمل ہیں۔ایک الٰہ کو ماننے کی دعوت اور باقی ہر مدعی سے انکار کی تاکید،اسلام نے اس تصور وحدت پراس درجہ اصرار کیا ہے کہ اس سلسلے میں معمولی سی لغزش پر بھی گرفت کی اور دائمی سزا کی وعید سنائی۔ شرک اس تصور وحدت کی نفی ہے کہ شرکت نہ ذات میں ممکن ہے اور نہ صفات میں۔ اس لئے واضح کر دیا گیا کہ شرک نظریاتی فساد ہی نہیں،ظلم عظیم بھی ہے،ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا (النساء:۴۸)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ شریک بنائے اور وہ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا تو بے شک اس نے بڑے گناہ کا افتراء کیا''۔

یعنی شرک وہ الزام ہے جس سے بڑا بہتان ممکن نہیں۔ یہ تو مالک کائنات کی قدرت سے انکار ہے۔شرک کا مرتکب، خالق کی وحدت کو بھی چیلنج کرتا ہے اور اس کی حکومت اور اس کی فرماں روائی سے بھی بغاوت کرتا ہے اس لئے حضرت لقمان علیہ السلام

marfat.com

نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت فرمائی کہ

یٰبُنَیَّ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ٥(لقمان : ١٣)

ترجمہ: ''اے میرے بیٹے !اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بناؤ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

ظلم اس لئے کہ الوہیت کی عظمت کو غیر مستحق کے حوالے کر رہے ہو۔انبیاء کرام علیہم السلام شرک سے اجتناب اور توحید پر پختہ رہنے کی شہادت دیتے رہے۔ یہی وہ شہادت ہے جو اسلام کے دامن رحمت میں آنے کی کلید ہے اور اسی پر کار بند رہنے کی دعا ہر صاحب ایمان کی ضرورت ہے۔ایک مومن بار بار یہ اعتراف کرتا ہے کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ٥(الفاتحہ : ۴)

ترجمہ: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے ہی مدد چاہتے ہیں''۔

یہ اعتراف اس فیصلے کی تصدیق ہے جو قدرت نے خود فرما دیا تھا کہ

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ. (بنی اسرائیل : ٢٣)

ترجمہ: ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ عبادت کرو مگر صرف اس کی''۔

عبادت صرف سر جھکانے کا نام نہیں بلکہ قلب ونظر کی ساری توانائیوں کو اس دربار میں پیش کرنے اور اسی سے ہر معاملے میں مدد چاہنے اور غیر سے الگ ہو کر صرف اسی کا ہو جانے کا نام ہے۔ یہ تصور جب اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنے جلوے دکھاتا ہے تو انسان کی زندگی میں یک رنگی کی بہار آ جاتی ہے۔توحید آشنا وجود یکسو ہو کر ساری کائنات میں حمد کے ترانے بکھیرنے لگتا ہے۔لَا اِلٰـــہ کی سطوت اِلَّا اللہ کے ایمان سے مستنیر ہو جائے تو کائنات دمکنے لگتی ہے۔ حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کہا تھا۔

لَا و اِلَّا احتساب کائنات...... لَا و اِلَّا فتح باب کائنات

marfat.com

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صرف ایک وظیفہ نہیں بلکہ یہ تو پوری زندگی کا حوالہ ہے، ہر لمحہ کی پکار ہے کہ

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند...... بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

عصر حاضر اسی نغمے کا متلاشی ہے کہ اس کے دامن میں مفادات کے بت اور خواہشات کے صنم انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ توحید پر ایمان، خالق کی وحدانیت اور معبود برحق کی یکتائی کا یقین مادی یلغار میں متزلزل ہو رہا ہے۔ آج پھر توحیدی قافلے والوں کی ضرورت ہے کہ شرک دلفریب رنگوں میں جلوہ گر ہے اور نگاہ مسلم دھندلاتی جاری ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے...... صنم کدہ ہے جہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کلمہ طیبہ جو ایمان کا شجر طیب ہے، کا دوسرا حصہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ہے یعنی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رسول کا لفظی معنی پیغام لانے والا یعنی وہ وجود جو خالق و مالک کے احکام انسانوں تک پہنچائے، اس ایمان سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان بھی ہوتا ہے اور اس حاکمیت کے عملی نفاذ کا بھی، اس سے یہ یقین بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ انسان ایک وجود کو مقصود نظر بنا کر اطاعت کر رہا ہے مگر دراصل یہ سب اعمال اس خالق کی اطاعت کا مظہر ہیں جس نے اس کو اپنا نمائندہ انتخاب کر کے انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس قافلہ ہدایت کے آخری نمائندے ہیں، اس لئے آپ کی راہنمائی کا دائرہ اثر انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ آپ ایک معاشرتی زندگی گزاریں یا سیاسی عمل میں شریک ہوں۔ آپ ایک تاجر کی حیثیت سے خرید و فروخت میں مشغول ہوں یا سپہ سالار کی حیثیت سے غزوات کی کمان کریں، آپ پیمان وفا کا حصہ بنیں یا عدالتی منصب کی ذمہ داریاں

marfat.com

نبھائیں، آپ بڑوں سے محو کلام ہوں یا چھوٹوں کے ساتھ شریک گفتگو، عائلی معاملات میں منہمک ہوں یا محفل احباب کی زینت، غرضیکہ زندگی کا کوئی رخ ہو، مادی ہو یا روحانی، آپ کا رویہ فرستادۂ الٰہی ہونے کا ہے اور آپ کا انداز، رسول رب العالمین ہونے کا ہے، آپ کی رسالت آپ کے وجود کا جزو لازم ہے، یہ ممکن نہیں کہ آپ کے کسی عمل یا ارشاد کو نبوی عظمت سے الگ کر کے صرف بشری حوالے سے دیکھا جائے اس لئے کہ خالق کائنات نے ان کا تعارف ہی یہ کرایا تھا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ (الفتح: ۲۹)

یعنی محمد ﷺ رسول اللہ ہیں، پھر یہ واضح کر دیا کہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ (الفتح: ۲۸)

ترجمہ: ''وہ ذات خالق ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے''۔

اس سے ثابت ہوا کہ بھیجنے والے نے ہدایت کو ان کی بعثت کا حوالہ بنایا ہے اور دین حق کو اس وجود کے ساتھ مربوط کیا ہے، اب جو دین یا طرز زندگی ان کے ساتھ نہیں آیا وہ حق نہیں اور جو آپ ﷺ کی راہنمائی و راہبری کے سایوں میں نہیں وہ ہدایت نہیں، آپ ﷺ کی آمد کے بعد انسانیت کو کسی قسم کی بھی ہدایت درکار ہوا سے آپ ﷺ کے در اقدس پر ہی حاضر ہونا ہے۔ حیات انسانی کا کوئی ضابطہ ہو اس کی سچائی، صداقت اور حقانیت آپ ﷺ سے نسبت اور تعلق کی بنا پر ثابت ہو گی، وہ ہدایت نہیں جو آپ ﷺ سے فیض یاب نہیں اور وہ دین حق نہیں جو آپ ﷺ لے کر نہیں آئے: اسی لئے تاکیداً ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد: ۲)

marfat.com

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور وہ ایمان لائے اس پر جو حضرت محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا، اور وہی دین حق ہے ان کے رب کی طرف سے''۔

ایمان لا کر عمل صالح پر کاربند رہنے والوں کو سمجھا دیا گیا کہ اس ایمان وعمل کو فرمودات رسول ﷺ کے مطابق بنانا ہوگا کہ رب کائنات نے جو دین حق انسانی فلاح ونجات کے لئے مقرر فرمایا ہے وہ وہی ہے جو نبی رحمت ﷺ پر اتارا گیا ہے، آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کئے بغیر دین حق پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ باطل ہے کہ کائنات کا رب اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اس سے ان خود ساختہ نظریات کی نفی ہوگئی جن کے مطابق ایمان یا نیک عمل کو سند رسول ﷺ کا درجہ حاصل نہیں حالانکہ نیکی تو صرف اتباع رسالت سے وجود پاتی ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے بھی اسی طرح انسانی روابط قائم ہوئے جیسے ہر انسان کے ہوتے ہیں، آپ کے والد گرامی تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کا وجود تھا، دادا، چچا، چچازاد، رشتہ دار اور قریبی عزیز مکہ مکرمہ میں موجود تھے، آپ کے اعلان نبوت سے قبل ان رشتہ داروں کا آپ سے رابطہ رہا، اعلان نبوت کے بعد بھی ان لوگوں نے اپنا بھائی بند سمجھ کر وہی طریقہ یا ربط اور وہی سلوک برقرار رکھنا چاہا، اس کا اثر ہوا کہ گفتگوئے رسول ﷺ کو اپنے عزیز یا بزرگ کی گفتگو سمجھا، ظاہر ہے اس رائے سے اختلاف بھی کیا جا سکتا تھا، خالق کائنات نے اس بنیاد کو ہی مٹا دیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جو آپ کے غلام اور حد درجہ جانثار تھے اور آپ کے ہاں ہی پرورش کے مراحل سے گزرے تھے، نے اپنی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح

marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ سے ہوگیا، اس کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً آیا کہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تعلق توڑ لیا تو زَوَّجْنٰکَهَا (الاحزاب: ۳۷) ''ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا'' اس سے ایک تو منہ بولے بیٹے کی حیثیت کا تعین ہوگیا اور ایک قدیم پختہ عادت کی نفی کر کے اسلام کے ضابطوں کا نفاذ ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے ایک ذہنی تحفظ کا خاتمہ ہوا، دوسرے یہ کہ اس تناظر میں منصب رسالت کی وضاحت بھی ہوگئی کہ نبی کی ذات کو مادی حوالوں سے مروج معاشرتی اقدار کی مطابقت میں نہ پرکھا جائے، سب سے بڑا معاشرتی تعلق باپ کی حیثیت سے ہوتا ہے اس کی بھی نفی کر دی گئی کہ اب اس وجود محترم کا ایک حوالہ ہی سب حوالوں سے برتر ہے اور وہ یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور رسول بھی ایسے کہ اب کسی اور رسول کو نہیں آنا، ارشاد ہوا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اسم مبارک کا واضح ذکر فرما کر اعلان کر دیا گیا کہ اب اس وجود محترم کو رسول اللہ کے حوالے سے ہی ماننا ہے اور ہر تعلق یا نسبت پر اس نسبت کو ترجیح دینا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے بے حد وحساب علم کا اظہار ہے کہ اس حکمت کو وہی بہتر جانتا ہے کہ اس مالک نے اپنے اس سلسلۂ ہدایت ورحمت کو کیوں ایک وجود پر مکمل کر دیا ہے، فرمایا کہ یہ آنے والا وجود گرامی رسول ہے اور اس سلسلۂ رشد کا خاتم بھی ہے۔ اب بہر حال اسے ہی ہدایت کا سرچشمہ تسلیم کرنا ہے اور کسی اور کا انتظار نہیں کرنا ہے۔

یہاں تاریخی تناظر میں غزوہ احد کا وہ منظر پیش نظر رہنا چاہئے کہ نبی

marfat.com

اکرم ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلائی گئی، گھمسان کی جنگ میں جبکہ پیچھے سے سخت ترین حملہ ہو گیا تھا اور ایک پتھر رسول اکرم ﷺ کو بھی آ لگا تھا اس خبر کا پھیل جانا عین ممکن تھا، جب یہ خبر عام ہوئی تو جاں نثاروں کے دلوں پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ بعض نے بے کیفی محسوس کی اور مقابلے کا ولولہ کمزور ہو گیا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

**وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ٥** (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: ''اور محمد (ﷺ) نہیں مگر رسول، آپ سے پہلے رسول گزر چکے، کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ دے گا اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا''۔

حضرت محمد ﷺ رسول ہیں جملے کی ساخت بتا رہی ہے کہ آپ کو بہر حال رسول ہی تسلیم کرنا ہے، یہ بھی یاد دلایا گیا کہ آپ سے پہلے رسول آتے رہے اور منصب رسالت کی ادائیگی کے بعد چلے گئے، بہت سے آئے، ایک دوسرے کے بعد آئے، ہر جانے والے کے بعد قوم منتشر ہوتی رہی اور پھر دوسرا نجات دہندہ تشریف لاتا رہا، مگر اب معاملہ اور ہے، اب کسی کو نہیں آنا، اب رسالت کا سلسلہ ختم ہے، اب ابد الآباد تک اسی رسول محترم ﷺ کو اپنا راہنما بنانا ہے، پھر سمجھا دیا کہ اگر آپ دنیا سے چلے بھی جائیں کہ یہ قانون قدرت ہے یا اگر آپ کسی غزوہ میں شہید ہو جائیں کوئی صورت بھی ہو کہ آپ دنیا کو خیر باد کہہ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائیں تو کیا پہلی قوموں کی طرح تم لوگ بھی واپس پھر جاؤ گے۔؟ متنبہ کر دیا گیا کہ ایسے پھرنے

marfat.com

والوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ تو ان کا اپنا نقصان ہے اور یہ کہ جو لوگ دین کو رحمت حق کہتے ہوئے شکر گزار بندے بنے رہیں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا و اجر ہے۔

صاف اور واضح لفظوں میں سمجھایا گیا کہ پہلوں کا معاملہ اور تھا، قومیں کسی اور کے انتظار میں لگ جاتی تھیں۔ دیکھ لو نصرانی اب تک انتظار کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں لیکن اس امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ ایسا نبی عطا فرمایا ہے، جس کی رسالت تا ابد ہے، موت یا شہادت، نبوت کی ہمہ گیری اور رسالت کے تسلسل کو ختم نہیں کر سکتی۔ یہ وجود گرامی ہر حال میں رسول ہے۔ دنیا میں نظروں کے سامنے ہو تو رسول قبر انور میں پردہ فرمالے تو رسول، روز حشر کا رسول، منصب شفاعت پر فائز رسول، یہ دائمی رسالت کا حامل رسول، اس لئے اعلان ہوا:

"مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ" (الفتح ۲۹) جس وجود مکرم کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے وہ بہر حال اور ہر طور رسول ہے۔

نبی محترم کا یہ منصب عطاء رب کریم ہے کہ رب العالمین نے آپ کو رحمت عالمین بنایا ہے، آپ کی اطاعت لازم ہے کہ اب امیدوں کا سہارا آپ کا در اقدس ہی ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: "اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت ہو اور اگر وہ لوگ کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا آپ کے پاس آ جائیں پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے

marfat.com

مغفرت چاہیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

جب ہر رسول اطاعت و فرماں برداری کا حق رکھتا ہے تو اس امام الانبیاء سید المرسلین ﷺ کا مقام کیا ہوگا؟ اس لئے ظلم و ستم سے آلودہ نفوس کو آپ کے در پر ہی حاضر ہونا ہے، در رسالت سامنے ہو پھر مغفرت طلب کریں اور اتنے خوش قسمت قرار پائیں کہ دست رحمت بھی ان کے لئے اٹھ جائے تو پھر بخشش ہی بخشش ہے، رحمت ہی رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے واحد معبود ہونے اور رسول اکرم ﷺ کے تنہا راہبر و راہنما ہونے کی گواہی ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس لئے راہ ہدایت کے مسافروں کو اپنی زندگی کے تمام مراحل میں رسول معظم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو ہی راہنما بنانا ہے اور ہر لمحہ یہ شہادت دیتے رہنا ہے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ: ”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) اس کے عبد اور اس کے رسول ہیں۔“

marfat.com

ارکان اسلام
الصلوٰۃ
(نماز)

# الصلوٰۃ (نماز)

صلوٰۃ کا لفظی معنی دعا، تسبیح، رحمت یا رحم و کرم کی تمنا ہے، درود پاک کو بھی صلوٰۃ، کہا جاتا ہے کہ یہ بھی رحمت و کرم کی تمنا کا اظہار ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق صلوٰۃ، ایک مخصوص اور معروف عمل ہے جو خاص اوقات میں اور مخصوص انداز سے ادا کیا جاتا ہے۔ صلوٰۃ یعنی نماز۔ ارکان اسلام میں دوسرا اور عبادات میں پہلا رکن ہے، اس کی بجا آوری ہر باشعور، بالغ مسلمان عورت ہو یا مرد پر فرض ہے۔

عبادت اعتراف عظمت کے ساتھ سراپا عجز کا اظہار ہے، عبادت کی کوئی صورت ہو اس میں معبود کی عظمت کا احساس ضروری ہے اور یہ بھی کہ عبدیت کے اعتراف میں مکمل سپردگی چاہئے اس لئے کہ یہی اظہار بندگی مقصد تخلیق ہے، خالقِ کائنات نے مقصد تخلیق کی وضاحت میں ارشاد فرمایا:

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ (الذٰریت: ۵۶)

ترجمہ: ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں''۔

جب خالق کائنات نے پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ پیدا ہونے والی مخلوق اس کی عبادت کرتی رہے تو مخلوق پر لازم ٹھہرتا ہے کہ اس مقصد تخلیق کو ہر لمحہ پیش نظر رکھے، اس سے مقصد کی تکمیل بھی ہوگی اور خالق کی رضا بھی حاصل ہوگی جو دنیاوی کامرانیوں اور اُخروی سعادتوں کی ضمانت ہے، عبادت رضائے الٰہی کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کا نام ہے اس لئے اس کی بجا آوری شریعت اسلامیہ کے احکام کی تعمیل سے ہی ممکن ہے یہی اس کی رضا کے حصول کا وسیلہ ہے کہ یہ ہمہ جہت فروتنی کا اظہار ہے۔ یہ اور دیگر عبادات مثلاً زکوٰۃ، صوم یعنی روزہ اور حج اپنی ظاہری کیفیات کے حوالے سے مختلف ہیں مگر ان سب کی روح ایک ہے اور وہ ہے خالق کے احکام کو تسلیم

marfat.com

کرنا اوراس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنا، تسلیم احکام اور غیر مشروط اطاعت، عبادات کی اساس ہے۔ عبادات میں سے بعض محدود اوقات اور مخصوص مقامات پر ادا ہوتی ہیں۔ مثلاً روزہ، رمضان المبارک میں اور حج مکہ مکرمہ میں مگر بعض زندگی میں مسلسل جاری رہتی ہیں جیسے نماز کہ یہ ایک مسلسل عمل ہے جو سن شعور سے تا دم مرگ لازم ہے۔ اس میں انقطاع نہیں اور اگر کہیں کوئی مجبوری ادائیگی میں حائل ہو بھی جائے تو قضا اس کے تسلسل کی علامت ہے۔ انسان اپنی مصروف زندگی سے بار بار چند لمحے نکالتا ہے اور حاضر دربار ہوتا ہے، اس سے حاضری کا خیال لگا تار دامنگیر رہتا ہے، نماز کے اوقات کو اسی حکمت کے تحت ترتیب دیا گیا ہے کہ محاسبہ نفس کا عمل مسلسل جاری رہے۔ دنیا کے اعمال میں مصروفیت اور دین کے تقاضوں کی بجا آوری میں انہماک، انسانی زندگی میں دنیا و دین کا مضبوط ربط پیدا کر دیتا ہے جس سے نیکی کے جذبوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے، بعض لوگوں پر یہ عمل ابتداء میں گراں ہوتا ہے مگر اس تسلسل اور اس پر استقامت ذوقِ عبادت کی افزائش کا سبب بنتے ہیں اور آخر یہ منزل بھی آ جاتی ہے کہ نماز کی تڑپ، بے چین رکھتی ہے، دنیا کے معاملات میں الجھے رہنے کے باوجود نماز کے انتظار میں حظ آنے لگتا ہے، یہی وہ کیفیت ہے جس کی بلند تر منزلت کا نبی اکرم ﷺ نے ذکر فرمایا:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (۱)

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

سمجھا دیا گیا کہ نماز وہ عبادت ہے جس سے سکون نصیب ہوگا، مادی وجود کو بھی فرحت حاصل ہوگی اور روحانی کیفیات کو بھی راحت و سرور ملے گا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں نماز کی محبوبیت کا ذکر ہے، اسلامی عبادات میں نماز کو اسی

---

(۱) اتحاف السادۃ المتقین ۵/۳۱۱

لئے مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ اس سے عبد اپنے معبود کے حضور حاضر ہونے کا لطف اٹھاتا ہے، یہ انتہا درجہ کی عاجزی، فروتنی اور خود سپردگی کی حالت ہے، انسان جب اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں تک لے جا کر تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو وہ عملاً یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اس نے ساری دنیا سے ہاتھ اٹھا لئے ہیں۔ وہ ہاتھ باندھ کر غلام ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ رکوع سے غرور اور سجدہ سے انا کا بت توڑ کر درِ الٰہی پر دستک دیتا ہے اور نظر کرم کا طلب گار ہوتا ہے۔ اطاعت شعار کا یوں سر جھکا کر سراپا نیاز ہو کر التجا کرنا در قبولیت کے وا ہونے کا وسیلہ بنتا ہے، دریائے رحمت کا جوش اپنی بے پناہ رحمتوں سے اس بندۂ عاجز کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے، یہ حضوری کا لمحہ ہوتا ہے، عجز کے اعتراف کے ساتھ حضوری کا قرب عجب بہار دکھاتا ہے، ایسی ہی سرمدی کیفیت کی نشاندہی کرتے ہوئے رحمت عالمین ﷺ نے فرمایا تھا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ. (۱) ''نماز تو مومنوں کی معراج ہے''۔

یہ بھی فرمایا گیا: ''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔'' (۲)

قرب آشنائی کا یہ لمحہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہو جاتا ہے جو آپ نے جبرائیل علیہ السلام کے سوال پر احسان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تو عمل کے حسین تر اظہار کا اس وقت اہل ہوگا جب تیری عبادت بلند تر منزلت پر فائز ہو جائے، ارشاد ہوا احسن عمل یہ ہے کہ

اَنْ تَعْبُدَ اللهَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ. (۳)

---

(۱) شرح سنن ابن ماجۃ ج ۱ ص: ۳۱۳

(۲) ابن حبان عن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳) صحیح البخاری کتاب الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان

marfat.com

ترجمہ: ''فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کر کہ جیسے تو اسے دیکھتا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ پاتا تو (پھر یوں عبادت کر کہ) بے شک وہ تجھے دیکھتا ہے''۔

حضوری کی یہ منزل کمالِ عبادت ہے، اس سے حاضر دربار رہنے کا احساس قوی رہتا ہے اور عبادت گزار کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا معبود یعنی خالق کائنات اس کے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے، مقام غور ہے کہ امام الانبیاء محبوب رب کائنات ﷺ جن کی ذات گرامی پر معصومیت فدا ہے، جو ہمہ وقت اپنے رب کی رحمت کے حصار میں ہیں اور جنہیں ہر لحہ الہامی روشنی حاصل ہے ان کے نزدیک نماز ''آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' تو ایک عام مومن کی تمنا کیا ہونی چاہئے، اگر محبوب کریم ﷺ کا ہر عمل اور ہر رویہ مومن کے لئے محبوب تر ہے تو مومن کی زندگی اطاعت شعاری کے فیضان سے مشرف کیوں نہ ہو اور نماز پر مداومت اس کی زندگی کا مطلوب کیوں نہ قرار پائے؟

نماز کی فرضیت کے حوالے سے یہ یاد رہنا چاہئے کہ اس کا حکم پانچ نمازوں کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے سفر معراج کے دوران میں ہوا اگرچہ نبی محترم ﷺ ابتداء سے ہی نماز ادا فرماتے تھے، طلوع فجر سے پہلے اور سورج کے غروب سے قبل کا ذکر سیرت نگاروں نے کیا ہے، (۱) سفر معراج کے ذکر میں نماز کی فرضیت کا تذکرہ اکثر روایات میں ہوا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں معراج کا تفصیلی ذکر ہے اس میں عروج کی منزلوں کے ذکر کے بعد ان الفاظ میں مکمل وضاحت موجود ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَفَرَضَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰی اُمَّتِیْ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً فَرَجَعْتُ بِذٰلِکَ حَتّٰی مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰہُ لَکَ عَلٰی

---

(۱) فتح الباری ج ۲ ص: ۵۳

marfat.com

أُمَّتِكَ فَقُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَاتُطِيْقُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ أُمَّتَكَ لَاتُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ. (۱)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کر دیں، میں اس کے ساتھ واپس لوٹا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: اس پروردگار نے پچاس نمازیں فرض کر دی ہیں، کہنے لگے: اپنے رب کے پاس واپس جائیے اس لئے کہ آپ کی امت ان کی طاقت نہ پائے گی، پس میں نے مراجعت کی پس اس نے ان کا ایک حصہ کم کر دیا، میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور میں نے کہا: پروردگار نے ان کا ایک حصہ معاف کر دیا ہے، وہ کہنے لگے: اپنے رب کے ہاں پھر مراجعت فرمائیں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہ پائے گی، میں نے مراجعت کی تو اس پروردگار نے ان کا ایک حصہ معاف کر دیا، میں ان کی طرف لوٹا، انہوں نے کہا: اپنے رب کی طرف پھر جائیے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہ پائے گی، پس میں پھر پروردگار کی طرف لوٹا، پروردگار نے فرمایا: یہ پانچ نمازیں ہیں اور یہ (دراصل) پچاس ہی ہیں، میرے پاس فیصلہ تبدیل نہیں ہوتا، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں لوٹ آیا تو انہوں نے کہا: اپنے رب کی جانب پھر لوٹیے، میں نے کہا: مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے''۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

marfat.com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

**فُرِضَتْ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِهِ الصَّلٰوةُ خَمْسِیْنَ ثُمَّ نُقِصَتْ حَتّٰی جُعِلَتْ خَمْسًا ثُمَّ نُوْدِیَ یَامُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُبَدَّلَ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَاِنَّ لَکَ بِهٰذَا الْخَمْسِ خَمْسِیْنَ. (۱)**

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ پر اس رات جب آپ کو اسراء کے لئے لے جایا گیا پچاس نمازیں فرض ہوئیں پھر کم کی گئیں حتیٰ کہ پانچ بنا دی گئیں، پھر پکارا گیا: اے محمد (ﷺ)! میرے ہاں فیصلے تبدیل نہیں کئے جاتے۔ آپ کے لئے ان پانچ کا اجر پچاس ہی کا ہے۔''

معراج مکہ مکرمہ کے قیام کے تقریباً آخری حصے میں ہوئی، یہ وہ دور تھا جب مکہ مکرمہ میں تبلیغ دین کو سخت مزاحمت کا سامنا تھا۔ ظلم و جور کا ہر حربہ آزمایا جارہا تھا، اس معاند فضا میں جناب ابو طالب کا وجود بہت بڑا سہارا تھا اور حرم نبوی کی استواری میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وجود وجہ امن و سکون تھا، مگر یہ دونوں چند ایام کے وقفے سے دنیا سے اٹھ گئے، یہ سال، عام الحزن کہلایا کہ غم کا سال تھا، ان صدمات کے بعد معراج کا سفر ہوا، تیئیس سالہ عہد تبلیغ کا یہ تقریباً نصف تھا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ آدھا عرصہ کفر کی یلغار اور شرک کی مخاصمت کا سامنا کیا، اب اسلام کا عروج شروع ہونے والا ہے، اسلام ایک طاقت کے طور پر سامنے آرہا ہے، معراج آسمان کا سفر عروج ہی نہ تھا زمین پر بھی عروج اسلام کا ابتدائیہ تھا۔

## نماز کا حکم۔ قرآن مجید میں

☆ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۝

(البقرۃ: ۴۳)

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء کم فرض اللہ علی عبادہ عن الصلوٰت

marfat.com

ترجمہ: ''اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔

☆ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ:۱۱۰)

ترجمہ: ''اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔''

☆ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝(الروم : ۳۱)

ترجمہ: اور تم نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ''۔

☆ حَافِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ ۝ (البقرۃ:۲۳۸)

ترجمہ: ''اور تم نمازوں کی حفاظت کرو اور نماز وسطیٰ (یعنی نماز عصر) کی اور کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے لئے ادب کرنے والے بن کر''۔

ان آیات میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی۔ نماز کے حوالے سے قیام کے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، یہ واضح انتباہ ہے کہ نماز کی عظمت کیا ہے اور اس کی پاسداری نہ کرنے والوں کا انجام کیا ہے؟ نمازوں کی حفاظت اور مکمل یکسوئی سے ادائیگی کے حکم کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ نماز کے لئے قیام، بے دلی، بے توجہی یا صرف روایت نبھانے کے لئے نہ ہو بلکہ مکمل توجہ، سراپا بیداری اور مکمل نیاز مندی کے ساتھ ہو، ادب شناسی ہر عمل سے ہویدا ہو، جھکنے ہی کی بات نہیں کھڑے ہونے میں بھی مکمل فروتنی کا اظہار ہونا چاہئے۔

نماز کی ادائیگی اور اس کی ہر حالت میں پاسدی کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ اسی پر اکتفا نہ کر لو کہ اسے صرف ذاتی عمل سمجھ کر مطمئن ہو جاؤ، نہیں نہیں اس عمل خیر کی عمدہ تر مثال کو معاشرے اور خاندان میں بھی جاری کرنا ہے اس لئے واضح حکم دیا گیا:

وَاۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا (طٰہٰ: ۱۳۲)

marfat.com

ترجمہ: ''اور تم اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر صبر و استقامت سے قائم رہو۔''

نماز کی ادائیگی کے حکم میں بارہا، اقامت، کا حکم استعمال ہوا تا کہ یہ حکم صرف فرد کے وجود تک محدود نہ ہو جائے بلکہ پورا معاشرہ اس اطاعت شعاری میں مجموعی طور پر شریک ہو جائے، نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق تو یہ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں میں نماز ادا کرنے کی عادت ڈالیں اور ابتدائی عمر سے ہی اس پر توجہ دیں، ارشاد ہوا:

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اِبْنَا سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اِبْنَا عَشَرَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ (۱)

ترجمہ: ''تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں اور اس پر ان کو سزا دو جبکہ وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے درمیان بستر الگ کر دو''۔

اس سے ثابت ہوا کہ بڑوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ چھوٹوں کو نماز کی پابندی کی ترغیب دیں اور اگر سن شعور پر بھی ترغیب مؤثر نہ ہو تو سختی کریں کہ ان کے مستقبل کو اطاعت شعاری کا ذوق عطا کرنا بڑوں کا فرض ہے اس لئے فرمایا گیا:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم : ٦)

ترجمہ: ''(اے ایمان والو) اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

اَهْلِيْكُمْ فرما کر تبلیغ کے مراحل کی ترتیب بھی واضح کر دی گئی کہ اس نیک عمل کو اپنے وجود کا حصہ بنانے کے بعد گھر والے دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی درست سمت راہنمائی کی جائے، رسول اکرم ﷺ کو بھی تبلیغ اسلام کی ابتداء قریبی رشتہ

---

(۱) سنن أبی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب یؤمر الغلام بالصلوٰۃ

marfat.com

داروں سے کرنے کی ہدایت فرمائی گئی کہ:

اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴)

یعنی ''اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرایئے''، تبلیغ کے اس فریضہ سے غفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ مسلمان معاشرہ اس طرح کا نقشہ پیش کر رہا ہے کہ دادا تہجد گزار ہے، باپ گاہے گاہے اسے رسم سمجھ کر نبھار ہا ہے مگر پوتا، لاپرواہ ہی نہیں نماز کی عظمت سے بے خبر بھی ہے، یہ بڑوں کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ آئندہ نسل کو دین کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت کریں اس لئے کہ نوجوان نسل ہی خاندان بلکہ قوم کا مستقبل ہے۔

## ☆ نماز کا ذکر مقام مدح میں

قرآن حکیم میں جب نیکی کے حوالے سے اصحاب خیر کا ذکر کیا تو ان کے اعمال حسنہ کے تذکرے میں یہ بھی شامل فرمایا کہ ان مردان خیر میں سے ہر ایک کی حالت یہ ہے کہ

☆ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (البقرۃ: ۱۷۷)

''اس نے نماز قائم کی اور زکواۃ ادا کی''۔

ان عاملین حسنات کے بارے میں ارشاد ہوا:

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَلَاخَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ (البقرۃ: ۲۷۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں اجر ہے، ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

marfat.com

معلوم ہوا، اعمال حسنہ خصوصاً نماز کے قیام اور زکواۃ کی ادائیگی پر اجر ہے اور ایسے لوگ ہر خوف وحزن سے محفوظ ہیں۔

☆ اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۝ (الانفال: ۳)

ترجمہ: ''(ایمان والے وہ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں''۔

اور اصحاب تسلیم ورضا، ایمان والوں کا تذکرہ اس حوالے سے کیا گیا کہ

☆ وَهُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۝ (الانعام: ۹۲)

ترجمہ: ''اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں''۔

نماز کا عمل اس قدر روحانی منزلت کا حامل ہے کہ اس سے استعانت کا حکم دیا گیا، ارشاد ہوا:

☆ وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّهَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ۝

(البقرۃ: ۴۵)

ترجمہ: ''اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو خشوع کرنے والے ہیں''۔

نماز کا قیام اور حضور دل کے ساتھ اس پر مداومت بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ کوئی آسان منزل نہیں، بوجھ کا احساس زیر بار رکھتا ہے مگر وہ لوگ جن کے دل خشوع کے مرکز ہیں جنہیں اپنے خالق و مالک کے سامنے جھکے رہنے کی عادت ہے ان کے لئے یہ مرحلہ آسان بلکہ دلنواز ہے، ایسا ہی ذکر سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۳ میں بھی ہوا۔ نماز کے ذکر کے ساتھ صبر کا بھی بیان ہوا اس لئے کہ صبر ایک قوت ہے، ایک اعتماد ہے اور خالق و مالک کی ذات پر مکمل یقین ہے، صبر کی قوت کے ساتھ سر سجدوں میں جھک جائیں اور کوئی معصیت نیاز مندی کے ان جذبوں کو مدہم کرنے نہ پائے تو

marfat.com

سجدے لذت آفریں ہوتے ہیں، حضوری کی خواہش ہر خواہش پر غالب آ جاتی ہے اور نماز کا انتظار کیف آور ہو جاتا ہے، یہ منزل نصیب ہو جائے تو نماز، دعاؤں کو مرکز بن جاتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جذبہ تسلیم ورضا ایسی ہی دعا کی شکل اختیار کر گیا تھا اس لئے ان کے دل کی تڑپ ان لفظوں میں ڈھل گئی تھی:

☆ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (ابراھیم: ۴۰)

ترجمہ: ''اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری اولاد کو بھی (ایسا ہی بنادے)''۔

نماز کی عظمت سے آگہی حاصل ہو جائے تو مردان حق اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے نماز پر قائم رہنے کی مسلسل دعائیں کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں میں گزری، قدم قدم پر مصائب نے راستہ کاٹا مگر خلیل اللہ علیہ السلام کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، یہ دعا آپ کے تجربات کا حاصل اور استقامت کی مظہر ہے، اللہ کرے ہر صاحب ایمان کو اس استقامت کی خیرات حاصل ہو جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر نبوت و رسالت کی ذمہ داری تفویض کی جا رہی تھی تو ایسی ہی نصیحت کی گئی کہ اے کلیم (علیہ السلام)

☆ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ (طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ: ''اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی، نماز کے فیضان سے بارآور ہوتا ہے، یہ جو بعض لوگ دینداری کا دعویٰ رکھتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ہر دم ذکر الٰہی ہی میں ہوتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے، ان کو اس فرمان الٰہی سے متنبہ ہو جانا چاہئے کہ ذکر نماز کا لاحقہ تو ہو سکتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں، خالق کو یاد رکھنے کے لئے اللہ اکبر کی ضربیں بے شک لگایئے مگر یہ نہ بھولئے کہ نماز سب سے بڑا ذکر ہے، ذکر کو نماز کی پناہ

marfat.com

حاصل نہ ہوتو یہ بے توفیق عمل ہے، اللہ تعالیٰ فکر کی راستی عطا فرمائے تاکہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہا جاسکے۔

## نماز کی تاکید۔احادیث کی روشنی میں

احادیث کی کثیر تعداد، نماز کی فرضیت، اہمیت اور اس حوالے سے احکام و مسائل پر مشتمل ہے، کسی مجموعہ حدیث پر نظر ڈالئے، کتاب الصلوٰۃ یا ابواب الصلوٰۃ کے زیر عنوان نماز ہی کا ذکر ہے، اگر قرآن مجید نے احکام عبدیت میں سب سے زیادہ تذکرہ نماز کا کیا ہے تو رسول اکرم ﷺ کے ارشادات میں بھی نماز کو ہی مرکز عبادات کا درجہ حاصل ہے، روایات کی حیرت انگیز کثرت سے صرف چند احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

☆ حدیث جبریل علیہ السلام جس کا پہلے حوالہ دیا گیا واضح کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ اسلام کیا ہے، نماز ہی کو عبادات کا سرنامہ بنایا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر بھی ہو چکا کہ اس میں اسلام کی بنا جن پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے اس میں بھی اولین تذکرہ نماز ہی کا ہے۔

☆ سفر معراج سے متعلق احادیث میں نماز کی فرضیت کا واشگاف الفاظ میں ذکر ہے، اس سلسلے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں، ان میں پچاس سے پانچ تک کی تخفیف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس سلسلہ میں اصرار چشم کشا ہے اور یہ کہ آخری بار نبی رحمت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے، امت کے لئے ایک سبق ہے کہ رحمت عالمین ﷺ نے اس تعداد سے کم کرنے کی ہر صورت کو مسترد کر دیا ہے اور حکم رب کو دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے، یہ بھی احساس رہنا چاہئے کہ پانچ، پچاس کا بدل ہیں اس لئے ان پانچ نمازوں کو پچاس کے

marfat.com

اجر کا حامل سمجھ کر ان کی طرف سبقت کرنی چاہئے۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا:

☆ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (۱)

ترجمہ: ''بندے اور شرک وکفر کے درمیان امتیاز نماز کا ترک کرنا ہی ہے۔''
یعنی بندہ جب تک نماز کا پابند رہتا ہے بندگی کی حد میں ہوتا ہے، نماز کا ترک کر دینا اس حد کو توڑتا ہے اور بندے کا کفر سے فاصلہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی مفہوم کی حدیث سنن النسائی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فیمن ترک الصلوٰۃ میں بھی موجود ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اَوَّلُ مَايُحَاسَبُ النَّاسُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ اَعْمَالِهِمُ الصَّلٰوةُ (۲)

ترجمہ: ''قیامت کے روز لوگوں سے ان کے اعمال میں سب سے اول حساب نماز کا لیا جائے گا''۔

☆ یہی حدیث معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ جامع الترمذی میں بھی موجود ہے (۳) جبکہ سنن انسائی میں اس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ:

☆ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ'' (۴)

ترجمہ: ''پس اگر نماز کا معاملہ درست ٹھہرا تو وہ بندہ فلاح ونجات پا گیا اور یہی معاملہ بگڑ گیا تو وہ نامراد اور خسارہ پانے والا ہوا''۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علی تارک الصلوٰۃ
(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب قول النبی ﷺ کل صلوٰۃ لا یتمہا صاحبہا تتمم من تطوعہ
(۳) سنن الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء ان اول یحاسب العبد یوم القیامۃ الصلوٰۃ
(۴) سنن النسائی، کتاب الصلوٰۃ باب المحاسبۃ علی الصلوٰت

marfat.com

ان روایات سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فرائض میں سب سے اولین اس کی حیثیت ہے، ظاہر ہے کہ امتحان کی پہلی منزل کامیاب ہے تو نجات کی نوید ہے وگرنہ پہلے قدم کی لغزش کس قدر مہلک ہوگی۔

روز محشر کہ جانگداز بود............اولین پرسش نماز بود (شیخ سعدیؒ)

اسی اہمیت کے حوالے سے بار بار تاکید بھی کی گئی اور ترک نماز پر وعید بھی سنائی گئی، یہاں تک کہ، ارشاد ہوا:

☆ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ جِهَاراً. (۱)

ترجمہ: ''جس نے ارادۃً نماز چھوڑی اس نے برملا کفر کیا۔''

ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ ''الصلوٰۃ'' سے کون سی نماز مراد ہے فرمایا:

لَاتَتْرُکْ صَلَاۃً مَّکْتُوبَۃً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّۃُ (۲)

ترجمہ: ''فرض نماز کو ارادۃً نہ چھوڑو کہ جس نے اسے ارادۃً چھوڑ دیا اس سے پناہ کی ذمہ داری اٹھ گئی۔''

ان احادیث کا لہجہ بتا رہا ہے کہ نماز پر کس قدر محافظت ضروری ہے۔ انسان کس حد تک بدانجامی کو دعوت دیتا ہے جب وہ ان صریح احکام سے روگردانی کرتا ہے۔ ان لوگوں پر تو حیرت بالائے حیرت ہے جو جنت میں داخلے کے صرف دعوے دار ہی نہیں جنت کی بشارتیں اور راہ داریاں تقسیم کر رہے ہیں، تارک نماز ہو کر تقویٰ اور نجات کا دعویٰ فریب خوردگی نہیں تو کیا ہے؟ تعجب ہے ایسے دیدہ دلیر انسانوں کو ضمیر کی

---

(۱) الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ عنہ

(۲) سنن ابن ماجۃ کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء

marfat.com

خلش تک نہیں ہوتی۔ یہ برملا کفر کا رویہ ہے اور سخت وعید کا مستوجب بنا تا ہے۔

نماز کی برکات اور اہمیت کا حوالہ دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ وَالزَّکٰوۃُ بُرْھَانٌ. (۱)

ترجمہ: نماز نور ہے اور زکوٰۃ برہان۔ مزید فرمایا:

☆ اَلصَّلٰوۃُ بُرْھَانٌ وَّالصَّوْمُ جُنَّۃٌ حَصِیْنَۃٌ (۲)

ترجمہ: نماز برہان ہے اور روزہ محفوظ ڈھال ہے۔ اور فرمایا:

☆ اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِیَآءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّۃٌ لَکَ وَعَلَیْکَ (۳)

ترجمہ: نماز نور ہے، صدقہ برہان ہے، صبر روشنی ہے اور قرآن تیرے حق میں اور تیرے خلاف حجت ہے۔

ان احادیث میں نماز کو نور بھی کہا گیا اور برہان بھی، یہ نور ہی تو ہے جو بندے کو خالق کے حضور حاضر ہونے کی راہ دکھاتا ہے اور یہ برہان ہی ہے کہ تسلیم ورضا کی ضمانت اور بندگی کی دلیل ہے۔ اسی لئے نماز کو افضل ترین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اعمال میں افضل عمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا نماز جو وقت پر ادا کی جائے، فرماتے ہیں:

☆ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا (۴)

---

(۱) سنن النسائی باب الزکوٰۃ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ

(۲) سنن الترمذی کتاب الجمعۃ باب ماذکر فی فضل الصلوٰۃ

(۳) صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب فضل الوضوء

(۴) صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ تعالٰی افضل الایمان

marfat.com

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل افضل ہے فرمایا: وقت پر نماز۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نمازوں کی فرضیت کو اوقات کے ساتھ مربوط کیا تھا، ارشاد ہوا:

☆ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا O (النساء: ۱۰۳)

ترجمہ: ''بے شک نماز مومنوں پر مقرر وقت کے ساتھ فرض ہے۔''

اس سے واضح ہو گیا کہ نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس میں پابندی احکام کا اس درجہ اہتمام ہے کہ اوقات کا بھی تعین کر دیا گیا، اس سے بجا آوری کا شعور پیدا ہوتا ہے اور دل و دماغ پر فرمان کی عظمت نقش ہوتی ہے، یہ اس لئے ہوا کہ نماز درحقیقت مسلمان کی وہ شناخت ہے جس کے ذریعے اس کا ملی تشخص قائم ہوتا ہے، یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جس کا ادراک ہر کلمہ گو کو رہنا چاہئے، یہ یقین ہی سب سے بڑی دولت ہے کہ وہ خالق و مالک کے حضور حاضر ہے عملاً یا انتظار کی صورت ہے، نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد، نماز کی اسی حیثیت کی وضاحت کرتا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ .(۱)

ترجمہ: ''نماز دین کا ستون ہے''۔

کہ اس پر دین کی عمارت قائم ہے، معلوم ہوا کہ دین کا قیام نماز کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس سے ان دعووں کی تردید ہو گئی جن میں نماز کو ذاتی مسئلہ یا انفرادی عمل قرار دیا جاتا ہے اور اسلامی معاشرہ کا وہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا جو فرد و اجتماع کی تربیت و تہذیب کے حوالے سے اسے عطا کیا گیا ہے، اگرچہ تمام فرائض خصوصاً وہ

---

(۱) البیہقی: شعب الایمان ج ۲ ص: ۳۹ و کنز العمال ج ۷ ص:

marfat.com

جن کو ارکان کہا گیا، اہمیت کے حامل ہیں مگر نماز کو اک گونہ شرف اور افضلیت حاصل ہے، اسی لئے کہا گیا کہ جس نے نماز کو قائم کیا اسی نے اس عمارت کو قائم رکھا اور جس نے نماز کے اس ستون کو گرا دیا تو گویا اس نے اسلام کی پوری عمارت کو ڈھا دیا۔ نماز دراصل وہ خشت اول ہے جو بنیاد کی استواری کا سبب ہے، تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں نماز ہی وجۂ شرف رہی ہے، ہر دور اور ہر عہد میں اقامت صلوٰۃ مسلمان امت کا فرض رہا اور حکومت وقت کو اس کی ادائیگی کے لئے تمام قوت بروئے کار لانا پڑی، عظمت و شرافت کا معیار بھی نماز ہی رہی اور قرب الٰہی کی تمنا بھی اس حوالے سے بار آور ہوتی رہی، نبی اکرم ﷺ کو اس افضل عبادت کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ جب دنیا سے پردہ فرما رہے تھے تو آخری نصیحت کے طور پر اسی کا ذکر فرما رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

☆ كَانَ اٰخِرَ كَلَامِ النَّبِيِّ ﷺ اَلصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۱)

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ نے جو سب سے آخری کلام فرمایا وہ تھا نماز، نماز اور یہ کہ تم اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا“۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ گواہ ہے کہ آپ نماز کی ادائیگی میں سکون پاتے تھے۔ غار حراء کی تنہائیاں ہوں یا مکہ مکرمہ کی معاند فضا، سجدہ ریزی کا ذوق ہمیشہ قائم رہا، طلوع فجر سے قبل اور غروب آفتاب سے قبل کو ذکر کیا جا چکا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع میں ہر نماز دو رکعت کی تھی۔ پھر بعض کو چار رکعت کر دیا گیا اگرچہ سفر میں وہی تعداد قائم رہی (۲) رسول رحمت ﷺ کا ذوق عبادت

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک

(۲) سنن النسائی: کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ

marfat.com

کس عظمت کا حامل تھا اس کا اندازہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّی حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَصْنَعُ ھٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (۱)

ترجمہ: ''کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم زخمی ہو جاتے، آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ یہ کچھ کر رہے ہیں حالانکہ آپ کے لئے بخشش ہی ہے کہ آپ پر اگلا پچھلا کوئی گناہ نہیں، آپ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا شوق نماز محسوس کیا جا سکتا ہے، اگر ایک معصوم وجود، نماز میں اس قدر مشغول رہنے کو شکر گزاری قرار دیتا ہے تو عام لوگوں کو کس قدر نماز کا شیدا ہونا چاہیے، سچ ہے نماز ایک سعادت ہے اور سعادتیں ہر ایک کا حصہ نہیں ہوتیں۔

درج بالا آیات اور احادیث سے نماز کی فرضیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ کہ ہادیٔ کل ﷺ کو نماز سے کس قدر محبت تھی، آپ عرش عظیم سے یہ تحفہ لائے اور زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے اور ہر امتی کو اس کی تاکید فرماتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی آخری نصیحت نماز کی ہی فرمائی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ نماز عبدیت کا عملی اظہار ہے، یہ بندے اور معبود کے درمیان ایک تعلق کا مظہر ہے، اور یہ وہ عبادت ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اسی لئے یہ فرد پر بھی لازم ہے اور اجتماع پر بھی، اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کرے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبی ﷺ حتی ترم قدماہ

marfat.com

☆ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج :۴۱)

ترجمہ: ''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکن یعنی قرار کی قوت دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں، اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تمام کاموں کا انجام''۔

زمین کے کسی خطے پر بھی سروری و سرداری نصیب ہو جائے تو برسر اقتدار طبقہ پر فرض ہے کہ وہ نماز کے قائم کرنے کی سعی کریں، زکوٰۃ وصول کریں اور حق داروں تک پہنچائیں، نیکی کے فروغ کا حکم دیں اور بدی کی ہر صورت کو روکنے کی کوشش کریں، ان لوگوں کو ہر لحہ یہ یاد رہنا چاہئے کہ حکومت واقتدار ان کا استحقاق نہیں چندروزہ امانت ہے اور یہ کہ ہر معاملے کا نتیجہ پروردگار عالم کے ہاتھ ہی میں ہے، یہ آخری انتباہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اقتدار کو دائمی سمجھ کر من مانی کرنے لگتے ہیں۔

## نماز کی برکات

نماز، اطاعت الٰہی کا سب سے موثر اور عمدہ اظہار ہے، نماز کی پابندی نفس میں تعمیل حکم کا میلان پیدا کرتی ہے، تقویٰ جو مطلوب انسانیت ہے، نماز سے اس کی افزائش ہوتی ہے۔ بندے کو حق سے قرب کی لذت حاصل ہوتی ہے، عاجزی کی عادت مستحکم ہوتی ہے، جسم کو پاک رکھنے کی تحریک ہوتی ہے، پابندی وقت کا شعور اجاگر ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی میں قرینہ، حرکات میں نظم اور رویوں میں متانت آجاتی ہے، قرآن مجید نے نماز کے اثرات کا بڑے نمایاں طور پر ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

☆ اُتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ط اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴۵)

marfat.com

ترجمہ: ''پڑھیے جو آپ کی طرف کتاب میں سے وحی کیا گیا اور نماز قائم کریں۔ بے شک نماز، بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

تاکید کے ساتھ واضح لفظوں میں نماز کی معاشرتی سطوت کا ذکر ہوا، بے حیائی، کردار کی ناپختگی اور عادات کی ناہمواری کی اصلاح نماز میں ہے، ہر وہ بدی جو ذوق سلیم پر گراں گزرے نماز کی برکات سے دور ہو جاتی ہے کہ بہر حال ذکر الٰہی کو سربلندی حاصل ہے، اسی لئے نماز پڑھنے والوں کو سوچنا ہوگا کہ نماز تو ایک دفاعی حصار ہے جس کی موجودگی میں ہر قسم کی برائی روکی جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ کر ایسا نہیں ہوتا تو فرمان الٰہی کا مفہوم کیا ہے؟۔ کیا ایسا تو نہیں کہ نماز اپنی اصلی صورت میں وقوع پذیر ہی نہیں ہو رہی۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام حرکات کو جانتا ہے، خرابی کہاں ہے اسے خبر ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ انسان خود ہی اس کوتاہی کا ازالہ کرلے اور نماز کی برکات سے فیض یاب ہونے کی توفیق پائے۔

برکات نماز کا ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ اَرَأَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَاتَقُوْلُ ذٰلِكَ یُبْقِی مِنْ دَرَنِهٖ قَالُوْا لَایُبْقِی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئًا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوٰاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللهُ بِهَا الْخَطَایَا. (۱)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، فرماتے تھے: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم سے کسی کے دروازے پر دریا ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، تو کیا کہتے ہو کہ کیا اس کی میل میں کچھ باقی

---

(۱) صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب الصلوٰت الخمس کفارۃ للخطایا

marfat.com

رہ جائے گا؟ کہنے لگے: اس کی میل سے کچھ نہ رہے گا، فرمایا: ایسی ہی پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعے خطائیں مٹادیتا ہے"۔

نماز دراصل پانچ مرتبہ ظاہری پاکیزگی کا اہتمام بھی ہے اور باطنی طہارت کا ذریعہ بھی، اس کی مکمل ادائیگی ظاہر و باطن کو پاک کرتی ہے، انسان یوں محسوس کرنے لگتا ہے جیسے گناہ کی غلاظت اس کے پاس آئی ہی نہ تھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے وضو کیا اور خوب کیا پھر وہ کھڑا ہوا اور اس نے دو رکعت یوں پڑھیں کہ اس کا دل اور چہرہ متوجہ رہا، اس کیلئے جنت واجب ہوئی۔ (۱)

بعض احادیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کے وہ تمام گناہ بخش دیئے گئے جو اس نماز اور دوسری نماز کے درمیان کئے گئے تھے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز محافظ بھی ہے، پاک کرنے والی بھی ہے اور سابقہ گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

## نماز کے تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھنے پر وعید

نماز کو پورے آداب اور عبدیت کے تقاضوں کے ساتھ ادا کرنا چاہئے تاکہ اس کے عمدہ اثرات مرتب ہوں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو نماز اپنی برکات سے فیض یاب نہ کرے گی بلکہ متعدد نقصانات کا خطرہ پیدا ہو جائے گا، ان خطرات کی قرآن مجید نے نشاندہی کی ہے، ارشاد ہوا:

☆ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ (الماعون: ۴ تا ۶)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب الذکر المستحب عقب الوضو

(۲) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل الوضوء

marfat.com

ترجمہ": خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں"۔

نماز سے غافل ہیں کہ دربار الٰہی کی نزاکتوں کو نہیں جانتے، صرف معاشرتی دباؤ کی وجہ سے نماز کا بہانہ کرتے ہیں۔ یہی وہ بے خبری ہے جو بندے کو نماز کی برکات سے محروم کر دیتی ہے، یہ منافقوں کی سی نماز ہے کہ وہ بھی مجبوراً مسلمانوں کی صفوں میں کھڑے ہو جاتے تھے مگر ان کے بارے میں فیصلہ یہی ہے کہ

☆ وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (التوبة: ۵۴)

ترجمہ: "اور وہ نماز میں نہیں آتے مگر تھکے تھکے، سست سست"۔ مزید ارشاد ہوا:

وَاِذَا قَامُوْآ اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يرآءُ وْنَ النَّاسَ (النساء: ۱۴۲)

ترجمہ: "اور وہ جو نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے تھکے اٹھتے ہیں، لوگوں کے لئے دکھلاوا کرتے ہیں۔"

اس لئے ان کا دل نماز میں نہیں لگتا، نماز مکمل توجہ چاہتی ہے اس میں پوری شعوری حالت درکار ہوتی ہے اور اگر شعور بیدار نہیں تو نماز کا عمل صرف دکھاوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نشہ کرنے والے بے خبروں کو نماز کے قریب آنے سے روک دیا کہ وہ لوگ حاضری دربار کے اہل نہیں ہیں، ارشاد ہوا:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء: ۴۳)

ترجمہ: "اے ایمان لانے والو، نماز کے قریب نہ جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو"۔

یہ لوگ ایمان والے ہیں! نماز ان پر فرض ہے مگر چونکہ آداب نماز اور مقام بندگی سے بے خبر ہیں اور انہیں حواس پر قابو نہیں اس لئے حکم دے دیا گیا تم نماز کے قریب نہ آؤ، کس قدر محرومی ہے کہ قربت خداوندی سے محروم ہو گئے، اس سے نشہ کی

marfat.com

ذلت اور محرومی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نماز ہر مسلمان پر فرض ہے جو بالغ ہو چکا ہو، بیان کیا جا چکا کہ اسلامی معاشرے میں اور مسلمان گھرانے میں یہ لازم ہے کہ بچہ یا بچی سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی باقاعدہ ترغیب دی جائے، اگرچہ مسلمان گھرانوں کا ماحول خود ایک تحریک بنے گا اور بچوں کو بڑوں کے عمل سے ایک اشتیاق وولولہ ملے گا، یہ تربیت کا دورانیہ والدین اور بزرگوں سے خاص توجہ کا تقاضا کرتا ہے۔ دس سال کی عمر ہو جائے تو تربیت کی گرفت مضبوط ہو جانی چاہیئے، مسلمان ہو، بالغ ہو اور عقل وشعور والا ہو تو نماز کی ادائیگی ضروری ہے، کوتاہی اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور مسلسل بے اعتنائی عذاب کو دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نماز کو ادا کرنے کی توفیق دے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی قوت عطا فرمائے۔ آمین،

## نماز کی شرائط:

نماز کی فرضیت، اہمیت اور عظمت کا احساس تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ادائیگی کا اہتمام ہو، اس لئے لازم ہے کہ ان شرائط کو پیش نظر رکھا جائے جو نماز کی کامیاب ادائیگی کے لئے ضروری ہیں، دین مبین نے اس سلسلے میں واضح راہنمائی مہیا فرمائی ہے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحت نماز کی شرائط یہ ہیں:

۱۔ طہارت ۔۲۔ ستر ۔۳۔ قبلہ رخ ہونا ۔۴۔ وقت ۔۵۔ نیت ۔۶۔ تکبیر تحریمہ

ان شرائط کا مطالعہ اور ان کی پابندی ضروری ہے تا کہ نماز کی ادائیگی میں کوئی بے یقینی نہ رہے۔

### ۱۔ طہارت

حدیث مبارک ہے، مفتاح الصلوۃ الطھور (۱)

ترجمہ: نماز کی کنجی طہارت ہے۔

---

(۱) سنن أبی ابوداؤد کتاب الطھارۃ باب فرض الوضوء

marfat.com

طہارت یعنی پاکیزگی کا دائرہ نمازی کے وجود سے اور نماز کی ادائیگی میں شریک تمام اشیاء تک کو محیط ہے مثلاً یہ کہ نمازی کا جسم پاک ہو، لباس پاک ہو، وہ جگہ پاک ہو جہاں پر نماز ادا کی جارہی ہے، جسم کی طہارت یہ ہے کہ اس پر کوئی نجاست نہ ہو، نجاست دو طرح کی ہے ایک وہ جو جسم پر نظر آرہی ہو، دوسری وہ نجاست جو بظاہر جسم پر نظر نہ آئے مگر شریعت اسلامیہ کے فیصلے کے مطابق نجاست قرار دی گئی ہو۔ جیسے انسان کے جسم سے ہوا خارج ہونا یا غلاظت الگ ہونا کہ وہ بے وضو ہو جائے یا اس پر غسل واجب ہو جائے۔ ان صورتوں میں وضو یا غسل انسانی جسم کی طہارت کا ذریعہ ہیں۔

کپڑوں پر غلاظت ہو تو ان کو دھونا ضروری ہے، یہ ضرور خیال رہے کہ پانی جس سے کپڑا دھویا جارہا ہے پاک ہو اور غلاظت کو صاف کرنے کی مقدار کا ہو، جگہ جہاں نماز ادا کی جائے پاک ہونی چاہیئے، اس پر بظاہر کوئی گندگی نہ ہو اور یہ کہ اگر کسی وقت وہ جگہ ناپاک تھی یعنی اس پر غلاظت تھی تو وہ صاف کر دی گئی ہو، یاد رہے کہ سورج کی دھوپ زمین کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے بشرطیکہ وہاں غلاظت جو واضح نظر آرہی ہو موجود نہ ہو، ایسی جگہ جہاں بت ہوں یا وہاں بت پرستی ہو رہی ہو وہاں نماز نہ پڑھنی چاہیئے کہ وہ جگہ سجدہ گزاری کے لئے مناسب نہیں ہے۔ انسانی جسم کی پاکیزگی کا ذریعہ وضو یا غسل ہے اس لئے ان کی کچھ وضاحت اور تفصیل پیش کی جارہی ہے:

## وضو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ لاتقبل صلوٰۃُ من اَحْدَثَ حَتَی یَتَوَضأ (۱)

ترجمہ: یعنی اس کی نماز قبول نہیں ہوگی جو بے وضو ہو جب تک وہ وضو نہ کرے۔

وضو طہارت کا وہ حکمی طریقہ ہے جو اسلامی تعلیمات کی شناخت اور امتیاز ہے، وضو اس ناپاکی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے جسے فقہی اصطلاح میں حدث کہتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الوضو باب لاتقبل الصلوٰۃ بغیر طہور

marfat.com

## حدث کی صورتیں یہ ہیں

جسم سے پیشاب یا پاخانہ کا نکلنا، ہوا کا خارج ہونا، بے ہوش ہو جانا، منہ بھر کر قے کرنا یا سو جانا۔ ان کے ازالہ کے لئے وضو لازم ہے، وضو سے حدث کی یہ صورتیں باقی نہیں رہتیں اور نماز کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ حدث نہ ہو،

اس لئے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جائے تو وضو لازم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

(المائدۃ: ٦)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور دھو لو اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک‘‘۔

اس آیت کریمہ سے وضو کے لازمی حصوں کا بیان ہوا، بیان حکم کی شکل میں ہے اس لئے اس کی تعمیل لازم ہے۔ اسی بنا پر ان کو فرائض کہتے ہیں، ان فرائض کی مکمل ادائیگی کی تفصیل احادیث میں موجود ہے:

## فرائض وضو

آیت کریمہ کی روشنی میں وضو کے فرائض چار ہیں:

۱۔ منہ کا دھونا: منہ میں کیا کیا شامل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک جس میں ٹھوڑی ہر جانب سے شامل ہو اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک منہ کہلاتا ہے، ان تمام اعضاء کا مکمل دھونا وضو کے فرائض میں ہے۔ داڑھی کا خلال یعنی گیلی و تر انگلیوں کو بالوں میں پھیرنا بھی لازم ہے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا اس طرح دھونا کہ انگلیوں کے

marfat.com

درمیان کا بھی کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔

۳۔ سر کا مسح کرنا: پانی سے تر ہاتھوں کو سر پر پھیرنا، کم سے کم چوتھائی سر کا مسح وضو کے لئے کفایت کرتا ہے۔

۴۔ دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا: انگلیاں، پاؤں کا نچلا حصہ اور ٹخنوں کا کوئی گوشہ دھونے سے رہ جائے تو وضو مکمل نہیں ہوتا۔

ان چار فرائض کو احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے کہ کسی ایک میں خامی یا کوتاہی رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔

## سنن وضو

نبی اکرم ﷺ کے عمل سے جو سنتیں، وضو کے حوالے سے روایت ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں: (۱)

۱۔ نیت کرنا کہ وضو کرنے لگا ہوں۔

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کرنا۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا۔

۴۔ تین بار کلی کرنا اور مسواک کرنا۔

۵۔ تین بار ہاتھ میں پانی لے کر ناک تک چڑھانا۔

۶۔ بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

۷۔ داڑھی کا خلال کرنا۔

۸۔ پورے سر کا مسح کرنا۔

۹۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۱۰۔ کانوں کا مسح کرنا۔

---

(۱) تفصیل کے لئے صحیح البہاری جلد اول ص ۱۳۱ تا ۸۷

marfat.com

۱۱۔ پے در پے یعنی مسلسل وضو کرنا کہ پہلا عضو سوکھنے نہ پائے۔

۱۲۔ ترتیب قائم رکھنا اور ہر عضو کو تین بار دھونا۔

## مستحبات وضو

مستحب اس عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر اجر ملتا ہے لیکن اگر رہ جائے تو مواخذہ نہیں ہوتا، یوں سمجھئے یہ مزید اجر کے مواقع ہیں جس کیلئے نیکی کی خواہش رکھنے والے کو ضرور توجہ دینی چاہئے۔ مستحبات میں سے کچھ درج کئے جارہے ہیں:

۱۔ وضو کرتے وقت قبلہ رخ ہونا۔

۲۔ پاک اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔

۳۔ پانی بہاتے وقت ہر عضو پر ہاتھ پھیرنا۔

۴۔ کسی کی مدد کے بغیر خود پانی حاصل کرنا۔

۵۔ وقت نماز سے پہلے وضو کر لینا اور اطمینان سے کرنا۔

۶۔ وضو کرتے وقت دنیاوی گفتگو سے اجتناب کرنا۔

۷۔ گردن کا مسح کرنا۔

۸۔ وضو کا بچا ہوا پانی ہو تو اس سے کچھ کھڑے ہو کر پی لینا۔

۹۔ انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ کو حرکت دینا کہ جسم خشک نہ رہ جائے۔

۱۰۔ منہ دھوتے وقت دونوں ہاتھوں کو شامل کرنا۔

۱۱۔ وضو مکمل کر کے کلمہ شہادت پڑھنا اور یہ دعا پڑھنا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ. (۱)

ترجمہ: اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں کر دے اور مجھے پاک و مطہر لوگوں میں سے کر دے۔

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الطہارۃ باب مایقال بعد الوضوء

marfat.com

## نواقض وضو یعنی وہ اعمال جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

۱۔ پاخانہ یا پیشاب کرنا یا ان مقامات سے کچھ خارج ہونا۔

۲۔ ریح کا پیچھے سے خارج ہونا۔

۳۔ خون یا پیپ کا بدن سے اتنا نکلنا کہ بہنے لگے۔

۴۔ منہ بھر کر قے کرنا۔

۵۔ سہارے کے ساتھ یا لیٹ کر سو جانا کہ بغیر سہارے بیٹھے ہوئے اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۶۔ بے ہوش ہو جانا۔

۷۔ نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا۔

وہ بیمار جس کی ریح خارج ہوتی رہتی ہے یا پیشاب کے قطرے گرتے رہتے ہیں وہ ایک مرتبہ وضو کر کے پوری نماز ادا کر لے ہاں دوسری نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔

## وضو کا طریقہ

وضو کا ارادہ کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ درج ذیل ترتیب اور طریقہ کا اہتمام کرے:

۱۔ وضو کی نیت کرے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو ہاتھ اور کلائی کے جوڑ تک تین بار دھوئے۔

۳۔ کلی کرے یعنی منہ میں پانی ڈالے اور منہ کے اندر حلق تک پانی پہنچائے، یہ عمل تین بار کرے، مستحسن ہے کہ مسواک کر لے۔

۴۔ ناک میں تین بار پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے۔

marfat.com

۵۔ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سارا منہ تین بار دھوئے، اس طرح کہ کوئی حصہ یا جگہ خشک نہ رہ جائے، داڑھی کا گیلی انگلیوں سے خلال کرے۔

۶۔ دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک دھوئے، ترتیب یہ رہے کہ پہلے دایاں ہاتھ اور پھر بایاں ہاتھ دھوئے۔

۷۔ دونوں ہاتھوں کو تر کر کے پورے سر کا ایک بار مسح کرے، یوں کہ پیشانی کے بالوں سے دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں (چھنگلیا سے درمیانی انگلی تک) سر پر پھیرے اور گردن تک جائے۔ پھر گدی سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں سر پر پھیرتا ہوا واپس پیشانی تک آئے، اس کے بعد شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے اندرونی حصوں، انگوٹھوں کے پیٹ یعنی اندر کے حصے سے کان کی بیرونی سطح اور انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔

۸۔ دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، ترتیب یوں رہے کہ پہلے بائیں ہاتھ سے دایاں پاؤں اور پھر بائیں ہاتھ سے بایاں پاؤں دھوئے۔ دھوتے وقت پاؤں کی انگلیوں کے اندر خلال کرے۔

۹۔ وضو مکمل ہونے پر کلمہ شہادت پڑھے اور وہ دعا جو درج کی جا چکی ہے پڑھے۔ سارا عمل نہایت خشوع اور عجز سے انجام دے۔ دل میں شکر کے جذبات ہوں کہ رب کریم نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی توفیق بخشی ہے اور عبادت کا اہل گردانا ہے۔

وضو کا یہ سارا عمل اس احساس کو اجاگر کرتا ہے جو جسم کی پاکیزگی سے روح کی طہارت تک انسان کا نگران رہتا ہے جس سے کردار و سیرت میں نفاست کی نمود ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے وضو کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

marfat.com

فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وَضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ لَايُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (۱)

ترجمہ: ''جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت ادا کیں ان میں کوئی اپنی بات نہ کی تو اس کے تمام پہلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔''

## غسل

غسل یعنی سارے جسم کو دھونا کہ کوئی جز و بدن خشک نہ رہ جائے۔ یہ دھونا کس طرح اور کس صورت میں فرض ہوتا ہے قرآن مجید نے اس کی بنیادی وجہ کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدہ:۶)

ترجمہ: اور اگر تم جنبی ہو تو خوب طہارت اختیار کرو۔

جنبی وہ ہے جس پر جنابت طاری ہو۔ جنابت سے مراد ایسا ناپاک ہونا ہے کہ پورے جسم کا غسل ہو جائے یہ جنابت، مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہوتی ہے اور دونوں پر غسل لازم آتا ہے، اس کی صورتیں یہ ہیں:

۱۔ مادہ منویہ یعنی منی کا شہوت کی حالت میں نکلنا۔

۲۔ احتلام یعنی سوتے میں مادہ جنسی دباؤ کے ساتھ خارج ہونا۔

۳۔ مباشرت یعنی مرد و عورت کے جنسی تعلقات، مادہ خارج نہ بھی ہو، تعلق ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

۴۔ عورت کے ماہواری حیض سے فارغ ہونے پر۔

۵۔ نفاس یعنی بچہ کی ولادت کے بعد آنے والے خون کے بند ہونے پر۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الوضو باب الوضو ثلثا ثلثا

marfat.com

یہ وہ صورتیں ہیں جن میں غسل فرض ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ طہارت و پاکیزگی کے لئے اہتمام کرو اور یہ اہتمام غسل ہی ہے۔ غسل کے لئے کون سے امور ضروری ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

## فرائض غسل

غسل کے تین فرائض ہیں۔

۱۔ کلی کرنا یعنی منہ کے ہر حصے، ہونٹ سے حلق تک، دانتوں کے گرد اگرد جڑوں کے اندرونی حصوں تک پانی لے جانا اس طرح کہ کوئی اندرونی حصہ خشک نہ رہ جائے۔

۲۔ ناک میں پانی ڈالنا اس طرح کہ ناک کے اندر کا وہ حصہ جو نرم ہوتا ہے دھل جائے، ناک کے بالوں کا تر ہو جانا لازم ہے، کوئی حصہ یا بال خشک رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔

۳۔ تمام ظاہر بدن کا دھونا، انسانی جسم کے تمام حصے مثلاً سر کے بالوں سے پاؤں کے تلووں تک۔

تمام اعضا حتیٰ کہ جسم پر موجود بالوں تک کا دھونا اور ان پر پانی بہانا فرض ہے۔ گیلا کپڑا یا صرف تر ہاتھ پھیرنے سے غسل نہ ہوگا۔ عورت کے لئے لازم ہے کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے، بالوں کی کثرت یا ان کا گھنا پن احتیاط کا متقاضی ہے۔

غسل کے لئے ان فرائض کی ترتیب کا بھی خیال رہے۔ ہاں اگر غلطی سے ترتیب میں فرق آ گیا یا یہ کہ کوئی فرض رہ گیا تو فوری طور پر اس کا ازالہ کرنا چاہیئے تا کہ غسل مکمل ہونے سے قبل تمام فرائض ادا ہو جائیں۔

غسل کی مندرجہ بالا صورتوں میں غسل فرض ہو جاتا ہے اس لئے ان پر

marfat.com

خصوصی توجہ چاہئے، ان صورتوں کے علاوہ غسل کے کئی مواقع ہیں۔ ان مواقع پر غسل لازم تو نہیں مگر صاف ستھرا بننے کی خاطر اور بعض خصوصی مواقع کی مناسبت سے غسل کر لینا ذوق طہارت کا غماز ہے مثلاً

☆ جمعہ کی نماز لئے ☆ عیدین کی نماز کے لئے

☆ احرام باندھتے وقت اور ☆ عرفہ کے دن

غسل مسنون ہے اس لئے معاشرتی حسن اور سماجی نفاست کے لئے غسل کا اہتمام کرنا چاہئے، ان کے علاوہ بھی کئی مناسبتیں ایسی ہیں کہ غسل کر لینا بہتر ہے اگر چہ ان کی حیثیت فقہی حوالے سے مستحب کی ہے مثلاً

وقوف عرفات...... وقوف مزدلفہ...... حرمین شریفین میں حاضری۔

شب قدر کے موقع پر غسل مستحب ہے۔ ان کے علاوہ انسانی جسم کے اپنے بھی کچھ تقاضے ہیں، انشراح کے لئے، کسی تقریب کے حوالے سے یا گرد و غبار سے بچنے کے لئے یا اپنے طبعی تقاضوں کے حوالے سے غسل کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ غسل پاک رہنے کی ضمانت ہے، اسلام دین فطرت ہے اور فطرت طہارت و پاکیزگی کی متقاضی ہے۔(۱)

## تیمّم

پاکیزگی درکار ہے، انسان کی خواہش بھی ہے مگر پانی دستیاب نہیں، یہ ایک ایسی صورت ہے جو زندگی کے طویل دورانیہ میں کبھی نہ کبھی پیش آ سکتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ جسم پر پانی ڈال نہیں سکتا کہ بیماری کے بڑھنے کا خطرہ ہے یا یہ کہ پانی اس قدر کم ہے کہ استعمال ہو جائے تو پیاس نڈھال کر سکتی

---

(۱) تفصیل کے لئے صحیح البہاری جلد اول ص: ۹۷ تا ۱۳۳

marfat.com

ہے، غرضیکہ کوئی صورت ہو کہ وضو یا غسل کرنے کے لئے پانی کی فراہمی ممکن نہ ہو یا بس میں نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمّم کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی موقع پر بھی ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا، ارشاد ہوا:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۶)

ترجمہ: ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے صحبت کر لی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، پس مسح کرو اس سے اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا، اللہ تعالیٰ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کرے تا کہ تم شکر کرنے والے بن جاؤ''

اس آیت کریمہ میں تیمّم کا حکم چار حوالوں سے دیا گیا:

۱۔ مریض ۔۲۔ مسافر ۔۳۔ قضائے حاجت سے فارغ ہونے والا ۴۔ عورتوں سے صحبت کرنے والا، ان کے لئے یہ اجازت ہوئی کہ وہ اگر وضو یا غسل کرنا چاہیں تو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر لیں کہ یہ بھی پاکیزگی حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔

## فرائض تیمّم: تین ہیں

۱۔ نیت کرنا کہ پاکیزگی درکار ہے، اس سے ارادوں کی طہارت قائم ہو گی۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مار کر منہ کے ہر حصے پر پھیرنا۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک کہ کہنیاں شامل ہوں، پھیرنا۔

ان فرائض میں سے کسی ایک پر عمل نہ ہو تو تیمّم نہیں ہو گا۔

marfat.com

## تیمّم کے لئے چند مسنون عمل بھی ہیں مثلاً

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا

۲۔ ہاتھوں کو زمین پر مارنا

۳۔ انگلیاں کھلی رکھنا

۴۔ ہاتھوں کا جھاڑنا

۵۔ پہلے دائیں پھر بائیں ہاتھ کا مسح کرنا

۶۔ داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا۔

## تیمّم کا طریقہ

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر زمین پر ماریں، زیادہ گرد لگ جائے تو جھاڑ لینا جائز ہے، ہاتھوں سے سارے منہ کا مسح کریں، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں بازو کا اور بائیں ہاتھ سے دائیں کا مسح اس طرح کریں کہ ہاتھ کی چاروں انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر رکھ کر کہنی تک لے جائیں اور وہاں سے ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کے سامنے سے چھوتے ہوئے واپس لے آئیں، اس طرح تیمم مکمل ہو جائے گا۔

## تیمّم کن چیزوں پر ہاتھ مارنے سے ہوتا ہے

یاد رہے کہ قرآن مجید نے پاک سخت مٹی کہا ہے، مٹی کی ہر جنس سے تیمم جائز ہے بشرطیکہ پاک ہو نرم نہ ہو، گارے کی شکل میں نہ ہو، وہ اشیاء جو زمین سے تعلق نہ رکھتی ہو جیسے لکڑی وغیرہ تو ان سے تیمّم جائز نہیں لیکن اگر لکڑی غبار آلود ہے اور ہاتھ مارنے سے غبار ہاتھ کو لگتا ہے تو جائز ہے۔

تیمم کے اسباب ختم ہو جائیں تو وضو یا غسل ہی کرنا ہوگا مثلاً بیماری دور ہو گئی یا پانی دستیاب ہو گیا تو اب تیمم جائز نہیں ہے۔ یہ ایک سہولت ہے جسے سہولت کی

marfat.com

کیفیات ہی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

وضو نماز کی خشت اول ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ (۱) یعنی نماز کی کنجی پاکیزگی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَاتُقْبَلُ صَلٰوۃُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ (۲)

یعنی اس کی نماز قبول نہ ہوگی جو بے وضو ہوا حتیٰ کہ وہ وضو کر لے، یہ بھی روایت ہے کہ جس نے رسول اکرم ﷺ کی طرح وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اسی کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (۳)

اللہ تعالیٰ طہارت کے احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ یہی وہ زینہ ہے جس سے پاکیزگی نفس کی تحریک ہوتی ہے۔ (۴)

طہارت کے مسائل کے ذکر کے بعد بہتر ہوگا کہ نماز کی باقی شرائط کا بیان ہو جائے۔

## ۲۔ ستر عورت

ستر جسے اصطلاح میں ستر عورت کہتے ہیں سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جس کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مرد کے حوالے سے ستر عورت ناف سے گھٹنوں تک جسم کا حصہ ہے، اس میں گھٹنے شامل ہیں اگرچہ ناف شامل نہیں، عورت کے حوالے سے سارا جسم ستر عورت ہے، سوائے چہرے، ہتھیلوں اور پاؤں کے، چہرہ اگرچہ ستر عورت نہیں مگر اسلامی ثقافت میں اس کا بلا ضرورت کھلا رہنا مناسب نہیں، بال، گردن،

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فرض الوضوء

(۲) صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضو

(۳) صحیح البخاری کتاب الوضو باب الوضوء ثلثا ثلثا

(۴) تفصیل کے لئے صحیح البہاری جلد اول ص: ۱۴۹ تا ۱۵۹

marfat.com

کلائیاں، ٹانگیں بہر حال ستر عورت میں داخل ہیں، یہ اگر ارادۃً کھلی رہیں تو نماز نہیں ہوتی، بے دھیان ہونے کی صورت میں کھل جائیں تو فوری طور پر ڈھانپ لینا چاہئے وگرنہ نماز نہ ہوگی۔ یہ بھی خیال رہے کہ عورت کے لئے ایسے باریک کپڑے جن سے جسم نظر آتا ہو ممنوع ہیں کہ یہ بھی ستر عورت سے انکار اور عریانی کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان عورت کو شرم و حیا کے زیور سے آراستہ رکھے آمین۔

## ۳۔ استقبال قبلہ

استقبال قبلہ یعنی قبلہ رخ ہونا، بھی نماز کی شرائط میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ: ۱۵۰)

ترجمہ: ”تم جہاں سے بھی نکلو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اور جہاں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اسی کی جانب پھیر لو“۔

معلوم ہوا کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو اسے نماز کے لئے اپنا رخ مسجد حرام کی جانب ہی پھیرنا ہے، ارشاد میں فعل امر ہے اس لئے لازم ہے، حکم عدولی پر نماز نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ تمام مساجد کا رخ کعبہ کی طرف رکھا جاتا ہے کہ نمازیوں کو سمتِ قبلہ کے تعین میں پریشانی نہ ہو، اگر کوئی نمازی مسجد میں نہیں ہے تو بھی اسے سمت قبلہ کا معلوم کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تعین ممکن نہیں تو نمازی کو اپنے دل سے فضائے آسمانی پر غور کرتے ہوئے قبلہ رخ ہونے کا فیصلہ کر لینا چاہئے اور نماز ادا کر لینی چاہئے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمت درست ہی ہو مگر ممکن ہے فیصلہ درست نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں پریشان نہ ہونا چاہئے، نماز ہوگئی ہے دُہرانے کی ضرورت نہیں، شرط

marfat.com

صرف یہ ہے کہ دل سے اعتماد کے ساتھ فیصلہ کر لے، مسجد حرام کے اندر نمازی کو کعبہ کے رخ کا احتیاط سے تعین کرنا چاہئے کہ ذرا سی غلطی بھی ہوئی تو نماز نہ ہوگی، شہر مکہ میں مقیم نمازیوں کے لئے مسجد حرام کا تعین کافی ہے اور باہر والوں کے لئے سمت اور رخ کا تعین ہی کفایت کرتا ہے، اسلام سہولت کا دین ہے اور مسلمان امت میں ہر سطح ذہنی کے لوگ موجود ہیں اس لئے ان معاملات میں آسانی پیدا کی گئی ہے، شرط صرف یہ ہے کہ یقین کے ساتھ رخ کر لیا جائے، اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے۔

## ۴۔ وقت

وقت سے مراد وہ دورانیہ ہے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے، ہر نماز کے لئے شریعت نے دورانیہ مقرر کر دیا ہے، یہ ضرور ہے کہ اس دورانیہ میں گنجائش بھی رکھی گئی ہے، شروع کا وقت اور آخر کا وقت بتا دیا گیا تا کہ اس عرصہ کے دوران میں سہولت کے ساتھ نماز ادا کی جا سکے، غور کیا جائے تو یہ پروردگار کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے، اوقات کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ○ (النساء: ۱۰۳)

ترجمہ: "بے شک نماز مومنوں پر مقرر اوقات میں فرض ہے"۔

یہ مقرر اوقات کیا کیا ہیں؟ قرآن مجید کی بعض آیات کے اشارات سے ان کی نشاندہی ہوتی ہے مگر ان اوقات کی حتمی حد بندی نبی اکرم ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی (طٰہٰ: ۱۳۰)

marfat.com

ترجمہ: ''پس صبر کیجئے اس پر جو کہ وہ کہتے ہیں اور آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے دوران میں اور دن کے اطراف میں تاکہ آپ راضی رہیں''۔

اس میں فجر، عصر، عشاء اور ظہر و مغرب کا اشارۃً ذکر موجود ہے۔اسی طرح کئی اور مقامات پر اوقات کے حوالے سے نماز و تسبیح کا حکم دیا گیا۔صحیح البخاری میں اوقات نماز کے تعین کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے تشریف لانے اور ہر نماز کے پڑھنے کا ذکر ہے، پانچوں نمازوں کا تعین ہوا اور کہا: ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔(۱) اوقات نماز کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نماز فجر: صبح صادق سے سورج طلوع ہونے سے پہلے تک نماز فجر کا وقت ہے، متعدد روایات میں فجر میں قدرے تاخیر کے اشارے ملتے ہیں تاکہ اندھیرے کی بجائے روشنی ہو جائے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَسۡفِرُو الصِّلاۃِ الۡفَجۡرِ فَاِنَّہٗ اَعۡظَمُ لِلۡاَجۡرِ (۲)

ترجمہ: نماز فجر کو روشن کرلو کہ یہ اجر کے لئے زیادہ ہے۔''

۲۔نماز ظہر: سورج ڈھلنے جسے زوال کہتے ہیں، کے بعد سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ چیزوں کا سایہ چیزوں کے اصلی سایہ کو چھوڑ کر دوگنا ہو جائے۔نماز ظہر کے بارے میں یہ یاد رہنا چاہیئے کہ اس کے وقت مقرر میں گرمی کے دنوں میں قدرے تاخیر مناسب ہے جبکہ سردیوں میں تاخیر مناسب نہیں، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ و باب مواقیت الصلواۃ

(۲) مسند البزار عن انس بن مالک

marfat.com

**اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَابْرِدُوا بِالصَّلٰوۃِ" (۱)**

یعنی جب گرمی شدید ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

**۳۔نماز عصر:** جب کسی چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کو چھوڑ کر دوگنا ہو جائے تو نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب سے کچھ قبل کہ زردی نہ چھانے لگے، تک رہتا ہے، عموماً نماز عصر کو قدرے تاخیر سے ادا کرنا چاہئے مگر جس روز بادل ہوں جلد پڑھنے کا حکم ہے۔

**۴۔نماز مغرب:** سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی نماز مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس کو جلد پڑھنا ہی بہتر ہے، اس کا آخری وقت غروب شفق تک یعنی سورج کی پھیلائی ہوئی سرخی کے غائب ہونے تک ہے۔

**۵۔نماز عشاء:** غروب شفق سے صبح صادق کے طلوع ہونے تک نماز عشاء کا وقت ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے مگر نماز کی ادائیگی سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے۔(۲)

نماز کے اوقات کی پابندی کرنی چاہئے کہ نماز کی قبولیت میں اس کی بروقت ادائیگی کا بڑا مقام ہے، رسول رحمت ﷺ سے اس سلسلے میں واضح ہدایات موجود ہیں، حدیث مبارک میں ہے کہ آپ کے دربار میں عرض کیا گیا:

- **اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللهِ قَالَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِهَا (۳)**

ترجمہ: "کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: اپنے وقت پر نماز"۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلواۃ باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر اور دیگر کتب صحاح

(۲) صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء

(۳) صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلواۃ باب فضل الصلواۃ لوقتہا

marfat.com

شریعت اسلامیہ کے مطابق ایسے اوقات بھی ہیں جن میں نماز کی ادائیگی سے روکا گیا ہے، اس لئے ان اوقات میں نماز ادا نہ کرنی چاہئے، یہ تین اوقات ہیں:
ا۔ طلوع آفتاب کا وقت۔ ۲۔ نصف النہار کا وقت یعنی جب سورج بلند ہونے کے بعد ڈھلنا شروع کرے۔ ۳۔ غروب آفتاب کا وقت۔

ان اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں، نبی اکرم ﷺ نے طلوع فجر سے قبل نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل نماز عصر کی ادائیگی کے بعد بھی نماز پڑھنے سے رکنے کا حکم دیا ہے، حدیث میں ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی عَنِ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ (۱)

ترجمہ: ”بے شک نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور نماز عصر کے بعد نماز سے منع کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے“۔

## ۵۔ نیت

نیت وہ ارادہ ہے جو کسی عمل کے حوالے سے شعوری حاضری کو حتمی بناتا ہے، انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کے لئے وہ پہلے ارادہ کرتا ہے وگرنہ وہ عمل نادانستگی میں ہوگا، یہ نیت عمل کی تحریک بھی ہے اور عمل کی راہ متعین کرنے کی حد بندی بھی، اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیّٰتِ (۲)

ترجمہ: بے شک اعمال کا مدار نیتوں پر ہی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترفع الشمس عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
(۲) صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

marfat.com

یعنی اعمال کی اچھائی، برائی کا تعین، نیت کے حوالے سے ہی ہوگا، ہو سکتا ہے کہ نیت اچھی ہو مگر نتیجہ اچھا نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیت اچھی نہ ہو اور نتیجہ اچھا برآمد ہو جائے، یہ حالات پر منحصر ہے مگر فیصلہ نیت پر ہی ہوگا اس لئے فرمایا:

انـمـا لامرىءٍ مّـانوى (۱) اور ہر انسان کے لئے اس کا اجر و بدلہ ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔

نیت دراصل عمل کا روحانی پہلو ہے اور اس کو سیرت و کردار کی ساخت میں معتبر مقام حاصل ہے، نماز کے لئے بھی نیت لازم ہے، نمازی کے قلب و نظر میں نماز کی ادائیگی کا خیال پختہ ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں کہ رکعتوں کی تعداد وغیرہ کو نیت کا لازمی حصہ بنتا ہے مگر یہ تو احساس ہو کہ مالک الملک کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں، نیت میں دل کی کیفیات اہمیت رکھتی ہیں لیکن اگر زبان سے بھی اس کا اظہار ہو تو اور بہتر ہے کہ ظاہر و باطن میں یکسوئی ہے اور قلب و زبان میں یک رنگی ہے۔

## ۔ تکبیر تحریمہ

نیت ہو جائے تو نمازی قبلہ رخ ہو کر پورے اہتمام کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر، کانوں تک لے جا کر اللہ اکبر کہے، اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، یہ اعلان ہوتا ہے کہ اب میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گیا ہوں اور اب گرد و پیش سے لاتعلق ہوں، دنیا سے رخ موڑ لیا ہے، یہ حضوری کی طرف پہلا قدم ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی وضو ہے اور تَحرِیمُھَا التکبِیرُ (۲) یعنی نماز کا حصار تکبیر ہے، نمازی جو گفتگو یا جو حرکات پہلے کر رہا ہوتا ہے جب تکبیر کہہ کر دست بستہ ہو جاتا ہے تو وہ سب نمازی پر حرام ہو جاتی ہیں، یہ یکسوئی کا عمل ہے اور اسی سے نماز کی ابتداء ہوتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصلواۃ باب فی تحریم الصلوٰۃ وتحلیلہا

marfat.com

## اذان

نماز ایک ایسا فرض ہے جو ہمہ جہت سماجی اہمیت کا حامل ہے، صاحبان ایمان ایک دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتے ہیں اور ایک اجتماعی صف بندی میں اپنے رب کے سامنے بندگی کے عملی اعتراف کے لئے کندھے سے کندھا ملا کر پیش ہوتے ہیں، حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو نظم اجتماعی کا سماں پیدا ہوا۔ پہلی فرصت میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی، جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام ہوا مگر سوال یہ تھا کہ تمام نمازیوں کو جماعت کی اطلاع کیسے دی جائے، مشورہ ہوا، مختلف تجاویز سامنے آئیں، اپنے اپنے تجربات کی بنا پر مختلف اقوام کی رسوم کے پیش نظر کسی نے گھنٹی بجانے کا مشورہ دیا تو کسی نے ناقوس پھونکنے کا، اس سے یہود و نصاریٰ کے مروج انداز کو اپنانے سے مشابہت کا تصور ابھرتا تھا اور یہ کہ انداز دعوت بھی دین توحید کی روح کے مطابق نہ تھا اس لئے پسند نہ آیا، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند کی گئی، ابوداؤد اور الترمذی کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خواب کا حوالہ دیا تھا۔ اسی تجویز کو پسندیدگی کی سند حاصل ہوئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اذان دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔(۱)

اذان نماز کی دعوت ہے، نمازی سجدے میں سر جھکانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتا ہے، یہ نماز کی طرف بلاوا ہے اور فلاح کی طرف دعوت ہے۔ اذان پانچوں وقت کی نماز اور جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے دی جاتی ہے، عیدین کی نماز کے لئے اذان نہیں ہوتی۔ اذان سنت موکدہ ہے یعنی ایسی سنت جس کی تاکید ہے، اذان کے لئے شرائط یہ ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان

marfat.com

صرف فرض نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لئے دی جاتی ہے، کسی اور نماز کے لئے اذان نہیں:

اذان نمازوں کے اوقات کے اندر دی جاتی ہے مثلاً ظہر کی نماز کا وقت نہیں ہوا تو ظہر کی اذان بھی نہ ہوگی۔

اذان صرف مردوں پر لازم ہے عورتوں پر نہیں بلکہ عورت کا اذان دینا مکروہ تحریمی یعنی حرام کے قریب ہے۔

اذان باوضو دی جاتی ہے اگرچہ بے وضو اذان ہو جاتی ہے مگر مناسب نہیں۔

اذان بلند جگہ پر کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر دونوں کانوں میں شہادت کی انگلیاں ڈال کر دی جاتی ہے، یاد رہے شہادت کی انگلی وہ ہے جو انگوٹھے سے متصل ہے۔

حی علی الصلاۃ کہتے ہوئے دائیں جانب اور حی علی الفلاح کہتے ہوئے بائیں طرف مڑا جاتا ہے۔

موذن یعنی اذان دینے والے کو بلند آواز اور پورے دینی ولولے کے ساتھ اذان دینی چاہئے۔

اذان کی آواز جہاں تک پہنچے، ہر سننے والے کو پورے احترام کے ساتھ گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے مکمل انہاک کے ساتھ سننا چاہئے کہ عدم توجہی اور لاپرواہی پر وعید آئی ہے۔ارشاد باری ہے:

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○(المائدہ:۵۸)

ترجمہ:''اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اس کو ہنسی کھیل بناتے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ ایسی قوم کے افراد ہیں جو عقل نہیں رکھتی''۔

اس سے اذان کو باادب ہو کر سننا لازم ٹھہرا، تاکہ بے عقل لوگوں کے گروہ

marfat.com

میں شامل نہ ہو جائیں۔

اذان کے کلمات یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ | (موذّن چار مرتبہ اعلان کرتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے، اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے۔ |
| اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ. | میں اس گواہی کا اعلان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ |
| اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ | میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں |
| اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ | میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ |
| اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ | میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ |

ان دونوں شہادتوں کے بعد وہ دعوت نماز دیتا ہے اس لئے کہ دعوت اسی کو ہے جو توحید اور رسالت کو ماننے والا ہے۔

| | |
|---|---|
| حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃَ | آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف۔ |
| حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ | آؤ فلاح کی جانب، آؤ فلاح کی جانب۔ |

نماز کی دعوت کے ساتھ یہ اعلان بھی ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک عمل نہیں، یہ نماز دراصل انسانی فلاح کی ضمانت ہے اس لئے سب آئیں اور جوق در جوق آئیں۔

| | |
|---|---|
| اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ | اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔ |
| لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ | اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ |

marfat.com

سننے والے کو جب یہ کلمات متوجہ کرتے ہیں تو وہ ذات کبریا کی دعوت پر لبیک کہہ کر اس کا عملی ثبوت مہیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اذان کے یہی الفاظ اسی مقدار اور تعداد میں پوری دنیا میں گونجتے ہیں تو ہم آہنگی کا عجیب سا احساس پیدا ہوتا ہے، ہر نماز کے لئے یہی اذان ہے، صرف نماز فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الفَلاحِ کے بعد دو مرتبہ یہ الفاظ بھی کہے جاتے ہیں اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِنَ النَّومِ ...... اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِنَ النَّومِ یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، نماز سونے سے بہتر ہے۔(۱)

مؤذن جب اذان کے کلمات دوہرائے تو سننے والوں کو ہمہ تن گوش ہو کر سننا چاہیئے اور اس پکار پر اپنی جانب سے قبولیت کی سند کے طور پر جواب بھی دینا چاہیئے، جواب یوں ہوگا۔

مؤذن اذان کے جو کلمات بھی ادا کرے سننے والا انہی کلمات کو دُہرائے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت ہے اور یہ شہادت مؤذن اور سامع دونوں کو دینا چاہیئے، مگر جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃِ یا حَیَّ عَلَی الفَلاحِ کہے تو جواباً سننے والا ساتھ ساتھ یہ کہے۔

لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ یعنی بدی سے رکنے اور نیکی کرنے کی کوئی قوت نہیں مگر اللہ کی طرف سے جو بلند تر اور عظیم تر ہے۔(۲)

جب مؤذن صبح کی نماز میں اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِنَ النَّومِ کہے تو سننے والا ہر بار یہ جواب دے تو مناسب ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان

(۲) صحیح البخاری کتاب الاذان باب مایقول اذا سمع المنادی

marfat.com

صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ یعنی تو نے سچ کہا، نیکی کا کام کیا اور حق بات کی۔

جب مؤذن اذان میں رسول اکرم (ﷺ) کا اسم گرامی پکارے تو محبت والے پر محبت کا یہ قرض چکانا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ درود پاک پڑھے کہ اسم گرامی سننے پر درود پڑھنا لازم ہے۔ مناسب ہے کہ پہلی سماعت پر کہے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اور دوسری مرتبہ کہے قُرَّةُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ یعنی اے اللہ کے رسول، میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہی سے ہے۔ اے اللہ مجھے سمع وبصارت عطا فرما۔

اذان دینے والا عاقل بالغ اور اذان کی عظمتوں سے آشنا ہونا چاہئے تاکہ یہ کلمات دل کی آواز بن کر نکلیں، سننے والے کو ہمہ تن ادب بن کر آواز حق سننا چاہئے اور جب اذان مکمل ہو تو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ. (۱)

یہ کلمات بھی شامل کئے جاتے ہیں:

وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

ترجمہ: اے اللہ! اے اس دعوت تام اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب، تو حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود کا منصب عطا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا اور ہمیں قیامت کے روز ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرما، بے شک تو خلاف عہد نہیں کرتا۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الاذان باب الدعاء عند النداء اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ جو یہ کلمات ادا کرے اس کے لئے قیامت کے روز میری شفاعت ہوگی۔ اسی لئے شفاعت کی دعا شامل کی جاتی ہے۔

marfat.com

اذان کا یہ سارا دورانیہ توحید و رسالت کے زمزموں سے عطر بیز ہوتا ہے اور سننے والا والہانہ جذبوں سے سرشار نماز کی ادائیگی کے لئے سجدہ گاہوں کی طرف رواں ہو جاتا ہے۔ اذان کا مقصد بھی یہی ہے۔

## اقامت

نمازی جب مسجد میں اکٹھے ہو کر اجتماعی سجدہ گزاری کا اہتمام کرتے ہیں اور صفیں باندھ لیتے ہیں تو امام کے تکبیر کہنے سے پہلے کوئی ایک نمازی مدھم آواز میں جلد جلد اذان کے الفاظ دُہراتا ہے، یہ اقامت ہے یعنی نماز کے قائم ہونے کا اعلان، اذان تو بلند مقام پر عموماً مسجد سے باہر بلند آواز سے ٹھہر ٹھہر کر کہی جاتی ہے مگر اقامت، جماعت کی صف کے اندر ہی کوئی نمازی کھڑے ہو کر مدھم آواز سے کہتا ہے، وہ نہ تو مؤذن کی طرح کانوں میں انگلیاں لیتا ہے اور نہ ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرتا ہے، اذان اور اقامت کے کلمات میں فرق صرف یہ ہے کہ اقامت کہنے والا جب اذان کے یہ الفاظ یعنی حی علی الفلاح کہتا ہے تو دو مرتبہ اس جملے کا اضافہ کرتا ہے:

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ۔(۱)

ترجمہ: یعنی نماز قائم ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی۔

زیادہ مناسب ہے کہ نمازی تکبیر بیٹھ کر سنیں، نمازی اور امام اس وقت اٹھیں جب مکبر یعنی تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہہ لے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، جب اقامت کا ارادہ کرتے تو کہتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلصَّلٰوۃُ یَرْحَمُکَ اللہُ (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان

(۲) الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

marfat.com

کہ آپ سلام پیش کرتے اور پھر نماز کی خبر دیتے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق بخشے کہ وہ ہر لمحہ عظمت رسالت کے تصور کو ملحوظ رکھے آمین۔

## نمازوں کی رکعات

فرض نمازیں پانچ ہیں۔ ان پانچوں میں رکعات کی تعداد مختلف ہے، ان رکعات میں کچھ فرائض ہیں، کچھ سنتیں اور کچھ نوافل۔ فرائض کی ادیگی لازم ہے اور اگر رہ جائیں تو ان کی قضا ضروری ہے۔ ایک دن کی کل پانچوں نمازوں میں فرائض کی مجموعی تعداد سترہ ہے، تفصیل یہ ہے:

فجر کی نماز میں دو، ظہر کی نماز میں چار، عصر کی نماز میں چار، مغرب کی نماز میں تین اور عشاء کی نماز میں چار، علماء کرام نے تعداد میں تفاوت کی کئی توجیہات پیش کی ہیں مثلاً بعض علماء نے ان کو حواس خمسہ کی شکر گزاری کے حوالے سے دیکھا ہے اور ہر حس کی توانائی اور دائرہ اثر کے حوالے سے رکعات کی توجیہہ کی ہے، مثال کے طور پر حس بصارت ہے کہ انسان اس سے گردونواح کے مشاہدے کا کام لیتا ہے مگر آنکھ تین اطراف کا احاطہ کرتی ہے اس میں دائیں بائیں اور سامنے کی استطاعت ہے پیچھے کی نہیں، تو مغرب کی تین رکعات اس سہ اطراف قوت کا شکرانہ ہے۔ اسی طرح دیگر حواس کے بارے میں کہا گیا ہے۔ یہ ایک عمدہ اور دلچسپ کاوش ضرور ہے اگرچہ اس کاوش کو رکعات کی تعداد کی حتمی توجیہہ قرار دینا مشکل ہے۔

فرائض کے علاوہ عشاء کی نماز میں وتر بھی ہے۔ وتر کی نماز واجب ہے، وتر کی تین رکعات ہیں، متعدد احادیث میں وتر کی نماز کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر ہے، ابوداؤد میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا ''یعنی وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا ہم میں سے نہیں ہے''۔

اسی طرح ایک روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ اَوْتِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ (۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو پسند کرتا ہے پس اے اہل قرآن وتر ادا کیا کرو"

وتر کا لفظی معنی طاق ہے اوتر کا معنی وتر یعنی طاق بنانا ہے یعنی جو وتر طاق نہ تھا اسے وتر بنانا۔ اسی لئے ائمہ احناف نے دو کو تین میں ڈھالنے کو وتر کہا ہے۔

فرائض اور وتر کے علاوہ کچھ سنتیں ہیں یعنی وہ رکعات جو نبی اکرم ﷺ ادا فرماتے رہے، اگر ان پر زیادہ عمل رہا تو وہ سنتیں موکدہ یعنی جن پر تاکید رہی، کہلائیں جبکہ بعض رکعات غیر موکدہ کہلائیں، ان کے ساتھ کچھ نوافل شامل ہو گئے تا کہ ہر نماز میں فرائض کے علاوہ کچھ مزید سجدہ گزاری کا موقعہ ملتا رہے۔ ظاہر ہے نوافل انسان کی پسند پر ہیں کہ جتنے چاہے ادا کرے، مگر تجربہ یہی ہے کہ انسان عموماً آسانیاں ڈھونڈتے ہیں اور بہت سے انسان کبھی نوافل کے ذریعے قرب الٰہی کی چاہت پوری نہیں کرتے اس لئے بعض نمازوں کے ساتھ جہاں وقت میسّر آیا اور مہلت بھی محسوس کی گئی چند نوافل شامل ہوئے تا کہ یہ چند رکعات معمول کا حصہ بن جائیں، ان کی ادائیگی باعث اجر و ثواب ہے مگر ترک پر مواخذہ نہیں۔

جمعہ کے روز نماز ظہر کی بجائے نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، اس میں فرض نماز چار کے بجائے دو رکعت ہے، مگر سنتوں میں اضافہ ہے۔ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ، ان میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ تمام نمازوں کا ایک گوشوارہ ترتیب دے دیا جائے تا کہ یادداشت کی سہولت رہے۔ گوشوارے کی ترتیب میں ادائیگی کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے:

---

marfat.com

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الوتر

# رکعات نماز

| نماز کا نام | سنت موکدہ | سنت غیر موکدہ | فرائض | سنت موکدہ | نفل | وتر | نفل | کل رکعات |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| نماز فجر | ۲ | ...... | ۲ | ...... | ...... | ...... | ...... | ۴ |
| نماز ظہر | ۴ | ...... | ۴ | ۲ | ۲ | ...... | ...... | ۱۲ |
| نماز عصر | ...... | ۴ | ۴ | ...... | ...... | ...... | ...... | ۸ |
| نماز مغرب | ...... | ...... | ۳ | ۲ | ۲ | ...... | ...... | ۷ |
| نماز عشاء | ...... | ۴ | ۴ | ۲ | ۲ | ۳ | ۲ | ۱۷ |
| کل تعداد | ۶ | ۸ | ۱۷ | ۶ | ۶ | ۳ | ۲ | ۴۸ |
| نماز جمعہ | ۴ | ...... | ۲ | ۴+۲ | ۲ | ...... | ...... | ۱۴ |
| نماز عید الفطر | | | ۲ | | | | | ۲ |
| اور عید الاضحیٰ | | | ۲ | | | | | ۲ |

ان رکعات میں فرائض کی ادائیگی بہر صورت ہونی ضروری ہے، وتر واجب ہونے کی وجہ سے خصوصی توجہ چاہتے ہیں، سنت موکدہ پر توجہ رہے کہ ان کی ادائیگی پر تاکید ہے، سنت غیر موکدہ اور نوافل ادا کرنے چاہییں، اگر کسی مجبوری یا مصروفیت کی بنا پر رہ جائیں تو مواخذہ نہیں۔

## نماز کے فرائض

نماز ادا کرتے وقت کچھ امور ایسے ہیں جن کی رعایت بہت ضروری ہے اس لئے کہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ان امور کو فرائض کہتے ہیں، ان فرائض یا ان میں

marfat.com

سے کسی ایک فرض کا ترک ہو جائے تو نماز نہ ہوگی اس لئے ان کے بارے میں خاص توجہ کی ضرورت ہے، نماز کے کل فرائض سات ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریمہ: اس کے بارے میں گفتگو شرائط نماز میں درج کی جا چکی ہے، یہ شرط نماز ہے مگر نماز کی ادائیگی سے متصل ہے اس لئے فرائض میں بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ قیام: قیام کا معنی کھڑے ہونا ہے، یہ قیام ہر فرض، ہر واجب، عیدین کی نمازوں اور سنت فجر میں فرض ہے، باقی سنن و نوافل میں بھی بہتر ہے اور زیادہ اجر کا موجب ہے، قیام نہائت ادب کے ساتھ دونوں پاؤں پر ہو اور اس کو کسی بہانے ترک نہ کیا جائے، جن نمازوں میں قیام فرض ہے ان میں حتی الامکان قیام ہی کرنا چاہئے، معمولی نقاہت، ہلکی سی تکلیف اور خود ساختہ تھکاوٹ کا سہارا نہ لیا جائے، صرف ناگزیر صورت میں قیام چھوڑ جا سکتا ہے، اگر ذرا بھی ہمت ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے اور پھر بیٹھ جائے، یہ دربار الٰہی میں حاضری کی پہلی منزل ہے اس لئے احتیاط لازم ہے۔

۳۔ قراءت: قراءت قرآن نماز میں فرض ہے کہ حکم دیا گیا فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) ''پس پڑھو جو قرآن سے میسر آئے۔ اس لئے کم از کم ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے، فرض نماز کی دو ابتدائی رکعتوں میں اور وتر، سنت یا نفل کی ہر رکعت میں قرأت ہے، حدیث مبارک میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی تاکید ہے حتیٰ کہ فرمایا لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (۱) یعنی اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، آیت کریمہ اور حدیث نبوی کو تطبیق دیتے ہوئے علماء نے کہا کہ کوئی آیت قرآن پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ واجب۔ یہ حکم امام کو بھی ہے اور مقتدی کو بھی، منفرد نمازی پر بھی یہی حکم ہے مگر جب کوئی نمازی مقتدی بن کر امام کے

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء انہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب

marfat.com

پیچھے ہو تو قرأت نہ کرے کہ امام کی قراءت سب کی جانب سے ہے، قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (الاعراف: ۲۰۴) اور جب قرآن مجید کی قراءت کی جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو۔ جب امام قرأت بلند آواز سے کر رہا ہو تو حکم ہے غور سے سنو، لامحالہ مقتدی خاموش ہو کر ہی سنے گا اور جب امام پست آواز سے نہ سنی جانے والی آواز میں قراءت کرے تو بھی چپ رہو کہ خاموشی سے ہی سہی قرأت تو ہو رہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (۱) کہ جس کا امام ہے، تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

فجر، مغرب اور عشاء کے فرضوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت جہر یعنی بلند آواز سے کی جاتی ہے۔ اسی طرح جمعہ کی نماز میں اور عیدین کی نمازوں میں بھی، رمضان المبارک میں تراویح اور وتر میں قراءت جہر سے ہے مگر ظہر، عصر کی نمازوں میں قرأت خفی یا آہستہ ہوتی ہے، مختصر یہ کہ جہری نمازوں میں فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قراءت ہے، مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری چوتھی رکعت میں آہستہ قرأت ہوتی ہے، ظہر و عصر کی نمازوں کی سب رکعات میں آہستہ قرأت ہے، انہیں سری نمازیں کہتے ہیں۔

۴۔ رکوع: رکوع کا معنی جھکنا ہے، رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس قدر جھکا جائے کہ ہاتھ گھٹنوں کو لگ جائیں، اگرچہ مسنون رکوع یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ کمر سیدھی ہو جائے یہاں تک کہ پانی کا پیالہ پشت پر رکھ دیا جائے تو نہ چھلکے، پورا جھک کر انگلیوں کو کھول کر گھٹنا پکڑا جائے تو رکوع ہوتا ہے، جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے کا رکوع رہ جائے تو وہ رکعت رہ جائے گی۔

(۱) سنن، دار قطنی

marfat.com

۵۔سجدہ: ناک اور پیشانی زمین پر جم جانے کو سجدہ کہتے ہیں، صرف ایک حصہ لگایا اور سر اٹھا لیا تو سجدہ نہ ہوگا، دوسری شرط یہ ہے کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگے، ایسا نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی، واجب ہے کہ ہر پاؤں کی تین تین یعنی کل چھ انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگیں، پوری دس انگلیوں کا زمین پر لگنا سنت موکدہ ہے، ایک رکعت میں دو سجدے ہوتے ہیں اور دونوں لازم ہیں، سجدہ میں زمین زیادہ نرم نہ چاہیئے، ناک پر دباؤ آنا ضروری ہے، اگر فرش پر قالین وغیرہ ہے تو خوب دبا کر سجدہ کرنا چاہیے، یہ بھی جائز نہیں کہ سجدہ کی جگہ پاؤں سے بارہ انگلیوں کے برابر سے زیادہ بلند ہو۔

۶۔قعدہ اخیرہ: نماز کی تمام رکعتوں کی ادائیگی کے بعد زمین پر اتنی دیر بیٹھے رہنا کہ التحیات شروع سے رَسُوْلُہٗ تک پڑھی جاسکے، قعدہ کہلاتا ہے۔کم بیٹھا تو قعدہ نہ ہوا اور فرض چھوٹ گیا، بیٹھنا لازم ہے کہ التحیات کی مقدار تک بیٹھنا ہے اگرچہ خود نہ بھی پڑھ رہا ہو۔

۷۔خروج بصنعہ: مراد یہ ہے کہ نمازی اپنے کسی فعل کے ساتھ نماز سے خارج ہو جائے، یہ فعل قصداً ہونا چاہیے تاکہ نماز کے اعمال کا تسلسل ٹوٹ جائے، آخر میں دونوں جانب السلام علیکم ورحمتہ اللہ، کہنا واجب ہے، حدیث مبارک میں ہے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر ہے کہ تکبیر تحریمہ، اعمال دنیویہ سے روک دیتی ہے اور فرمایا وَتَحْلِیْلُھَا اَلتَّسْلِیْمُ (۱) اور نماز سے خارج ہونے کا ذریعہ سلام ہے۔

## نماز کے واجبات

واجب کا معنی لازم یا ضروری ہے، واجبات سے مراد نماز کے وہ اعمال جن کا کرنا لازم ہے، جان بوجھ کر ترک کیا اور ترک ہونے پر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز دُہرانا

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلواۃ باب فی تحریم الصلواۃ وتحلیلھا

marfat.com

پڑے گی، ہاں! اگر بھول جانے پر سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو جائے گی، سجدہ سہو (یعنی بھول جانے کے کفارہ کے لئے سجدہ) صرف واجب ترک کرنے پر ہوتا ہے، فرض رہ گیا تو نماز نہ ہوئی، سنتوں کے ترک پر نماز کا نقصان ہوا مگر نماز ہوگئی۔ نماز کے واجبات یہ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا۔

۲۔ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا۔

۳۔ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور دیگر نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورت، تین چھوٹی آیات یا ایک آیت جو تین آیات کے برابر ہو، پڑھنا۔

۴۔ قومہ یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔

۵۔ جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔

۶۔ قعدہ اولیٰ یعنی تین یا چار رکعات والی نمازوں میں دو رکعات کے بعد بیٹھنا۔

۷۔ قعدہ اولیٰ ہو یا قعدہ اخیرہ، ان میں تشہد پورا پڑھنا۔

۸۔ قعدہ اولیٰ ہو تو تشہد کے بعد کچھ نہ پڑھنا۔

۹۔ جہری نمازوں میں امام کا بلند قراءت کرنا اور سری نمازوں میں آہستہ پڑھنا۔

۱۰۔ امام کے پیچھے مقتدی کا ہر حال میں قراءت نہ کرنا۔

۱۱۔ قراءت کے علاوہ تمام واجبات میں امام کی پیروی کرنا۔

۱۲۔ ترتیب ارکان قائم رکھنا اور تمام ارکان سکون واطمینان سے ادا کرنا۔

۱۳۔ نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔

۱۴۔ عیدین کی نمازوں میں چھ زائد تکبیریں کہنا۔

۱۵۔ سلام دو مرتبہ کہنا۔

ان واجبات کے ترک پر سجدہ سہو کرنا ان کا ازالہ ہے۔

marfat.com

# نماز کی سنتیں

سنت وہ عمل ہے جو رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہو مگر اس کی تاکید فرض یا واجب کی طرح نہ کی گئی اِس لئے سنت رہ جائے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ نماز کا حسن باقی نہ رہے گا، ترک سنت پر سجدہ سہو بھی نہیں ہے کہ یہ دراصل نماز کی قبولیت کے ذرائع ہیں کہ عبادت گزاری میں رسول اللہ ﷺ کا عمل پیش نظر رہے، سنن یعنی سنتیں یہ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کا کانوں تک لے جانا، یوں کہ انگلیاں کشادہ ہوں اور ہتھیلیاں قبلہ رخ رہیں۔

۲۔ امام ہو تو اس کا نماز کی تمام تکبیروں کو بلند آواز سے کہنا کہ مقتدی سنے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

۳۔ تکبیر کہنے کے بعد ہر نمازی کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

۴۔ ثناء یعنی سبحانک اللہ، تعوذ یعنی اعوذ باللہ اور تسمیہ یعنی بسم اللہ آہستہ کہنا اور آمین کو بھی آہستہ ادا کرنا۔

۵۔ رکن سے رکن کی طرف جاتے وقت تکبیر کہنا۔

۶۔ فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت ہو تو اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا۔

۷۔ رکوع اور سجود میں تسبیح کو تین تین بار پڑھنا۔

۸۔ رکوع میں ٹانگیں سیدھی رکھنا، کھلی انگلیوں کے ساتھ ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنا اور سر اور کمر کو برابر رکھنا۔

۹۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے امام کا سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا اور مقتدی کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا منفرد نمازی دونوں کہے گا۔

۱۰۔ سجدہ میں پہلے دونوں گھٹنے، پھر ہاتھ پھر ناک اور پھر پیشانی رکھنا، اٹھتے

marfat.com

ہوئے برعکس ترتیب رکھنا، بازوؤں کو جسم کے جوڑوں سے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھنا مگر جماعت کی صف میں ہونے پر بازو جدا نہ ہوں۔ کلائیاں زمین سے اونچی رہیں یعنی کلائیاں زمین پر نہ بچھ جائیں، انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور قبلہ رخ ہوں، دونوں پاؤں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگیں اور قبلہ رخ ہوں۔

۱۱۔ دونوں سجدوں کے درمیان تشہد کے انداز میں بیٹھنا یعنی دایاں پاؤں کھڑا ہو اور بایاں قدم بچھا ہوا ہو اور ہاتھ رانوں پر ہوں۔

۱۲۔ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور مسنون دعا پڑھنا، یاد رہے کہ نوافل میں قعدہ اولیٰ آئے تو اس میں تشہد کے بعد دورد شریف پڑھنا چاہئے مگر فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

۱۳۔ سلام پہلے دائیں جانب اور پھر بائیں جانب کہنا۔

۱۴۔ امام کا تکبیر، سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور سلام بلند آواز سے کہنا۔

## عورتوں کی نماز میں سنتیں

۱۔ تکبیر تحریمہ میں کان تک ہاتھ اٹھانے کے بجائے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا، سنن ابی داؤد میں حدیث موجود ہے۔

۲۔ تکبیر کہتے وقت اٹھتے ہوئے ہاتھوں کا کپڑے کے اندر رہنا۔

۳۔ قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنا اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سینے سے لگے اور دائیں ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھی جائے۔

۴۔ رکوع میں ہاتھ کی انگلیاں نہ کھولنا اور ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھنا۔

۵۔ رکوع میں اس قدر جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں کو لگ جائیں، مردوں کی طرح سر اور

marfat.com

کمر کو برابر نہ کرنا۔

۶۔ سجدہ میں بازو جوڑوں سے، پیٹ ران سے، ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے ملا کر رکھنا۔

۷۔ سجدے میں دونوں ہاتھ بچھا کر رکھنا۔

۸۔ قعدہ میں دونوں پاؤں کو دائیں جانب نکال کر بائیں جانب بیٹھنا۔

۹۔ قعدہ اور جلسہ میں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر رکھنا۔

## نماز کے مستحبات

مستحب یعنی ایسا عمل جو باعث اجر ہے اگر چہ اس کے ترک پر مواخذہ نہیں۔ مستحبات میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ قیام کے وقت دونوں قدموں کے درمیان تقریباً چار انگشت کا فاصلہ رکھنا۔

۲۔ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ پر، رکوع میں دونوں پاؤں کی پشت پر، سجدہ میں ناک کے سرے پر، قعدہ اور جلسہ میں اپنی گود پر اور سلام کہتے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا۔

۳۔ جمائی کے وقت منہ بند رکھنا مجبور ہونے پر منہ پر ہاتھ رکھنا۔

## مفسدات نماز

مفسدات نماز سے مراد وہ اعمال ہیں جن کے سرزد ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یعنی ٹوٹ جاتی ہے اور دوبارہ ادا کرنا پڑتی ہے، مفسدات نماز کچھ یوں ہیں:-

۱۔ کلام کرنا، ارادہ سے ہو یا بلا ارادہ، کلام کسی بھی نوعیت کا ہو، مثلاً حمد یہ جملہ کہہ دیا، درود شریف پڑھا، سلام کا جواب دے دیا، سبحان اللہ، اِنَّاللہ، یَرْحَمُکَ اللہ وغیرہ کہہ دیا، درد سے بلا ارادہ کراہنا۔

marfat.com

۲۔ قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا۔

۳۔ تلاوت، قرأت یا دعا میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائے۔

۴۔ ایسا عمل کرنا کہ دیکھنے والا سمجھے کہ وہ نماز میں نہیں ہے، اسے عمل کثیر کہتے ہیں یعنی ضرورت سے زیادہ عمل یا حرکت۔

۵۔ اپنے آپ کو قبلہ سے اتنا پھیر لینا کہ رخ ہی بدل جائے عموماً پینتالیس درجے کا خیال رکھا جاتا ہے۔

۶۔ مسلسل بال اکھیڑتے رہنا تین سے کم ہوں تو کراہت ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۷۔ جسم کو یوں کھجانا کہ ہاتھ اپنی جگہ سے الگ ہو جائیں۔

۸۔ نماز میں کھانا پینا، دانتوں میں اٹکے ہوئے ذرے کو نگل جانا بشرطیکہ وہ چنے کی مقدار سے زیادہ ہو۔

۹۔ نمازی کا اپنے امام کے سوا کسی اور کو لقمہ دینا اور امام کا اپنے مقتدی کے سوا کسی اور سے لقمہ لینا، لقمہ سے مراد یہ ہے کہ اصلاح یا یادداشت کی خاطر کوئی کلمہ سنا اور اس پر عمل کیا۔

۱۰۔ عورت کا بچے کو دودھ پلانا کہ دودھ نکل آئے۔

۱۱۔ نماز پڑھتی ہوئی عورت سے مرد کو چھونا، بوسہ لینا جس میں شہوت کا عنصر ہو۔

۱۲۔ نماز میں قہقہہ لگانا کہ سنائی دے۔

ان اعمال سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے احتیاط چاہئے اور اگر ایسا عمل جو نماز فاسد کرے ہو جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

## مکروہات نماز

وہ تمام اعمال جو فرض یا واجب نہیں ان کو یوں انجام دینا کہ نماز کا تقدس اور

marfat.com

عبادت کا حسن مجروح ہو مکروہ ہیں، مثلاً بلا وجہ حرکت کرنا، بدن کھجاتے رہنا، کپڑے یا داڑھی سے کھیلتے رہنا، سر پر اس طرح کپڑا ڈالنا کہ کنارے لٹکتے رہیں، آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھالینا، ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالنا، انگلیاں چٹخانا، آسمان کی طرف دیکھتے رہنا، قران مجید کو ترتیب کے بغیر پڑھنا۔ پگڑی یوں باندھنا کہ درمیان سے سر کھلا رہے، تصویر جو جاندار کی ہو اسے پہننا اور نماز پڑھنا۔ جاندار کی تصویر کا سامنے ہونا۔ سامنے قبر کا ہونا۔ کفار کے عبادت خانوں میں نماز پڑھنا، امام سے پہلے مقتدی کا رکوع یا سجود میں جانا، سجدہ کی حالت میں بلا وجہ کنکر وغیرہ ہٹانا، ادھر ادھر دیکھتے رہنا۔

ان کے علاوہ ہر وہ عمل جس سے نمازی کی توجہ بٹی رہے، دیکھنے والا ان حرکات کی وجہ سے نمازی کو خارج از نماز سمجھے، یا یہ کہ ان حرکات سے حاضری کے تصور میں یکسوئی نہ رہے۔ نماز دراصل مکمل خود سپردگی کی مظہر ہے اس کیفیت کو کسی صورت نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، شلوار، پاجامہ یا تہہ بند ٹخنوں سے نیچے ہوں تو نماز مکروہ ہے بلکہ اس پر سخت وعید ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "ٹخنوں سے نیچے تہہ بند (یا کوئی اور کپڑا یا لباس) کا جو حصہ ہے وہ آگ میں ہے۔(۱)

یہ انداز فخر و غرور ہے اور متکبرین کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے آمین۔(۲)

## وہ صورتیں جن میں نماز توڑنے کی اجازت ہے

تکلیف یا ایذاء کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی موذی جانور کاٹ لے گا، کسی کھلے جانور کو پکڑنے کے لئے کہ بھاگ نہ جائے یا یہ کہ اس پر کوئی درندہ جھپٹ نہ پڑے،

---

(۱) صحیح البخاری کتاب اللباس باب ما اسفل من الکعبین

(۲) نوٹ: نماز کے فرائض، واجبات، سنن، نوافل وغیرہ کی مزید تفصیل کے لئے صحیح البھاری جلد ثانی ص: ۳۵۶ تا ۵۰۸ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

marfat.com

کوئی چور یا ڈاکو کوئی چیز لے بھاگا اسے پکڑنے کے لئے، دودھ کے ابلنے یا ترکاری یا روٹی کے جلنے کا خطرہ ہو، گاڑی چھوٹ جانے کا یقین ہو، رفع حاجت کے لئے شدید حاجت ہو، کوئی مصیبت زدہ یا مظلوم مدد کے لئے پکار رہا ہو یا کوئی ڈوب رہا ہو یا جل رہا ہو، کوئی نابینا کہیں مثلاً کنویں میں گر رہا ہو، ایسی کوئی صورت پیدا ہو کہ جان، مال یا عزت کا خطرہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، حالات کے موافق ہوتے ہی نماز پڑھ لینا چاہئے۔

## نمازی کے آگے سے گزرنا

نمازی کے آگے سے گزرنا سخت منع ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر گزرنے والے کو خبر ہو کر نمازی کے آگے سے گزرنے میں کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس تک کھڑے رہنے کو ترجیح دے۔ راوی کہتا ہے اس سے چالیس روز یا چالیس مہینے یا چالیس سال مراد ہو سکتے ہیں۔(۱)

نمازی کو بھی احتیاط کرنا چاہئے کہ وہ راہ گزر میں نماز نہ پڑھے اور اگر کوئی صورت نہ ہو تو سامنے سے کوئی آڑ بنالے، اگر دیوار وغیرہ ہے تو یہ کافی ہے وگرنہ ایک ہاتھ سے تین ہاتھ تک اونچا اور کم از کم ایک انگلی برابر موٹا کوئی عصا کھڑا کر دے تا کہ رکاوٹ کی شکل بن جائے۔ اس کو اصطلاح فقہ میں سترہ کہتے ہیں۔

## نماز پڑھنے کا طریقہ

نماز پڑھنے کا ارادہ ہو جائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ بدن، کپڑے اور جگہ صاف ہے اور یہ کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے، جب یہ بنیادی شرائط مکمل ہوں تو وضو کرنا چاہئے اور وضو میں ان تمام احکام کو پیش نظر رکھنا ہے جو وضو کے عنوان سے درج کی جا چکیں، مکمل تیاری کے بعد نمازی اپنے پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ رکھ کر

---

(۱) صحیح البخاری الصلوٰۃ باب اثم المار بین یدی المصلی

marfat.com

کھڑا ہو جائے اور جو نماز ادا کرنا ہے اس کی نیت کرے۔ دل سے لازم ہے، زبان سے بھی نیت ہو تو مستحب ہے۔ یوں کہے کہ اس نے فلاں نماز کی دو یا تین یا چار رکعت فرض، واجب یا سنت کی نیت کی، اللہ تعالیٰ کے لئے، منہ قبلہ شریف کی جانب، جماعت میں ہو تو کہے پیچھے امام کے، نیت کر کے دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے، ہاتھوں کی انگلیاں عام حالت میں ہوں یعنی نہ بند نہ زیادہ کھلی ہوئی اور ہتھیلیاں قبلہ رخ ہوں، ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نیچے لے آئے اور ناف کے نیچے باندھے لے اس طرح کہ دائیں ہتھیلی بائیں کلائی کے سر پر ہو اور درمیانی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر ہوں۔ انگوٹھا اور چھنگلیا یعنی چھوٹی انگلی کلائی کا گھیرا ڈالے یعنی ایک طرف سے پکڑے اور دوسری جانب سے حلقہ بنائے۔ نمازی عورت ہو تو سینے پر ہاتھ باندھے اور وہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سینے سے لگائے اور دائیں ہتھیلی اس کی پشت پر رکھے۔ قیام کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ پر رہے۔

ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآاِلٰہَ غَیْرُکَ (۱)

ترجمہ: اے اللہ تیری پاکیزگی ہے تیری حمد کے ساتھ، تیرا نام برکت والا ہے اور تیری عظمت بلند تر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے)

اور تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اللہ تعالیٰ کے نام کی مدد سے وہ اللہ جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے) پڑھے۔

---

marfat.com

(۱) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب حجۃ من قال لایجھر بالبسملۃ

## پھر سورۃ الفاتحۃ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۝ آمِيْن ۝

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، نہایت رحم والا مہربان ہے، بدلے کے دن یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے، اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہی مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا۔

پھر آہستہ سے آمین کہے۔ اس کے بعد سورت جو یاد ہو یا کسی سورت کی تین آیات پڑھے، قرأت کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے اور رکوع کے احکام کے مطابق رکوع کرے اور رکوع میں تسبیح کو تین بار پڑھے، تسبیح یہ ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم (۱) (میرا عظمت والا پروردگار پاک ہے) پھر رکوع سے واپس قیام کی طرف آئے اور یہ پڑھے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ تعالیٰ نے اس کی پکار سن لی جس نے اس کی حمد کی) اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب سب تعریف تیرے لئے ہی ہے)

رکوع کے بعد کھڑا ہونے کو قومہ کہتے ہیں اس میں پوری متانت کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے، سجدہ پوری شرائط کے ساتھ کرے اور سجدہ میں تسبیح تین بار پڑھے، سجدہ کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

---

(۱) ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ

marfat.com

(میرا بلندیوں والا پروردگار پاک ہے (۱) پھر سجدہ سے اللہ اکبر کہہ کر اٹھے اور جلسہ کی طرح بیٹھے اور دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے اور تین بار تسبیح پڑھے اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے، تسمیہ اور الفاتحہ اور کوئی سورت پڑھے، سورت یاد نہ ہو تو تین آیات پڑھ لے پھر رکوع، سجود پہلی رکعت کی طرح ہی کرے، دوسرے سجدے سے اٹھ کر قعدہ کرے، اگر نماز دو رکعت کی ہے تو یہ قعدہ اخیرہ ہے اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہے تو یہ قعدہ اولیٰ ہو گا۔ قعدہ اولیٰ ہو یا قعدہ اخیرہ اس میں یہ تشہد پڑھے، صحیح بخاری و صحیح مسلم نے یہ تشہد روایت کیا ہے:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. (۲)

ترجمہ: تمام قولی عبادات، تمام فعلی عبادات اور تمام مالی عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اگر نماز دو رکعت والی ہو تو تشہد کے بعد درود شریف اور دعا پڑھے اور اگر تین یا چار رکعت کی نماز ہو تو تشہد کے بعد اللہ اکبر کہہ کر قیام کرے، اگر یہ فرض نمازیں ہیں تو تیسری اور چوتھی میں قیام کے دوران میں صرف بسم اللہ اور سورہ فاتحہ پڑھے، ساتھ کوئی اور سورت یا آیات نہ ملائے اور حسب سابق رکوع و سجود کرے،

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشہد

(۲) صحیح البخاری کتاب الاذان باب التشہد فی الآخرۃ

marfat.com

اگر سنت یا نفل کی نماز ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ، پھر سورہ فاتحہ اور پھر کوئی سورت یا تین یا زیادہ آیات پڑھے۔ اگر نماز تین رکعت کی ہے جیسے نماز مغرب کے فرض تو تیسری رکعت کے بعد اور اگر نماز چار رکعت ہے تو چوتھی رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ کرے۔

یاد رکھیے! اگر نماز کی دو رکعتیں ہیں تو دو کے بعد ہی قعدہ اخیرہ ہے اور اگر نماز تین رکعت کی ہے تو دو کے بعد قعدہ اولیٰ ہے اور تین کے بعد قعدہ اخیرہ اور اگر نماز چار رکعت کی ہے تو دو کے بعد قعدہ اولیٰ اور چار کے بعد قعدہ اخیرہ ہوگا، نماز کوئی بھی ہو اگر قعدہ اولیٰ ہے جو دو رکعت والی نماز میں نہیں ہوتا تو قعدہ میں صرف تشہد پڑھا جائے گا اور اللہ اکبر کہہ کر اٹھنا ہوگا اور اگر قعدہ اخیرہ ہے خواہ دو رکعت کے بعد یا تین رکعت کے بعد یا چار رکعت کے بعد تو تشہد کے بعد درود پاک اور دعا شامل کرنا ہے، درود پاک جو صحیحین میں روایت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم قعدہ کرو تو درود پڑھو اور وہ درود یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (۱)

ترجمہ: اے اللہ! تو حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت بھیج جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت بھیجی۔ بے شک تو صاحب حمد، بزرگی والا ہے، اے اللہ! تو حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکتیں بھیج جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر برکتیں بھیجیں بے شک تو صاحب حمد، بزرگی والا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب

marfat.com

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے روایت کی گئی دعاؤں سے کوئی دعا پڑھنی چاہئے، متداول دعا یہ ہے جو قرآن مجید کی دعاؤں میں سے ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ٥ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ٥ (ابراھیم ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرمالے، اے ہمارے رب مجھے، میرے والدین اور سب مومنوں کو بخش دے اس روز جب حساب ہونے لگے گا۔"

التحیات، درود پاک اور دعا کے بعد سلام کہنا ہے دائیں جانب چہرے کو پھیر کر اس نیت کے ساتھ کہ دائیں طرف کے نمازیوں اور فرشتوں کو سلام کیا جا رہا ہے، یوں سلام کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہ (تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) پھر بائیں جانب رخ کرے اور اسی نیت کے ساتھ کہ بائیں جانب کے نمازیوں اور فرشتوں کو سلام کیا جا رہا ہے سلام کہے اَلسَّلَام عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ اور نماز سے فارغ ہو جائے۔

نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے خالق و مالک کے حضور اپنی التجائیں پیش کرے۔ جس قدر چاہے قرآن مجید میں موجود دعاؤں سے یا احادیث میں روایت کی گئی دعاؤں سے انتخاب کرے اور اگر عربی زبان میں دعائیں یاد نہ ہوں تو اپنے جذبوں کو جس زبان مین بھی ادا کر سکے ادا کرے۔ فرض نماز کے بعد عموماً یہ دعا مانگی جاتی ہے:

دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ. (۱)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصلوۃ باب مایقول اذا سلم میں اس کے بعض حصے روایت ہوئے ہیں۔

marfat.com

ترجمہ: ''اے اللہ تو! السلام ہے اور سلامتی تجھی سے ہے اور سلامتی کا لوٹنا بھی تیری جانب ہے، اے ہمارے رب! تو برکت والا، تو بلندیوں والا ہے اے جلال و بزرگی والے''۔

## سجدہ سہو

نماز میں کوئی واجب ترک ہو جائے، یا کسی واجب کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو جائے یا کوئی فرض مکرر ہو جائے جیسے رکوع دو مرتبہ ہو گیا یا واجب میں اضافہ ہوا مثلاً قعدہ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لیا۔ ان کا ازالہ سجدہ سہو ہے یعنی بھول جانے کا بدلہ اور اس کی تلافی۔ سجدہ سہو، قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد دائیں جانب سلام پھیرنا اور تکبیر کہہ کر عام سجدوں کی طرح کے دو سجدوں کا نام ہے، دوسری مرتبہ تکبیر کہہ کر بیٹھ جائے تو تشہد سے شروع کر کے درود پاک اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے، کسی غلطی کا شک ہو تو سجدہ ضروری ہے، سجدہ سہو کرنا بھی بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو اگر کوئی کلام یا عمل نماز سے خارج ہونے کا نہیں کیا تو فوری طور پر سجدہ کر لے اور اگر بہت بعد یاد آیا تو سجدہ سہو نہیں ہوگا، اعادہ کرنا پڑے گا۔

## نماز وتر

نماز وتر واجب ہے، کتب صحاح کے حوالے سے حدیث نقل کی جا چکی ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا (۱)

ترجمہ: وتر حق ہے، جو نماز میں وتر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نماز وتر کا وقت نماز عشاء سے صبح صادق تک ہے۔ تہجد گزاروں کو وتر نماز تہجد

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب من لم یوتر

marfat.com

کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ہاں اگر رہ جانے کا خطرہ ہو تو عشاء کی نماز کے ساتھ وتر کی نماز بھی ادا کر لینی چاہیئے ،نماز وتر تین رکعت کی نماز ہے۔ جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں مفصل سورتوں میں سے تین پڑھتے تھے آخر پر **قل ھو اللہ احد** ہوتی تھی (۱) نماز وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے:

تین رکعات نماز وتر کی نیت سے نماز شروع کی جائے اور پہلی دو رکعات نماز کے عمومی انداز میں پڑھی جائیں ،قعدہ اولیٰ اس میں واجب ہے وہ پورا کر کے تیسری رکعت کے لئے اٹھا جائے ، باقی نماز کی طرح اس میں بھی بسم اللہ، سورہ فاتحہ اور کوئی سورت یا آیات پڑھی جائیں، قرأت مکمل ہونے پر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا چاہیئے اور دونوں ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کی طرح اٹھانا چاہیئے، پھر ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھے اور رکوع وسجدہ ،قعدہ اخیرہ کر کے سلام کہے۔

دعائے قنوت میں مشہور یہ ہے اگر چہ اور بھی روایت ہوئی ہیں:

**اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ .اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔** (۲)

ترجمہ: اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں، تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تیرا

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی الوتر

(۲) زیادہ تر یہ دعا مسند ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔

marfat.com

شکرادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم چھوڑتے ہیں اور الگ ہو جاتے ہیں اس سے جو تیری نافرمانی کرے، اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے لئے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہی دوڑتے ہیں، خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

جس نمازی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ یاد کرے، جب تک یاد نہ ہو یہ دعا پڑھ لے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(البقرۃ ـ ۲۰۱)

(اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں حسنات عطا کر اور آخرت میں حسنات دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے)۔ اللہ تعالیٰ نماز ادا کرنے کا ذوق فراواں عطا فرمائے آمین۔

## نماز باجماعت کا بیان

نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسلامی ریاست پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ اقامت صلوٰۃ کے لئے کوشاں رہے۔ یہ اس لئے کہ نماز عبدیت کا سب سے بڑا حسی مظہر ہے، انسان اپنے رب کے حضور سراپا پیکر عجز بنا حاضر ہوتا ہے، یہ انفرادی عمل بھی ہو تو بھی تربیت کردار کے لئے ہمہ جہتی اثرات رکھتا ہے اور اگر یہ عمل اجتماعی صورت میں ہو، کندھے سے کندھا ملا ہو اور یک جہتی کا منظر ہو تو اس کے اثرات قوموں کی تشکیل میں دوررس ہیں۔ ایک امام اور باقی سب مقتدی، نظم قومی کا اس سے بہتر اظہار کہاں ہے، نماز کی ادائیگی میں اجتماعی جلوہ گری کا اہتمام ہے اسی لئے جماعت

marfat.com

کے ساتھ نماز پڑھنے کی پرزور تحریک کی گئی ہے، قرآن مجید نے نماز کا حکم دیا تو یہ بھی ارشاد فرمایا: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (البقرہ:۴۳) کہ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ، نبی اکرم ﷺ نے بار بار جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت کا بیان فرمایا:

☆ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ اَحَدِكُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسَةٍ وَّعِشْرِيْنَ جزءً ا (۱)

ترجمہ: جماعت کے ساتھ نماز، تمہاری اکیلی نماز سے پچیس گنا افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

☆ تفضل صلوة الجميع على صلوٰة الرجل وحده بسبع وعشرين درجة (۲)

ترجمہ جماعت سے نماز کی اکیلے نمازی کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِى بَيْتِهٖ وَصَلٰوته فى سوقه بضعا وعشرين درجة (۳)

ترجمہ: آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز اس کی گھر میں ادا کی گئی نماز اور بازار میں پڑھی ہوئی نماز سے بیس سے زیادہ درجہ رکھتی ہے۔

ایک اور روایت میں بھی ستائیس گنا بلند مرتبہ رکھنے کا ذکر ہے۔

نماز ادا کرنے والے خوش قسمت انسان کے لئے مزید خوش قسمتی کا موقعہ ہے کہ اس ادائیگی کو اجتماعی رنگ میں اپنے رب کے حضور پیش کرے، نا معلوم کتنے

---

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل صلواۃ الجماعۃ

(۲) سنن الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی فضل الجماعۃ

marfat.com

(۳) صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل الصلواۃ المکتوفہ فی جماعۃ

ایسے لوگ اس جماعت میں ہوں گے جن کے اعمال حضوری کا درجہ رکھتے ہوں گے۔ جب تک کوئی معقول عذر نہ ہو نماز جماعت سے ہی ادا کرنا چاہئے۔ عذر یا رو کا ٹیں اس قسم کی ہوسکتی ہیں مثلاً:

موسم سخت خراب ہے، بارش ہے، سخت سردی ہے، تاریکی ہے، تیز آندھی ہے وغیرہ یا یہ کہ

کوئی خوف ہے جان، مال، عزت کے ضیاع کا خطرہ ہے یا یہ کہ

کوئی بیماری یا طبعی ضرورت حائل ہے یا کسی معاشرتی و معاشی نقصان کا خطرہ ہے۔

یا یہ کہ معذور ہے، چل نہیں سکتا، اٹھ نہیں سکتا، اتنا ضعیف یا بوڑھا یا نابینا ہے کہ مسجد تک جانا مشکل ہے تو ایسے لوگوں کو اجازت ہے کہ اپنے گھروں میں نماز ادا کر لیں مگر تندرست اور صاحب ہمت کے لئے جائز نہیں کہ وہ جماعت کو ترک کرے۔

جماعت فرض نمازوں کی ہے البتہ رمضان المبارک میں تراویح جماعت کے ساتھ اور ان کے ساتھ وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھنے چاہییں۔ جمعہ اور عیدین کی جماعت تو ان ایام کے اجتماعات کے مقاصد کا حصہ ہے۔

جماعت میں صف بندی لازم ہے۔ صفیں سیدھی ہوں۔ کندھے سے کندھا ملا ہو۔ اگر جماعت میں عورتیں اور بچے بھی ہوں تو ترتیب کچھ یوں ہوگی: پہلے مرد پھر بچے اور پھر عورتیں، امام مقتدیوں کی پہلی صف کے آگے درمیان میں کھڑا ہوگا، اذان کے بعد جب لوگ نماز کے لئے مسجد میں آئیں گے تو ترتیب سے بیٹھتے جائیں گے، نماز کا وقت ہو جائے تو اقامت کہنے والا کھڑا ہو کر اقامت کہے گا، امام اور مقتدی بیٹھے رہیں گے۔ حی علی الفلاح پر سب کھڑے ہو جائیں گے، امام صفیں سیدھی رکھنے کی تلقین کرے گا اور پھر تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہے گا، مقتدی تکبیر آہستہ کہیں گے اور ہاتھ باندھ لیں گے۔ امام اور مقتدی سب ثناء پڑھیں گے، مقتدی ثناء کے بعد خاموش

marfat.com

رہیں گے، امام قراءت کرے گا، جہری نماز ہو تو مقتدی سن رہے ہوں گے اور سری نماز ہو تو قراءت امام کے تصور سے چپ رہیں گے کہ امام ان کی جانب سے قراءت کر رہا ہے۔ امام قراءت سورہ الفاتحہ سے شروع کرے گا۔ بسم اللہ خاموشی سے پڑھے گا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم: کانوا یفتحون القراءۃ بالحمدللہ رب العلمین (۱) رکوع سجود کی ہر تکبیر امام بلند آواز سے کہے گا، اگر لوگ زیادہ ہوں تو ضرورت کے مطابق مکبر یعنی تکبیر کہنے والے کھڑے کیے جائیں گے۔

رکوع سے اٹھتے وقت امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہے گا اور مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں گے۔ امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ آواز سے، ساری نماز میں مقتدی پر لازم ہے کہ امام کی متابعت کرے اگرچہ اس کی بعض دعائیں بلکہ تشہد وغیرہ رہ جائیں۔

اگر دو نمازی ہی ہوں تو ایک امامت کرائے اور دوسرا اس کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔ اگر کوئی مقتدی دیر سے جماعت کے ساتھ شامل ہوا ہے تو اگر رکوع میں مل گیا ہے تو وہ رکعت ادا ہو گئی ہے اور اگر رکوع رہ گیا کہ ایک مرتبہ بھی سبحان ربی العظیم نہ کہہ سکا تو رکعت نہیں ہوئی، جتنی رکعات امام کے ساتھ شامل نہ ہو سکے مقتدی قعدہ اخیرہ کے سلام میں شریک ہوئے بغیر امام کے سلام کہنے پر کھڑا ہو جائے اور جتنی رکعت رہ گئی ہیں ان کو پورا کرے اور اپنی رکعات کی تعداد کے حوالے سے ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کرے اور قرأت بھی رہ جانے والی رکعات کی حیثیت کے مطابق کرے مثلاً پہلی یا پہلی دوسری رکعات رہ گئی ہیں تو ان کو بعد میں اکیلا ادا کرے اور ان میں ثناء، بسم اللہ، سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھے کہ امام نے ان کو ایسا ہی پڑھا ہے البتہ اگر تیسری

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصلواۃ باب من لم یر الجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم

marfat.com

رکعت بھی رہ گئی تھی تو اس میں صرف بسم اللہ اور سورہ فاتحہ پڑھے۔قعدہ بھی اپنی تعداد اور ترتیب کی مطابقت سے کرے مثلاً اگر قعدہ اولیٰ میں مل گیا ہے تو اس کو شمار نہ کرے کہ دونوں رکعات ادا نہیں ہوئیں اس لئے بعد میں دو پڑھ کر قعدہ کرے، اگر مقتدی کسی رکعت میں بھول گیا وہ جماعت میں ہے اور امام نہیں بھولا تو سجدہ سہو نہیں ہوگا، ہاں اگر امام بھول جائے اگرچہ مقتدی سے بھول نہ ہوئی ہو تو سجدہ سہو کیا جائے گا کہ امام کی پیروی لازم ہے۔

نمازی جماعت کے ساتھ تاخیر سے ملا اور اس کی بعض رکعات بھی رہ گئیں تو بھی اس کو جماعت کا ثواب ملے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِنَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ .(۱)

ترجمہ: ''جس نے نماز کی ایک رکعت بھی پائی اس نے نماز پالی۔''

جماعت کے لئے امام مقرر کیا جاتا ہے تو احتیاط کرنا چاہئے کہ جسے اپنا امام بنا رہے ہیں کیا وہ اس منصب کا اہل بھی ہے یا نہیں امامت کے لئے شرائط یہ ہیں:

## شرائط امامت

امامت در اصل پیشوائی ہے، قوم کی راہنمائی ہے، نماز میں جماعت کی قیادت بھی امامت کہلاتی ہے اور اس منصب کا حق ادا کرنے والا امام کہلاتا ہے، رسول اکرم ﷺ نمازوں کی خود امامت فرماتے، بعد میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اس ذمہ داری کو پورے دینی تقاضوں کے ساتھ نبھاتے رہے لیکن جب حکمران ان اوصاف کے حامل نہ رہے جو سربراہی کے لئے ضروری تھے اور تقویٰ کا ان کی زندگیوں میں برتر مقام نہ رہا یعنی وہ صرف دنیاوی حکمران ہو گئے تو مسجد میں آ کر قوم کے ساتھ کھڑے

(۱) صحیح مسلم ، کتاب المساجد باب من ادرک رکعۃ من الصلواۃ فقد ادرک تلک الصلواۃ

marfat.com

ہونے سے ڈرنے لگے، ان حالات میں کسی با صلاحیت بزرگ یا متقی انسان کی ضرورت پڑی جو اس نظم صلوٰۃ کو قائم رکھے، علماء نے یہ سوچتے ہوئے کہ ہر کس و ناکس دعویدار امامت نہ بنے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس منصب کی ضروری شرائط متعین کر دی ہیں، ان شرائط کا خیال رہنا چاہیئے تا کہ نماز کا تقدس اور معاشرتی رتبہ برقرار رہے، شرائط یہ ہیں کہ امام

۱۔ مسلمان ہو ۲۔ سن شعور کر پہنچا ہو یعنی بالغ ہو ۳۔ صاحب عقل و دانش ہو

۴۔ مرد ہو ۵۔ نماز میں جتنی قراءت ضروری ہو، جانتا ہو ۶۔ معذور نہ ہو

مسلمان ہو اس لئے کہ امت مسلمہ کی قیادت غیر نہیں کر سکتے، وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہو گا تو دوسروں کی قیادت کرے گا، پھر یہ بھی کہ صرف مسلمان ہونے کا دعویٰ ہی نہ ہو، عقائد میں پختہ ہو، توحید و رسالت کے تقاضوں کو سمجھتا ہو، ایسا نہ ہو کہ بدعقیدہ ہو، یہ بھی نہ ہو کہ شریعت اسلامیہ کے احکام پر عمل پیرا نہ ہو۔ عقیدۃً اور عملاً بارگاہ صمدیت میں قوم کی پیشوائی کرنے کے اہل ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا باغی نہ ہو، شان رسالت میں بے باکیاں دکھانے والا نہ ہو، غرضیکہ ہر لحاظ سے بہتر ہو، امامت کا حق اسی کو حاصل ہے جو زیادہ متقی اور زیادہ باعمل ہو البتہ معاشرتی تنظیم قائم رکھنے کے لئے جو امام مقرر کر لیا گیا کہ اس میں شرائط امامت موجود ہیں تو اگر کوئی مہمان اس سے زیادہ صلاحیت والا آ جائے تو دونوں صورتیں جائز ہیں، خود امامت کرائے یا مہمان کو یہ اعزاز بخشے۔

بالغ ہو کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں، وہ جب خود فرض ادا نہیں کر رہا تو دوسروں کے فرض کی قیادت کیسے کرے گا، بچوں کی امامت فرائض میں مناسب نہیں، سنن و نوافل کا بھی یہی حکم ہے، بچہ بچوں کی امامت کر سکتا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں پر فرض عاید نہیں ہوا، یہ صرف تربیت کے لئے ہے۔

marfat.com

عقل والا ہو کہ نماز کی عظمت اورارکان کی تعدیل کو سمجھتا ہو، اگر نادان ہے۔ مخبوط الحواس ہے یا بدمست ہے تو فرائض وسنن کو جانتا ہی نہ ہو گا اس لئے اس معزز ترین منصب کا وہ اہل نہیں۔

مرد ہو کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی، اگر سب عورتیں ہوں تو عورت ان کی امامت اس طرح کرا سکتی ہے کہ وہ درمیان میں صف کے اندر ہی کھڑی رہے، اصل یہ ہی ہے کہ صف اول میں کھڑا ہونا مرد کی ہی ذمہ داری ہے۔

نماز میں چونکہ قراءت ہوتی ہے اور دیگر مقرر اعمال ادا کئے جاتے ہیں اس لئے امام ایسا ہونا چاہئے جو قران مجید کی درست قراءت کی صلاحیت رکھتا ہو، اسے کم از کم اس قدر سورتیں یا آیات یاد ہوں کہ وہ قراءت کر سکے، نماز میں قرآن مجید سے یا کسی ورق سے دیکھ کر قراءت نہیں کی جاسکتی۔

معذور نہ ہو یعنی ایسا مرض یا عذر لاحق نہ ہو کہ نماز کے فرائض وسنن ادا کرنے سے قاصر ہو، پھر یہ بھی خیال رہے کہ امامت ایک منصب ہے، اس کے احترام سے فرائض میں دل لگتا ہے، اگر امام کا احترام دلوں میں نہ ہو یا اس کے وجود سے طبیعت مانوس نہ ہو تو فرض کی ادائیگی میں حضور قلب کی کیفیت پیدا نہ ہو گی اور ایک کھچاؤ سا رہے گا، اس لئے امام کو صحت مند ہونا چاہئے، ہاں ایسی بیماری جو مسجد کے ماحول کو مکدر نہ کرے یا شرائط میں کمی کا باعث نہ بنے، امامت کے لئے نااہل نہیں بناتی۔

مقتدی کو امام کی پیروی لازم ہے، جتنی دیر جماعت میں رہے تمام اعمال امام کے ساتھ ادا کرے، رکوع، سجدہ، قعدہ، تکبیرات کی ادائیگی اور سلام پھیرنے کا مرحلہ سب امام کی متابعت میں ہو، امام سے عناد نہ ہو، نفرت نہ ہو اور ذہنی مخاصمت نہ ہو کہ اس طرح خشوع کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔

جماعت ہر صاف اور پاک زمین پر ادا ہو سکتی ہے مگر اسلامی معاشروں اور

marfat.com

مسلمانوں کی آبادیوں میں اس کے لئے مستقل مقامات مخصوص کئے جاتے ہیں، ان کو مساجد کہتے ہیں، مسجد کی تعمیر کا مقصد ہی اجتماعی شعور پیدا کرنا ہے، مناسب ہے کہ مسجد کے بارے میں بھی ضروری معلومات حاصل کرلی جائیں۔

## مسجد

مسجد کا معنیٰ سجدہ کرنے کی جگہ ہے، نماز میں سجدہ کو بنیادی منزلت حاصل ہے، اس لئے نماز پڑھنے کے مقامات کو سجدہ گاہ کہا گیا۔ قرآن مجید کی شہادت ہے کہ دنیا میں انسانوں کے لئے سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(ال عمران: ۹۶)

ترجمہ: ''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، برکت والا اور جہانوں کے لئے ہدایت کا مرکز۔''

یہی پہلا مرکز مسلمانوں کا قبلہ ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے، دوسرا قدیم ترین مرکز عبادت بیت المقدس ہے جسے قرآن مجید نے معراج النبی ﷺ کے حوالے سے مسجد اقصیٰ کہہ کر ذکر کیا۔ (سورہ اسراء: ۱)

نبی اکرم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سترہ ماہ کے قریب اس جانب رخ کر کے نمازیں ادا کی ہیں تا آنکہ رضائے حضور ﷺ کی پذیرائی سے خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا فیصلہ ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے دوران نماز ہی اپنا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کرلیا، ہجرت کے بعد پہلی مسجد مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل تعمیر ہوئی، اسے مسجد قبا کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی منزلت کا خصوصی ذکر فرمایا، ارشاد ہوا:

marfat.com

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ.

(التوبة:۱۰۸)

ترجمہ: ’’یقیناً وہ مسجد جس کی روز اول سے ہی پرہیزگاری پر بنیاد رکھی گئی زیادہ حق رکھتی ہے کہ آپ اس میں قیام کریں۔‘‘

اس کے بعد مدینہ منورہ کی مسجد نبوی تعمیر ہوئی، اس کی تعمیر میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساتھ خود نبی رحمت ﷺ عملی طور پر شریک رہے، یہ آغاز تھا پھر ملت اسلامیہ نے جہاں بھی موقعہ ملا یا ضرورت محسوس کی مسجد تعمیر کی۔ احادیث میں تعمیر مسجد کی ترغیب پر متعدد روایات موجود ہیں، یہ ارشاد گرامی کہ:

’’جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنائے گا‘‘(۱)

ایک مسلمان کے لئے ترغیب کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ مسجد مرکز رشد و ہدایت ہے اس میں ذکر الٰہی اور مدحت رسول اللہ ﷺ کی محافل بھی منعقد ہوتی ہیں اس کا احترام لازم ہے۔ یہ توحید کا مرکز ہے اس لئے اس میں اسی کا تذکرہ ہونا چاہئے قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہے:۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن:۱۸)

ترجمہ: ’’اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں پس تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو‘‘۔

مساجد عبادت کے مراکز ہیں، اس لئے ان میں روحانی کیف موجود رہنا چاہیے، ان کی صفائی و پاکیزگی کا خیال رکھنا سب پر لازم ہے، ہر نماز ادا کرنے والے کو چاہئے کہ صاف ستھرا ہو کر مسجد میں داخل ہو، کوئی گندگی، بدبو یا تعفن پیدا کرنے والی چیز ساتھ نہ لائے اور نہ کھا کر آئے جس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہو، مثلاً تمبا کو،

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصلواة باب ماجاء فی فضل بنیان المسجد باب الوتر، سنن ابن ماجه باب من بنی للّٰه مسجداً

marfat.com

پیاز، لہسن وغیرہ، مسجد میں داخلے پر جہاں خالی جگہ ملے بیٹھ جانا چاہئے۔ نمازیوں کو دھکیلتے ہوئے کندھوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے، مسجد میں دنیاوی گفتگو نہ چاہیے، ہاں مسلمان امت کے روحانی مسائل اور مادی مفادات کا ذکر ہو تو بہتر ہے، زیادہ تر تلاوت اور درود پاک میں مصروف رہنا چاہئے۔

مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) کہنا چاہئے اور مسجد سے باہر نکلتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ (اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں) (۱) پڑھنا چاہئے، داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اندر رکھیں اور باہر آتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے باہر رکھیں۔

پہلے ذکر ہو چکا کہ مسجد میں باجماعت نماز کو منفرد نماز پر ستائیس گنا فضیلت حاصل ہے۔ مسلمان کا دل مسجد میں لگا رہنا چاہئے کہ مومن صادق مسجد میں یوں ہوتا ہے جیسے پانی میں مچھلی۔

مسجد معاشرتی مظہر ہے، ملت کی عظمت کا نشان ہے اور اجتماعی مسائل کے حل کے لئے مقدس مرکز ہے۔ جمعہ کے اجتماعات مسجدوں ہی میں ہوتے ہیں جن میں شامل ہونا ہر مسلمان پر لازم ہے:

## نماز جمعہ

نماز جمعہ وہ فرض نماز ہے جو اجتماعی شکل میں جامع مسجد میں ہر جمعہ کے روز ادا کی جاتی ہے، یہ مسلمانوں کا ہفتہ وار اجتماع ہے جس میں سب کی حاضری ضروری ہے، قرآن مجید نے اس کا حکم سورۃ الجمعہ میں دیا، ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی

marfat.com

(۱) سنن ابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد

ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعة: ۹)

ترجمہ: ''اے ایمان لانے والو! جب یوم الجمعہ نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور لین دین چھوڑ دو، تمہارے لئے یہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

جمعہ کے روز نماز کے لئے تمام کاروبار چھوڑ کر اذان کی آواز سنتے ہی دوڑ آنے کا حکم دیا گیا، اس سے نماز جمعہ کی اہمیت اور فرضیت کا اظہار ہوا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب نماز پڑھی جائے تو پھر دوبارہ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، اس سے واضح ہوا کہ نمازی جب نماز کے لئے دوڑ آئے تھے تو وہ دنیا کے کاروبار میں مصروف تھے اس لئے اس لین دین کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا، نماز جمعہ کی عظمت دیکھئے کہ کاروبار، فضل اللہ میں بدل گیا، نماز جمعہ فرض عین ہے اور اس کا انکار کفر ہے، نماز جمعہ کا وہی وقت ہے جو نماز ظہر کا ہے کہ یہ نماز، ظہر کا بدل ہی ہے، نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ شہر ہو یا بڑا گاؤں ہو کہ مقصود اجتماعیت ہے اس لئے ہر کہیں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا جامع مسجد نہیں، آبادی کافی ہو، زندگی کی ضروری سہولتیں موجود ہوں بلکہ کوئی منتظم موجود ہو، یہ سب اہتمام اس لئے ہے کہ سماجی روح بیدار رہو۔

۲۔ نماز ظہر کا وقت ہو۔

۳۔ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہو، خطبہ میں حمد وثنا، درود پاک اور مسلمان امت کو درپیش انفرادی اور اجتماعی مسائل کا ذکر اور اس حوالے سے اسلامی تعلیمات کا تذکرہ ہو۔ خطیب بلند جگہ پر کھڑا ہو، سامعین کی طرف رخ کرلے، اس طرح کہ قبلہ پشت کی جانب ہو۔ خطیب کی آواز بلند ہو، خطبہ دو حصوں میں ہو، پہلے میں حمد و درود اور وعظ و نصیحت ہو اور دوسرے خطبہ میں دعا کو

marfat.com

مرکزی حیثیت حاصل ہو، دونوں خطبوں کے درمیان میں خطیب منبر پر بیٹھے اور پھر اٹھے۔

جمعہ میں دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پہلی اذان دعوت جمعہ ہے تا کہ لوگ مسجد میں آنے لگیں، دوسری اس وقت دی جاتی ہے جبکہ امام منبر پر آ جائے اور مؤذن کا سامنا کر رہا ہو، اذان پہلی ہو یا دوسری بلند آواز سے ادا ہوگی۔

جمعہ کا خطبہ عربی میں ہونا چاہئے۔ مقامی زبان میں دوسری اذان سے پہلے وعظ و نصیحت کی جا سکتی ہے۔ تمام سامعین پر لازم ہے کہ خطبہ توجہ سے سنیں، کسی قسم کی بے جا حرکت نہ کریں اور نہ گفتگو کریں، سراپا ادب بن کر دو زانو بیٹھیں، خطبہ کے دوران پورے اجتماع پر ایک وقار طاری رہنا چاہئے۔

۴۔ ایک معقول اجتماع ہو اگر چہ بعض نے کہا کہ امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے، صرف بچے ہوں یا صرف عورتیں ہوں تو جمعہ نہیں ہوتا، زیادہ اجتماع کی کوئی حد نہیں۔

۵۔ اذن عام ہو، جمعہ کے لئے آنے والوں پر کوئی قید نہ ہو، ان کے آنے کا راستہ کھلا ہو اور وہ بلا روک مسجد میں آ سکیں، پابندی خواہ کسی قسم کی ہو، ذاتی مجبوری، حفاظتی اقدام، کسی منصب دار کی موجودگی، سب صورتوں میں نماز جمعہ نہ ہوگی۔

۶۔ اسلامی ریاست ہو تو حاکم یا اس کے نائب کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر ریاست اسلامی نہ ہو تو کسی متفقہ امام کی موجودگی کفایت کرتی ہے۔

جب ان مذکور شرائط کی فراہمی ہو جائے تو جمعہ فرض ہے اب یہ سوال کہ جمعہ کن پر فرض ہے اور کن کو اس فرض کی ادائیگی سے معذور سمجھا گیا ہے، درج ذیل شرائط موجود ہوں تو جمعہ فرض ہے

marfat.com

۱۔ مقیم ہو، مسافر جو لمبے سفر پر ہے اس پر جمعہ لازم نہیں، نماز ظہر ادا کر سکتا ہے۔

۲۔ صحت مند ہو کہ بیمار، معذور، اپاہج اور نابینا پر جمعہ فرض نہیں۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی مسجد تک آ جائے یا کوئی ان کو لے آئے تو جمعہ فرض ہے۔

۳۔ آزاد ہو، غلام اور لونڈی جو دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں معذور ہیں۔

۴۔ مرد ہو، عورت اور بچے پر جمعہ فرض نہیں، ہاں اگر مسجد میں گنجائش، سہولت اور انتظام ہو تو جمعہ ادا کرنا بہتر ہے۔

۵۔ بالغ ہو کہ نابالغ کی شمولیت مستحسن ضرور ہے مگر اس پر کوئی عبادت ابھی تک فرض نہیں ہوئی۔

۶۔ عاقل ہو، دیوانے، مدہوش، مخبوط الحواس پر جمعہ نہیں۔

ایسے افراد جو قید ہوں کہ اپنے اعمال کی بجا آوری کے لئے آزاد نہیں یا وہ افراد جن پر کسی ظالم کا جبر ہے کہ وہ اجازت کے بغیر کہیں آ جا نہیں سکتے یا ایسے افراد جو شدید بارش یا آندھی کی زد پر ہیں اور ان کے لئے حاضر ہونا ممکن نہیں یا ایسے افراد جو سہارے کے بغیر آ نہیں سکتے، ان تمام پر جمعہ فرض نہیں، یہ لوگ نماز ظہر پڑھ سکتے ہیں اور اکٹھے ہوں تو جماعت بھی کرا سکتے ہیں۔

نماز جمعہ کی رکعات دو ہیں، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

صَلٰوۃُ الْجُمْعَۃِ رَکْعَتَانِ (۱)

کہ نماز جمعہ کی دو رکعات ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خود قبا سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے بنو سُلیم کے محلے میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی تھی۔ آپ کا ارشاد بھی ہے:

اَلْجُمْعَۃِ وَاجِبَۃٌ عَلٰی مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَۃٍ (۲)

---

(۱) سنن النسائی کتاب الجمعة باب الکلام والقیام بعد النزول عن المنبر

(۲) سنن دارقطنی

marfat.com

جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ واجب ہے۔نماز جمعہ جماعت کے بغیر ادانہیں ہوتی اور نہ اس کی قضا ہے۔رہ جائے تو نماز ظہر قضا کرنا ہوگی۔

جمعۃ المبارک کے فضائل کے حوالے سے بہت احادیث روایت ہوئی ہیں، مثلاً یہ کہ جمعہ مسکینوں کا حج ہے، جمعہ کا دن سید الایام ہے، جمعہ کے روز درود پاک کی کثرت چاہیے کہ یہ دن مشہود ہے اس میں فرشتے آتے ہیں (۱) ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جمعہ کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرے، نئے یا صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور مسجد میں حاضر ہونے میں پہل کرے۔اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔آمین۔

## عید الفطر اور عید الاضحیٰ

اسلام دین روحانیت بھی ہے اور دین معاشرت بھی، دنیاوی زندگی میں عزت و وقار، آسودگی و خوشحالی اور مسرت و شادمانی درکار ہے تو اخروی زندگی میں کامیابی و کامرانی، قربت و منزلت اور بخشش و نجات بھی مطلوب ہے، قرآن مجید نے جو دعا خود بیان فرمائی ہے اس میں اس توازن کا تذکرہ ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرہ: ۲۰۱)

ترجمہ: ”گروہ انسانی میں سے وہ (بانصیب لوگ) بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے“۔

ثابت ہوا کہ کامیاب و بامراد وہ لوگ ہیں جو حسنات دنیا کی طلب کے ساتھ حسنات آخرت کی تمنا بھی رکھتے ہیں اور بہر حال دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعائیں کرتے ہیں، یہی اسلامی تعلیمات کا توازن ہے جو ہر معاملے میں ملحوظ

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الجمعہ باب فی فضل الجمعہ

marfat.com

ہے، دین، کچھ اعمال کی بجا آوری کا تقاضا کرتا ہے تا کہ ان کے ذریعے حسنات کا فروغ ہوتا رہے، حسب ضرورت بقائے انسانیت کے لئے مادی رجحانات کی ترویج کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور مناسب ماورائی میلانات کی افزائش کو بھی اہمیت دی گئی ہے اس لئے کہ مادی خوشحالی اور روحانی آسودگی اسلام کا ہدف ہے، یہی وجہ ہے کہ عبادات و فرائض میں بھی دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے، نظام معاشرت میں مسرت و خوشی کے لمحات بھی قیمتی ہیں، عید میلاد النبی ﷺ، اہل ایمان کے دلوں میں محبت کے فانوس روشن کر دیتی ہے کہ انہیں اپنے محبوب کریم ﷺ کی آمد پر در و دیوار کو بھی روشن کرنا ہے اور قلب و روح میں بھی چراغاں کرنا ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ایسے ہی لمحات کی امین ہیں۔

## عید الفطر

رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا، روزہ خواہشات نفس کو آداب آشنا بنانے کا ذریعہ ہے، یہ تقویٰ کے حصول کا وسیلہ ہے، رمضان المبارک کا پورا مہینہ عبادت و ریاضت میں گزرا، عبادت کا یہ دورانیہ مکمل ہوا، اطاعت شعاری کی مسلسل مشق میں کامیابی مسرتوں کا پیغام تھی اس لئے ماہ شوال کا پہلا دن سعادتوں کی نوید لایا، یہ عید کا دن ہے، سرخروئی کا لمحہ ہے، مؤمن کی پہچان اطاعت ہے، سجدہ اس کا جوہر ہے اس لئے وہ اس خوشی کے دن کو بھی صف بصف اور قطار در قطار مسجدوں میں گزارتا ہے، مؤمن جوق در جوق عید گاہوں کا رخ کرتے ہیں، مسرت کے اظہار کا ہر ظاہری مگر جائز ذریعہ اپنایا جاتا ہے، حجامت بنوائی جاتی ہے، ناخن ترشوائے جاتے ہیں، غسل کیا جاتا ہے، نئے اور صاف کپڑے پہنے جاتے ہیں، خوشبو لگائی جاتی ہے مکمل پاکیزگی اوڑھے ہر کوئی عید گاہ کی طرف روانہ ہوتا ہے، نماز کی ادائیگی سے قبل صدقہ فطر ادا کیا

marfat.com

جاتا ہے جو تقریباً دوکلو گندم یا اس کے برابر ہوتا ہے، اس حوالے سے اس عید کو عیدالفطر کہتے ہیں، تکبیر کہتے ہوئے رواں دواں ہونے سے اسلامی معاشرت کی یک رنگی اور سماجی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے، ایک راستے سے عیدگاہ جانے کا اہتمام ہوتا ہے تو راستہ بدل کر دوسرے راستے سے واپسی کا تا کہ ہر جانب اسلامی شوکت کا احساس جلوہ گر ہو، نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے،(۱) پہلے فرزندان ملت سیسہ پلائی دیوار بنے نماز عید ادا کرتے ہیں جس میں چھ تکبیروں کا اضافہ ہوتا ہے کہ یہ دن کبریائی کے اظہار کے لئے ہے، نماز کے بعد امام خطبہ عید پڑھے گا۔ نماز عید اور خطبہ کے بعد لوگ احباب سے گلے ملتے ہیں، معانقے ہوتے ہیں، شادمانی کے لمحات میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اور دوستوں یا رشتہ داروں سے ملاقات کر کے باہمی الفت کو فروغ دیتے ہیں۔

## عیدالاضحیٰ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبہ اطاعت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جذبہ ایثار و قربانی کی یادگار ہر سال دس ذوالحجہ کو منائی جاتی ہے، عیدالاضحیٰ میں بھی عیدالفطر کا سا اہتمام ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہاں کامرانیٔ اطاعت کا ولولہ ہے تو یہاں وفا شعاری کے دوام و بقا کا جوش ہے، ایک حیرت انگیز قربانی کہ باپ اپنے بڑھاپے کے اکلوتے سہارے کو زمین پر لٹائے ہوئے ہے، چھری ہاتھ میں ہے، خالق کی رضا بہر قیمت مطلوب ہے اور بیٹا جو ابھی نوخیز ہے، معصومیت کا پیکر ہے، باپ کے خواب کو سچ ثابت کرنے کے لئے خوش دلی اور رضامندی سے ذبح ہونے کو تیار ہے، آداب فرزندی اور استقامت عقیدہ کا یہ مظاہرہ چشم فلک نے کب دیکھا تھا؟ سراپا سپاس گزاری کا یہ استحکام اور تقویٰ شعاری کا یہ خلوص رنگ لایا، جس پروردگار نے

---

(۱) صحیح البخاری کتاب العیدین باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید

marfat.com

امتحان چاہا تھا اس نے فدیہ ادا کر دیا، اس طرح صبر و اطاعت کی ایک درخشاں روایت قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کا افتخار بنی، یہ سب کچھ دس ذوالحجہ کو ہوا، اسی کو عید کا دن قرار دیا گیا، یہ یوم نحر ہے، قربانی کا دن ہے اس لئے عید الاضحیٰ کہلایا اور ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم ہوا کہ اس دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد منائے، یہ کسی جانور کے ذبح کرنے یا اس کا خون بہانے کا منظر نہیں، یہ تو رخ حیات کو وفا شعاری کے غازے سے گلنار بنانے کا موقعہ ہے۔

عید الاضحیٰ کے روز، مسلمان امت اسی انداز کا اظہار کرتی ہے جو عید الفطر سے مخصوص ہے کہ عیدگاہ کی تیاری ہے لباس کی عمدگی اور نیاپن ہے، ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ عید الفطر کے روز عیدگاہ جاتے وقت کسی میٹھی چیز کا کھانا سنت ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ کھجور کھا کر روانہ ہوتے تھے مگر عید الاضحیٰ کے لئے نکلتے وقت کچھ نہ کھانا چاہئے (۱) کہ امتحان کے اس لمحے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے ہی منیٰ کی جانب گئے تھے۔

## عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز

شارع اسلام ﷺ کا ارشاد ہے صَلٰوۃُ الْفِطْرِ رَکْعَتَانِ (۲) یعنی عید الفطر کی نماز دو رکعت کی ہے۔ یہی حکم عید الاضحیٰ کی نماز کا ہے، یہ نمازیں اجتماعی طور پر جماعت کے ساتھ ہی ہو سکتی ہیں، اکیلا شخص نماز ادا نہیں کر سکتا، اگر کسی وجہ سے یہ نمازیں رہ جائیں تو ان کی قضا بھی نہیں ہے۔

عیدین کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ بھر بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال تک رہتا ہے، عید الفطر کی نماز میں قدرے تاخیر مناسب ہے جبکہ عید الاضحیٰ کی نماز جلد ادا کرنا مستحب ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی ابواب العیدین باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج

(۲) سنن النسائی کتاب صلوٰۃ العیدین باب عدد صلوٰۃ العیدین

marfat.com

عید کی نماز واجب ہے، اس کے واجب ہونے کے لئے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کیلئے ہیں، فرق صرف ادائیگی کے وقت کا ہے کہ نماز جمعہ، نماز ظہر کا بدل ہے جبکہ عیدین کی نماز زائد نماز ہے کہ پانچوں فرض نمازوں میں سے کسی کا بدل نہیں۔

عیدین کی نماز میں نہ اذان ہوتی ہے نہ اقامت جبکہ جمعہ کی نماز میں اذان و اقامت کا ادا کیا جانا ضروری ہے۔

عیدین کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنا سنت ہے جبکہ جمعہ کا خطبہ نماز سے قبل پڑھا جاتا ہے اور یہ جمعہ کی شرائط میں سے ہے۔

## عیدین کی نماز کا طریقہ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ایک ہی طرح ادا کی جاتی ہے، دونوں نمازوں میں چھ تکبیریں زائد ہیں، تین پہلی رکعت میں تین دوسری رکعت میں۔

نمازی عیدین کی نماز کے لئے صف در صف کھڑے ہو کر نیت کرے کہ وہ دو رکعت نماز عید الفطر یا نماز عید الاضحیٰ ادا کرنے لگا ہے، نیت میں چھ زائد تکبیروں، امام کے ساتھ، کعبہ مشرفہ کا رخ کرنے کا اظہار کرے، زبان سے بھی یہ اعلان ہو تو بہتر ہے اگرچہ مدہم لہجے ہیں۔

☆ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے پر مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہے اور ہاتھ باندھ لے۔

☆ آہستہ آہستہ سب ثناء پڑھیں۔

☆ ثنا کے بعد امام ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہے تو مقتدی بھی ایسا ہی کرے اور ہاتھ چھوڑ دے، دوسری مرتبہ بھی امام کی پیروی کرتے ہوئے ایسا ہی کرے، تیسری مرتبہ ہاتھ اٹھا کر امام کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔

☆ امام، تسمیہ، سورۃ الفاتحہ اور کوئی سورت یا کسی سورت کی کم از کم تین آیات

marfat.com

پڑھے گا، مقتدی خاموش رہ کر سنے، تلاوت کے بعد امام اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے۔ اس طرح پہلی رکعت میں تین تکبریں زائد کہی گئیں۔

☆ رکوع وسجود امام کے ساتھ ہوگا، رکعت مکمل ہونے پر امام کھڑا ہو جائے گا تو مقتدی بھی کھڑا ہو جائے۔

☆ امام تسمیہ (خاموشی سے) سورۃ الفاتحہ اور کوئی سورت یا کسی سورت کی آیات تلاوت کرے گا، مقتدی صرف سنے۔

☆ قرأت کے بعد امام اللہ اکبر کہے گا اور ہاتھ اٹھائے گا، مقتدی بھی ایسا ہی کرے، دوسری مرتبہ امام پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے گا، مقتدی پیروی کرے۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ہر مرتبہ اللہ اکبر کہنا ہے، ہاتھ اٹھا کر چھوڑنے ہیں۔ یہ تین زائد تکبریں ہیں جو دوسری رکعت میں ادا کی گئیں۔

امام چوتھی مرتبہ اللہ اکبر کہے گا، اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے گا بلکہ رکوع میں چلا جائے گا، مقتدی بھی اسی طرح اللہ اکبر کہہ کر بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع میں چلا جائے اور دوسری رکعت مکمل کرے یعنی سجدے ادا کرے، قعدہ میں بیٹھے اور سلام کہہ کر نماز سے فارغ ہو جائے۔

یہ ضرور یاد رہے کہ نماز کے ہر عمل میں امام کی مطابقت رہے۔

سلام کہتے ہی تکبیرات تشریق بلند آواز سے کہنا چاہئے، تکبیرات تشریق یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ (۱)

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔

---

(۱) مسند ابن ابی شیبہ عن ابی الاسود رضی اللہ عنہ سنن دار قطنی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

marfat.com

نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے گا جس کے لئے کوئی اذان نہ ہوگی، خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا۔ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام، عید الفطر کا خطبہ ہو تو رمضان المبارک کی عظمتوں کا ذکر ہوگا۔ وداع کا قلق اور پھر اس سعادت کو پانے کا تذکرہ کیا جائے گا، عید الاضحیٰ کا موقع ہو تو خطبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفا شعاریوں کا شمار ہوگا اور قربانی کی اہمیت اور اس کے مسائل کا بیان ہوگا۔ نماز کے بعد اور خطبہ کے دوران میں تکبیرات تشریق ادا ہوتی رہنی چاہئیں۔

☆ نماز اور خطبہ کے بعد دعا پر اس پورے عمل کی تکمیل ہوگی۔

☆ عید گاہ سے واپسی راستہ بدل کر ہو کہ یہی مسنون طریقہ ہے اور اسی میں شوکت اسلام ہے۔

عیدین کے ایام معاشرتی حسن سلوک، احباب کی دلجوئی، ہمسایوں سے پیار و الفت اور غرباء کی غم خواری اور امانت کے دن ہیں کہ یہی اسلامی معاشرت کا حسن ہے۔ عید الفطر تو نماز کی ادائیگی کے ساتھ ہی مکمل ہو جاتی ہے کہ تکبیرات بھی ختم ہوگئیں مگر عید الاضحیٰ میں قربانی کا عمل دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تک جاری رہتا ہے کہ یوم نحر یعنی دس تاریخ کے بعد امت مسلمہ کی سہولت کے لئے دو دن مزید اجازت دی گئی ہے۔ عید الاضحیٰ کے ساتھ تکبیرات تشریق بھی مسلسل جاری رہتی ہیں۔ ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے، تکبیرات، ایام تشریق میں ادا کرتے رہنا لازم ہے۔ ایام تشریق 9 ذوالحجہ کی نماز فجر سے تیرہ ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہیں، نماز جماعت سے ہو تو سب نمازیوں کو وحدت اعلان کے ساتھ تکبیرات کہنا چاہییں، منفرد نماز کی صورت میں بھی تکبیر کہنا واجب ہے۔

عیدین کی نمازوں کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ سال بھر میں سعادت کے مواقع ہیں، اگر یہ رہ گئیں تو ان کا ازالہ بھی نہیں ہے۔ جوق در جوق پورے ایمانی جذبوں کے ساتھ دین کی عظمت کے ان دلوں کو منانا چاہئے، یہ ضرور

marfat.com

یاد رہے کہ ایک مومن کی زندگی کا حسن سجدہ ریزی سے عبارت ہے، خوشی کے ان لمحات میں عبدیت کا یہ اجتماعی مظاہرہ ملی زندگی میں اطاعت شعاری کے ذوق کو فراواں کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مسرت بھرے لمحات کو دائمی مسرت کا ابتدائیہ بنانے کی توفیق دے آمین۔

## مریض کے لئے نماز کے احکام

نمازی بیمار ہے اور یہ بیماری اس قدر شدید ہے کہ قیام کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے، ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ صرف اجازت ہے کہ اس سے مشکل دورانیے میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اور اگر مرض کی نوعیت یہ ہے کہ بیٹھنا بھی دوبھر ہو رہا ہے تو لیٹے لیٹے نماز ادا کی جا سکتی ہے، اس طرح کہ پہلو پر لیٹ جائے، رخ قبلہ کی جانب کرے اور اگر سیدھا لیٹا ہے تو اپنے سر کو کسی سہارے سے کچھ اونچا کرے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے مگر پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوں اور چہرہ قبلہ کی جانب رکھے۔ تمام اعمال اشارے سے انجام دے۔ لیکن اگر یہ بھی ہمت نہیں ہے کہ اشارے سے بھی نماز ادا نہیں کی جا سکتی تو نماز معاف ہے۔ جو نمازیں لیٹ کر یا بیٹھ کر ادا کی گئیں وہ ادا ہو گئیں، تندرست ہونے پر قضا نہیں، ہاں جو ادا نہیں کی جا سکیں وہ تندرست ہونے پر ادا کی جائیں گی۔ ان احکام کا مقصود یہ ہے کہ کسی حالت اور کسی صورت میں نماز سے غفلت نہ ہو اور اطاعت شعاری کی عادت ہر حال میں باقی رہے کہ عبدیت کا یہی تقاضا ہے۔

## مسافر کے لئے نماز کے احکام

مسافر کا عمومی یا لغوی معنی سفر کرنے والا ہے، ہر وہ انسان جو اپنے گھر سے کسی سفر کے ارادے سے نکل پڑے تو وہ مسافر ہے اگرچہ سفر کتنا ہو اور کتنے دنوں کا

marfat.com

ہو، مگر اسلامی شریعت کی اصطلاح میں مسافر صرف وہ ہے جو گھر سے سفر کے ارادہ سے نکلا ہو اور اس کا سفر دو بنیادی شرائط کا حامل ہو۔

☆ ایک یہ ہے کہ سفر کم از کم تین دن کا ہو اور مسلسل ہو، تین دن سے مراد یہ ہے کہ اگر مسافر پیدل چلے اس کی چال درمیانی ہو کہ نہ تیز ہو کہ دوڑ رہا ہو اور نہ بہت آہستہ کہ راستے میں بے مقصد ٹھہرے یا سفر طے نہ کرے، راستے میں حوائج کا ازالہ بھی ہو اور کھانا پینا بھی، ایسی کیفیت میں جتنا سفر طے ہوگا وہ سفر کی مقدار ہے، رسول اکرم ﷺ کے اسفار کا جائزہ لیا جائے اور ان میں سفر کی کیفیات کو پیش نظر رکھا جائے تو ایسے سفر کو تقریباً ساڑھے ستاون میل کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے شرعی حکم کے مطابق مسافر وہ ہے جسے کم از کم ساڑھے ستاون میل کا سفر درپیش ہو۔

☆ دوسری شرط سفر کا دورانیہ ہے، حکم یہ ہے کہ سفر کر کے جہاں جانا ہے، وہاں قیام کی مدت پندرہ روز سے زائد نہ ہو کہ روایات میں پندرہ یوم کی صراحت موجود ہے۔ دورانیہ کا تعین ارادے سے کیا جاتا ہے کہ گھر سے نکلتے وقت ارادہ کتنے دنوں کا ہے، اگر ارادہ یہ ہے کہ پندرہ روز سے کم ٹھہرنا ہے، اگر چہ یہ کمی کسی مقدار کی ہو تو ایسا مسافر شرعی اعتبار سے بھی مسافر ہے، مختصر یہ کہ اصطلاحاً مسافر وہ ہے جو ساڑھے ستاون میل یا اس سے زیادہ کے سفر پر روانہ ہو اور اس ارادے سے گھر سے نکلے کہ اس سفر میں پندرہ روز سے کم رہنا ہے، شرط یہ بھی ہے کہ قیام ایک مقام پر ہو یعنی عام محاورہ میں وہ ایک ہی مقام کہلائے۔ صرف گھر بدل جائے یا ایک ہی شہر کا محلہ بدل جائے تو اسے ایک ہی مقام سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر شہر بدل دیا گیا تو دونوں مقامات کا مجموعہ شمار نہ ہوگا، اور اگر قیام کا ارادہ پندرہ یوم سے زائد کا ہے تو پھر وہ مسافر مقیم کے حکم میں ہے یعنی شرعی حوالوں سے وہ مسافر نہ سمجھا جائے گا، اگر چہ وہ اصلی مقیم نہ بھی ہو۔ اور اگر ایسی صورت ہو جائے کہ ارادہ

marfat.com

کم ہے۔ مگر مصروفیت کی وجہ سے قیام بڑھتا جارہا ہے تو جب تک پندرہ روز مسلسل قیام کا ارادہ نہ ہوا مسافر ہی ہوگا۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ خیبر میں چالیس روز رہے مگر قصر نماز پڑھتے رہے کہ ارادہ زیادہ ٹھہرنے کا نہ تھا۔(۱)

☆ سفر کرنے والا جب اپنی بستی یا شہر کی حدود سے باہر نکل جائے گا تو سفر کے احکام شروع ہو جائیں گے اور جب ان حدود میں داخل ہوگا تو احکام سفر بدل جائیں گے۔

☆ شرعی اصطلاح کے مطابق جب کوئی مسافر ہو جاتا ہے تو اس پر نماز قصر ہوگی، قصر سے مراد ہے چار رکعت کا دو ہو جانا، یہ صرف فرائض میں ہوتا ہے، ظہر عصر اور عشاء کے فرضوں میں قصر ہے، نماز فجر دو رکعت ہی رہے گی اور نماز مغرب تین رکعت کی ہوگی، نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ مسافر کی نماز کتنی ہے تو ارشاد فرمایا:

رَكعتين رَكعتين اِلَّا المَغرِب. (۲)

یعنی نماز دو دو رکعت ہے سوائے نماز مغرب کے، سنتیں اور نوافل اس قصر کے حکم میں شامل نہیں، پوری پڑھی جائیں، ہاں اگر مجبوری ہے، پریشانی ہے جلدی ہے تو چھوڑی جا سکتی ہیں۔

☆ قصر نماز مسافر کے لئے لازم ہے، وہ پوری نماز نہیں پڑھ سکتا کہ نبی محترم ﷺ کا ارشاد ہے:

صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ. (۳)

ترجمہ: ''یہ صدقہ ہے جو اللہ عزوجل نے تم پر انعام کر دیا ہے پس اس کے صدقہ کو قبول کرو'' کہ ارشاد باری ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (النساء: ۱۰۱)

---

(۱) مسند عبد الرزاق عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) مسند احمد جلد ۶ ص: ۲۶۵

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر

marfat.com

ترجمہ: ”جب تم زمین کے سفر پر ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو“۔

یہ اشتباہ کہ یہ صلوٰۃ خوف ہے سفر نہیں اس کا ازالہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے، ہم تو وہی کرتے ہیں جو آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔(۱)

اور اگر کوئی مسافر چار رکعت پڑھ لے اور اس نے قعدہ اولیٰ کیا ہے تو پہلی دو رکعت نماز فرض ہو گئی اور باقی دو نفل مگر ارادۃً ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کوئی مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے گا تو پوری پڑھے گا کہ امام کی پیروی کر رہا ہے اور اگر امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم تو امام دو رکعت کے بعد سلام کہے گا مگر مقتدی باقی نماز مکمل کرے گا، امام کو ایسی صورت میں جماعت سے قبل اپنے مسافر ہونے کا اعلان کر دینا چاہئے تا کہ مقتدی سے غلطی نہ ہو جائے۔

## نماز تراویح

رمضان المبارک میں روزہ کا حکم ہوا تو قیام اللیل کی تاکید بھی کی گئی۔ حدیث مبارک میں ہے کہ

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (۲)

ترجمہ: ”جس نے رمضان میں قیام کیا، ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے گئے“۔

یہ نماز تراویح ہے، یہ نماز سنت مؤکدہ ہے، اس کی جماعت سنت کفایہ ہے، ترک کرنا مناسب نہیں اور اگر سب لوگوں نے ایسا کیا تو سب گنہگار ہوں گے۔

نماز تراویح کا وقت نماز عشاء کے وقت سے طلوع فجر تک ہے، نماز

(۱) سنن النسائی کتاب تقصیر الصلواۃ فی السفر

marfat.com

وتر، تراویح کی نماز سے پہلے یا بعد میں ادا کی جاسکتی ہے بلکہ درمیان میں بھی ممکن ہے مثلاً کچھ تراویح پڑھ لیں اور امام نے وتر کی نماز شروع کردی تو شامل ہو جائیں اور باقی تراویح بعد میں پڑھ لی جائیں، رمضان المبارک میں تراویح کی نماز اور نماز وتر جماعت سے پڑھی جاتی ہیں، کوئی نمازی فرض کی جماعت میں شامل نہ ہو سکا تو اسے وتر تنہا ادا کرنا زیادہ مناسب ہے، جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو پھر بھی ہو گئے۔

نماز تراویح بیس رکعات ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی میں تراویح کی جماعت کا فیصلہ کیا تو بیس رکعات پڑھنے کی ہدایت کی، (۱) امام مالک رضی اللہ عنہ نے تیئس کی روایت کی (وتر کے ساتھ) (۲) تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا چاہئے اور ہر چار رکعت کے بعد اتنی مدت کے لئے بیٹھنا چاہئے جتنی مدت میں چار رکعت ادا ہو سکیں، اس کو ترویحہ کہتے ہیں اسی کی جمع تراویح ہے۔

نماز تراویح میں مختلف آیات کی قراءت کی جاسکتی ہے، توفیق حاصل ہو تو پورے قرآن مجید کی قراءت بھی کی جاسکتی ہے، اس سے قرآن مجید پڑھنے، سننے کی برکات حاصل ہوتی ہیں، عصر حاضر میں شبینہ کی روایت بھی قائم ہوگئی ہے، یہ اچھا عمل ہے مگر اس کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تلاوت ہو رہی ہو تو سننا لازم ہے۔ عدم تو جہی گناہ ہے۔

نماز تراویح میں ترویحہ کے وقفہ میں نفل پڑھے جاسکتے ہیں یا کوئی دعا پڑھی جا سکتی ہے، متعدد دعائیں پڑھی جا رہی ہیں۔ ایک مروج اور مستحسن دعا یہ بھی ہے۔

سُبْحٰنَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَیبَةِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ ط سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَنَامُ وَلَایَمُوْتُ ط سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ ط لَآاِلٰهَ اِلَّا اللهُ نَسْتَغْفِرُ اللهَ نَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ ط

---

(۱) سنن البیہقی عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ (۲) مؤطا امام مالک رضی اللہ عنہ

marfat.com

ترجمہ: ''پاک ہے وہ جو ملک والا قوتوں والا ہے، پاک ہے جو غلبے والا، عظمت والا، ہیبت والا، کبریائی والا اور اقتدار والا ہے۔ پاک ہے وہ بادشاہ جو حیّ ہے کہ نہ سوتا ہے نہ اس پر موت طاری ہوتی ہے۔ پاک ہے، قدوس ہے، وہ ہمارا رب ہے اور فرشتوں اور روح کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اے اللہ ہم تجھ سے جنت مانگتے ہیں اور دوزخ سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔''

## نماز جنازہ

انسان کو بہر حال ایک دن دنیا کو چھوڑنا ہے کہ موت اس کی منزل ہے، جانے والا بعد والوں کو یہ پیغام دے جاتا ہے کہ سب کو اس راستے پر گامزن ہونا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت دونوں کو پیدا فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ٥

(الملک : ۲)

ترجمہ: ''وہ اللہ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ جانچے کہ تم میں بہتر عمل والا کون ہے۔''

انسان اپنی زندگی میں احسن عمل کا متلاشی رہے تو یہ سعادت مندی ہے اور اس کا اجر اس کے لئے ہے۔ دین اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے تمام اعمال کو موت پر ختم ہونے کے تصور کو جھٹلایا ہے اور مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کا طریقہ سمجھایا ہے، اس طرح کہ دعا سے جانے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور دعا گو کو بھی۔ موت کی وادی میں سب کو اترنا ہے کہ فیصلہ یہی ہے:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (الانبیاء: ۳۵)

(marfat.com)

یعنی ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

یہ عمل ہر وقت اور ہر کہیں جاری ہے اس لئے اس سلسلے میں چند بنیادی مسائل کا جاننا ضروری ہے:

انسان محترم ہے اور یہ احترام موت طاری ہونے کے بعد بھی جاری رہنا چاہیے، ان سلی چادروں کا کفن مہیا کرنا بعد والوں کی ذمہ داری ہے، غسل دینا اور مکمل عزت کے ساتھ جنازہ تیار کرنا، سب سے اہم بات کہ میت کو سامنے رکھ کر نماز ادا کرنا لواحقین پر لازم ہے کہ یہ وہ آخری نماز ہے جس پر زندگی کا سفر تمام ہوتا ہے، یہ دعائے مغفرت بھی ہے اور توحید و رسالت کو تسلیم کرنے کا اعلان بھی، نماز جنازہ کے بارے میں چند امور لائق توجہ ہیں:

☆ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ اگر چند افراد نے نماز جنازہ پڑھ لی تو یہ فرض سب کی طرف سے ادا ہو گیا اور اگر کسی نے بھی نہ پڑھی تو سب گنہگار رہیں۔

☆ نماز جنازہ ہر مسلمان کی پڑھی جاتی ہے خواہ وہ مسلمان متقی، پرہیزگار اور نیک ہو یا فاسق گنہگار اور بے عمل ہو۔

☆ نماز اس میت پر پڑھی جاتی ہے جو زندہ ہوا ور مر جائے، مردہ پیدا ہونے والے بچے کی نماز نہیں ہوتی۔

☆ نماز میت کو سامنے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، غائبانہ جنازہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔

☆ امام کو نماز جنازہ کے وقت میت کے سینے کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور یہ کہ میت کے قریب کھڑا ہونا ہے۔

☆ نماز فرض اور نماز جنازہ اکٹھی ہو جائیں تو پہلے فرض ادا کئے جائیں گے۔

☆ نماز جنازہ مسجد میں ادا نہیں کی جاتی، ہاں اگر مسجد نماز جنازہ کے لئے ہی بنائی گئی ہو تو جائز ہے۔

marfat.com

# نماز جنازہ کا طریقہ

☆ میت سامنے ہو، امام میت کے سامنے اتنے فاصلے پر کھڑا ہو جو ایک صف کے لئے ہوتا ہے، باقی تمام لوگ صف در صف کھڑے ہوں، صفوف کی تعداد طاق ہونا بہتر ہے۔ جب سب کھڑے ہو جائیں تو میت کا ولی جس کو اجازت دے وہ نماز جنازہ پڑھائے۔ ولی سے مراد قریب تر رشتہ دار ہے۔

☆ نیت یہ ہے: چار تکبیر نماز جنازہ، ثناء اللہ تعالیٰ کے لئے، درود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اور دعا حاضر میت کے لئے منہ کعبہ شریف کی طرف، ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائیں اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے جائیں۔

☆ پہلے ثناء پڑھیں، نماز میں پڑھی جانے والی ثناء میں وَلَا اِلٰہَ غَیرُکَ سے پہلے جَلَّ ثَنَاءُ کَ کا اضافہ کریں، نہ ہو سکے تو وہی ثنا پڑھ لیں۔

پھر امام تکبیر کہے گا، رفع یدین یعنی ہاتھ اٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہیں۔

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھیں، نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف زیادہ مناسب ہے۔

درود شریف کے بعد تیسری تکبیر کہیں مگر رفع یدین نہ کریں۔

تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھیں۔

میت بالغ مرد یا بالغ عورت کی ہو تو یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثٰنَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ (۱)

---

(۱) سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی الدعا فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ

marfat.com

ترجمہ: اے اللہ! تو مغفرت فرما، ہمارے ہر زندہ، ہمارے ہر مردہ ہمارے ہر حاضر، ہمارے ہر غائب، ہمارے ہر چھوٹے، ہمارے ہر بڑے، ہمارے ہر مرد اور ہماری ہر عورت کی۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو نے زندہ رکھا تو اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو نے موت دی ہم میں سے تو اسے ایمان پر موت دے"۔

میت اگر بالغ لڑکے کی ہے تو یہ دعا پڑھی جائے:

**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَآ اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا.**

ترجمہ: اے اللہ! تو اسے ہمارے لئے پیش رو بنا اور اسے ہمارے لئے اجر اور ذخیرہ بنا اور اسے ہمارے لئے ایسی سفارش کرنے والا بنا جس کی سفارش منظور ہو"۔

میت اگر نابالغ لڑکی کی ہے تو یوں دعا پڑھی جائے گی:

**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً.**

ترجمہ: "اے اللہ تو اسی بچی کو ہمارے لئے پیش رو بنا، اسے ہماری لئے اجر اور ذخیرہ بنا اور اسے ہمارے لئے ایسی سفارش کرنے والی بنا جس کی سفارش منظور ہو"۔

☆ دعا کے بعد چوتھی تکبیر بغیر رفع یدین کئے کہیں اور دونوں جانب عام نماز کی طرح سلام کہیں۔

☆ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگیں۔

☆ قبرستان سے ہٹ کر یا واپس گھر آ کر دعائے مغفرت کرتے رہیں۔

اولاد، رشتہ داروں اور لواحقین کا حق ہے کہ وہ مرحوم یا مرحومہ کے لئے دعا اور اس کی بخشش اور بلندی درجات کے لئے حسب توفیق خیرات کرتے رہیں۔ اللہ تعالی بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

marfat.com

ان نمازوں کے علاوہ بہت سی نفل نمازیں ہیں جن کی ادائیگی باعث اجر و

ثواب ہے، مثلاً صلوٰۃ التسبیح کہ اس کا بہت اجر ہے۔

تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین، استسقاء کے علاوہ نماز حاجت، نماز تحیۃ المسجد اور کئی دیگر نوافل۔ انسان کو اللہ تعالیٰ ہمت دے تو اسے اپنی نجات اور کامیابی کے لئے نوافل ادا کرتے رہنا چاہیئے۔

## سجدہ تلاوت

قرآن مجید میں چودہ مقامات ایسے ہیں کہ جب ان کی تلاوت کی جائے تو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے اور نماز کی طرح ایک سجدہ کرے پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے، اگر یہ عمل بیٹھ کر بھی کر لیا گیا تو سجدہ ہو گیا، سجدہ تلاوت میں رفع یدین نہیں، اس میں تشہد اور سلام بھی نہیں، امام قراءت میں آیت سجدہ پڑھے تو اسے چاہئے کہ اسی وقت سجدہ کرے اور مقتدی ساتھ دیں۔ ایک مجلس میں آیات سجدہ کو بار بار سننے یا پڑھنے سے ایک ہی پر سجدہ واجب ہوتا ہے، سجدہ تلاوت، واجب ہوتے ہی ادا کر لینا چاہئے لیکن اگر کوئی مجبوری حائل ہو جائے تو پہلی فرصت میں ادائیگی کا اہتمام کر لے۔

## ارکان اسلام

# الزکوٰۃ

marfat.com

# الزکوٰۃ

ارکان اسلام میں سے ایک اور اہم رکن زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ، اسلامی معیشت میں بڑا فعال کردار انجام دیتی ہے، معیشت کی استواری اور معاشی احتیاج سے انسانی معاشرہ کی حفاظت انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ اگر اس کا اہتمام نہ ہو تو سماجی اضطراب جنم لیتا ہے، اسلام اس اساسی ضرورت کو تعلیمات کا نمایاں تر حصہ بناتا ہے، تقسیم زر کے بے لاگ اور واضح اصول متعین کرتا ہے تاکہ کسی کے حق معاش کی نفی نہ ہو اور افراد معاشرہ میں بے جا مسابقت کی وجہ سے باہمی نفرت کی ترویج نہ ہو، اس سلسلے میں اساسی، انقلابی رویہ حق محنت کا اعتراف ہے، محنت کو ہی پیمانۂ عطا قرار دیا گیا ہے اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم: ۳۹) یہ کہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے محنت کی ہے"۔ "آسان جلب زر کی نفی ہوئی تو سود، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی اور بددیانتی کو قبیح جرائم قرار دیا گیا، سود کو اس لئے حرام کیا کہ اس سے انسانی رویوں میں درندگی کی نمود ہوتی ہے، معاشی بے چینیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ سود، معیشت کا وہ ناسور ہے جس کا سرطان، جسد ملت کے ہر عضو میں سرایت کرتا ہے جس سے پوری قوم معاشی بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سودی رویہ انسانی راکھ سے مفاد پرستی کے ریزے چننے کا نام ہے، یہ دولت مندوں کا جبر اور انسان دشمنوں کا مکر ہے اس لئے اسلام معاشرے کو ہر حالت میں اس غلاظت سے پاک رکھنے کا خواہش مند ہے، اسلام معاشی تگ ودو پر حلّت کی شرط عاید کرتا ہے اور حلّت کا یہ تصور محنت سے عبارت ہے اس لئے اسلام میں محنت کی میزان پر ہی مفادات کو وزن کیا جاتا ہے، محنت کی بنا پر اسلام انسان کا حق ملکیت تسلیم کرتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کا حق محنت پامال نہ ہو، اس لئے چوری، ڈاکہ، دھوکہ دہی، فریب

marfat.com

کاری اور دوسروں کے حقوق سے انحراف کو جرم قرار دیتا ہے، کسی کا تہی دست ہونا، معاشرتی توجہ کا تقاضا کرتا ہے مگر دست دراز ہونا بھی مناسب نہیں اسی لئے تو خواہش نفس کے تحت بڑھے ہوئے ہاتھ کو کاٹ دینے کا حکم ہے۔ (المائدہ: ۳۸)

معاشی آسودگی کے لئے محنت لازم ہے، محنت میں ذاتی انہماک دوسروں کی محنت کا احساس دلائے گا جس کے نتیجہ میں دست طمع دراز نہ ہوگا، یہ معاشرتی اعتماد کا سہانا پن ہے اور ایسی فضا ہی مقصود ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، زندگی کے بعض ایسے، مجبوریوں کے گھیرے نامساعد ماحول کی تلخیاں اور حالات کا جبر بسا اوقات بعض افرادِ معاشرہ کو تہی دست بنا دیتے ہیں۔ اسباب متعدد اور متنوع ہو سکتے ہیں مثلاً ہو سکتا ہے کوئی ناگہانی حادثہ اپاہج بنا دے اور حصول معاش کی طاقت نہ رہے، ممکن ہے کوئی مہلک بیماری معاشی تگ و دو کے لئے مطلوب ہمت چھین لے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضعیف العمری قوت کار سے محروم کر دے، ایسے افراد، وہ قوت نہیں رکھتے جو تلاش رزق کے لئے ضروری ہے اس لئے ایسے افراد نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کے تعاون کے محتاج اور اپنے ہم جنسوں کے دست نگر ہو جاتے ہیں۔ انہیں خبر ہے کہ سوال انسانی وقار کی نفی ہے مگر جب حالات کی ستم ظریفی لاچار کر دے کہ زندہ رہنے کے لئے دوسروں کی مدد ضروری ہو جائے تو اسلام کا نظام معیشت ان کو سوالی و گداگر بننے کی پستی سے بچانے کے لئے معاشی کفالت کا اہتمام کرتا ہے، قرآن مجید میں ایسے افراد جو خوشحال اور صاحب حیثیت ہیں ان پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ اپنے آپ کو اس معاشی کفالت کے لئے پیش کریں، اسلام معاشی وقار کا تحفظ بھی چاہتا ہے اور تعاون کا حکم بھی دیتا ہے، حسن کلام اور رویوں کا جمال دیکھئے کہ ایسی معاونت کو صدقہ کہا گیا۔ اس کا مادہ صدق ہے، واضح کر دیا گیا کہ دینا یا عطا کرنا سچا عمل ہے جو کردار کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔

marfat.com

ذاتی محرومیوں اور اپنے حالات کے جبر کے علاوہ کچھ وہ افراد بھی ہیں جو اس لئے محرومیاں اوڑھ لیتے ہیں کہ کسی ہوسناک ظالم انسان، یا کسی غیر انسانی رویوں کی حامل حکومت یا ملک، یا بنیاذ ہنیت کے کسی ادارے نے ان پر معاشی ستم ڈھایا ہے اور بزور معاشی سہولتوں پر قبضہ کرلیا ہے جس سے بہت سے افراد معاشی حقوق سے محروم ہو گئے ہیں، کبھی برتر قوت ایسے ضابطے یا قانون بنالیتی ہے کہ محنت کش بھرپور جدو جہد کے باوجود آسودگی نہیں پاتا اور وہ اس حق سے بھی محروم ہو جاتا ہے جسے ''فضل اللہ'' کہا گیا ہے، آدم علیہ السلام کے اس دنیا میں تشریف لانے کے موقعہ پر خالق کائنات نے ایک فیصلہ سنادیا تھا کہ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ (البقرہ: ۳۶) اور تمہارے لئے زمین میں قرارگاہ بھی ہے اور قیامت تک کے لئے سامان زیست بھی۔ لکم کہہ کر سمجھا دیا گیا تھا کہ یہ زمین اور اس زمین میں موجود رزق کے تمام وسائل انسانیت کا مشترک ورثہ ہیں، واضح کردیا گیا تھا کہ زمین کا دامن قرار گاہ بننے کے لئے کبھی تنگ نہ ہوگا اور نہ ہی حصول رزق کے ذرائع میں کمی آئے گی۔ یہ خالق کائنات کا زمین پر آنے والوں کے ساتھ وعدہ تھا۔ اس واضح ارشاد کے باوجود کبھی یہ احساس ابھرتا ہے کہ جیسے زمین کا دامن تنگ ہو رہا ہے، یا وسائل رزق میں کمی آرہی ہے یا وہ ناکافی ہوتے جارہے ہیں، حقیقتاً یہ احساس، فکر کا الجھاؤ ہے کہ ایسا ہوا نہیں ہے، یہ تو مصنوعی حد بندیاں اور ظالمانہ تقسیم کا نتیجہ ہے کہ کچھ مفاد پرستوں نے وسائل کے آگے بند باندھ دیئے ہیں، یہ احتیاج، غیر فطری تقسیم اور کسی کی ہوسنا کی کا شاخسانہ ہے، اسلام اس ظالمانہ تقسیم کا ہر در بند کرنا چاہتا ہے اور کفالت باہمی کا ہمہ گیر نظام برپا کرنا چاہتا ہے، معاشی احوال میں جھول آجائے تو اس کے ازالے کے لئے احکام جاری کرتا ہے، اسلامی تعلیمات کا عمومی رخ یہ ہے کہ عدم مساوات کو پھیلنے سے روکا جائے کہ اس سے معاشرتی اضطراب بلکہ بسا

marfat.com

اوقات خونی انقلاب جنم لیتا ہے۔ اسی لئے تقسیم دولت کو ضابطوں کا پابند بنایا گیا، اساسی مقصد یہ رہا کہ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (الحشر: ۷) تاکہ یہ دولت تم امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے، اسی بنا پر معاشی ادبار کے شکار افراد کے لئے خوشحال افراد سے یہ تقاضا کیا گیا کہ وہ ان کو ان کا حق لوٹائیں، اس کو احسان مندی کا مظہر نہ گردانا گیا بلکہ اس کو حق قرار دیا گیا ارشاد ہوا: وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذٰریات: ۱۹) اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے''۔ اس حق کی فراہمی کو ممکن بنانا ریاست کی ذمہ داری ہے، وسائل کی افزونی، مساوی تقسیم اور اس تقسیم میں عادلانہ رویہ قوت مقتدرہ پر لازم ہے تاکہ معاشی احتیاج جنم نہ لے کہ یہ احتیاج ہی گناہ کا محرک بنتا ہے اور کفر کی راہ دکھاتا ہے، ریاست میں قوت حاکمہ کی موجودگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ ناانصافی کا خاتمہ ہو، حضور اکرم ﷺ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآءِ هِمْ فَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَآئِهِمْ (۱) کہ افراد ملت کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے محتاجوں کو لوٹا دیا جائے گا، اس لینے اور لوٹانے سے مطلوب معاشی ہمواری ہی ہے، نہ لیا جائے گا تو دولت کا تعفن پیدا ہوگا اور نہ لوٹایا جائے گا تو باہمی منافرت جنم لے گی۔

زکوٰۃ جو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے، معاشی کفالت کے لئے لازم قرار دی گئی ہے، اسلامی تعلیمات میں انفاق فی سبیل اللہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، انفاق کی متعدد صورتیں ہیں، ان میں زکوٰۃ ایک فرض کی حیثیت سے شامل ہے، حدیث جبریل جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور دیگر متعدد فرامین میں زکوٰۃ کا اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد بار زکوٰۃ کی فرضیت کا اعلان کیا مثلاً ارشاد ہوا:

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ

marfat.com

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا

(المزمل: ۲۰)

ترجمہ: ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو، تم جو بھلائی بھی اپنے لئے آگے بھیجو گے تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ بہتر ہے اور اجر میں عظیم تر ہے''۔

صدقات کے ذکر میں متعدد صورتوں کی نشاندہی ہوئی کہ اسلامی معاشرت میں خوشحال اور صالح معاشرہ کے لئے یہ اساسی رویے ہیں، زکوٰۃ کا بیان نماز کے ذکر کے ساتھ بار بار ہوا اور اس فرض کی اہمیت مختلف انداز واسلوب سے واضح کی گئی، سورۃ المؤمنون میں فلاح وکامرانی کے ضابطوں کا ذکر ہوا اور ان میں زکوٰۃ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، اس حوالے سے ذکر ہوا کہ فلاح پانے والے مومنین وہ ہیں جو:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۴)

ترجمہ ''اور فلاح پانے والے وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

زکوٰۃ کو حسین قرض کہا گیا کہ دینے والے کو یقین حاصل ہو کہ اس کی واپسی ہوگی اور بہتر ہوگی جو اپنے اجر کے حوالے سے اپنی مقدار سے زیادہ ہوگی۔

زکوٰۃ کا لفظی معنیٰ پھلنا، پھولنا، پاک ہونا ہے۔ زکوٰۃ اپنے اجر کے اعتبار سے یوں بڑھتی ہے جیسے ایک کونپل پھیل کر، ایک درخت یا ایک بیج نشو ونما پا کر مضبوط ڈھل بن جاتا ہے، زکوٰۃ میں دیا گیا مال بڑھتا ہے اور باقی مال کو پاک کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اس طرح زکوٰۃ کا عمل دوگونہ جزا کا موجب بنتا ہے، اس سے واضح ہوا کہ زکوٰۃ، اخراج کا عمل نہیں، پاکیزگی کا سامان ہے۔ زکوٰۃ کا بیان کبھی حکم کے پیرائے میں ہوا کہ امر کا صیغہ استعمال ہوا، کبھی مومنوں کی صفات حسنہ کے طور پر تو کبھی مقام

marfat.com

مدح ہیں، وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یا اس سے ملتا ہوا اسلوب بار بار قرآن مجید کا حصہ بنا، مومنانہ صفات کے حوالے سے بھی کئی بار ذکر ہوا مثلاً سورہ النور میں احکام الٰہیہ کے پابند افراد اور ان کی صفات کا بیان کچھ اس انداز سے ہوا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (النور: ۳۷)

ترجمہ: ''مردان حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے، زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی''۔

دنیا میں کاروباری انہماک، حصول منفعت کے لئے تجارتی تگ و دو، انسان کو بہت سے اہم امور سے غافل کر دیتی ہے مگر مردان باصفا کا رویہ ہر حال میں اطاعت شعاری کا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد ان کا ہر دم کا وظیفہ ہوتی ہے۔ بندگی کا سلیقہ نماز کی ادائیگی سے تقویت پاتا ہے اور حیرت یہ ہے کہ تجارت اور خرید و فروخت کا تو مقصود ہی نفع حاصل کرنا ہوتا ہے مگر وہ لوگ ان مراحل میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند رہتے ہیں کہ ان کو دنیاوی نفع سے بہت بڑھ کر آخرت کا نفع عزیز ہو گیا ہے، ان کا مطلوب دنیا نہیں آخرت ہے کہ وہ یوم حساب ہے، اس روز تو آنکھیں الٹنے لگیں گی اور دل ڈوبنے لگیں گے، اسی لئے وہ عاقبت کی فکر کرتے رہتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی حشر کی بے چینیوں کا مداوا ہے اس لئے وفا شعاروں کا ہر دم مطلوب ہے۔ سورہ الحج میں دنیا میں اہل ایمان کے رویوں کا ذکر کیا گیا کہ آخرت کا خوف نیکی کا محرک ہے، کہ یہ ہر دم فکر آخرت کے لئے اطاعت و اتباع کی تحریک دیتا ہے مگر ان لوگوں میں نیکی کے لئے ایسے جذبے بیدار ہو چکے ہیں کہ اس حیات ظاہری میں بھی ان کے رویے ادب شناس رہتے ہیں، فرمایا گیا:

marfat.com

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج : ۴۱)

ترجمہ: ''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو اس زمین میں قوت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے''۔

معلوم ہوا کہ انجام پر نظر رکھنے والے اس دنیا ہی میں اس کا اہتمام کرتے ہیں، زمین پر غلبہ مل جائے، سطوت حاصل ہو جائے تو بھی ان کے رویے مومنانہ ہوتے ہیں، وہ طاقت وقوت کو اطاعت شعاری کے لئے غنیمت سمجھتے ہیں اور ان کے سر سجدوں میں جھکے رہتے ہیں کہ اسی سے عاجزی وفروتنی کا اظہار ہوتا ہے، دولت کی کثرت ان کو بخیل وحریص نہیں بناتی بلکہ وہ اس کو حکم الٰہی کے مطابق خرچ کرنے میں راحت پاتے ہیں، دولت موجود ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا شوق رہے تو عاقبت بخیر ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس کے مقابل وہ لوگ ہیں جو دولت کو بڑھانے کے لئے مسلسل کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں ناجائز ذرائع بھی اختیار کرتے ہیں، سود ایسی ہی ایک مذموم کوشش ہے، اس رویے کی واضح تردید کر دی گئی، ارشاد ہوا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

(الروم: ۳۹)

ترجمہ: ''اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں جا کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا''۔

واضح کر دیا گیا کہ انسان اپنی کم عقلی اور اپنی نادانی سے سمجھتا ہے کہ مال بڑھ رہا ہے حالانکہ یہ مال کا فساد ہے، مال نہیں بڑھتا اس مال کا عذاب بڑھتا ہے۔

marfat.com

اس کے مقابل:

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

(الروم: ۳۹)

ترجمہ: ''اور جو تم زکوٰۃ کے طور پر دیتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو، پس تم ہی وہ لوگ ہو جن کے مال دوگنے ہوئے''۔

واضح طور پر بتا دیا گیا۔ اصل اضافہ تو یہ ہے جو دائمی اور لازوال ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہی جائے۔ یہی دانش مندی ہے مگر ان دانش مند افراد کے مقابلے میں وہ لوگ بھی ہیں جو کم عقل، بے شعور اور حقائق کو جھٹلانے والے ہیں کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور مال کی محبت میں ایمان کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ان کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ (حٰم سجدہ: ۷)

ترجمہ: ''وہ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت سے انکار کرنے والے ہیں''۔

ارکان اسلام میں سے زکوٰۃ کا حکم 8 ہجری کے بعد آیا جبکہ مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا اور مملکت اسلامیہ مسلسل غزوات کے اضطراب سے قدرے محفوظ ہو گئی تھی، اب موقعہ آ گیا تھا کہ فلاح ریاست کے ابدی ضابطے مقرر کر دیئے جائیں چنانچہ اس کے اصول مقرر کر دیئے گئے، ان ضوابط کی پاسداری کرنے والوں کے لئے دنیا میں معاشرتی عظمت اور آخرت میں نجات کا پیغام دیا گیا جبکہ ان کا انکار کرنے والوں اور معاند روش اپنانے والوں کو وعید سنائی گئی، ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (التوبۃ: ۳۴)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ

marfat.com

کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو اُن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں''۔

یہ عذاب یوں ہوگا کہ وہی سونا چاندی گرم کر کے صاحبان مال کے ماتھوں، پہلوؤں اور پشتوں پر لگایا جائے گا اور کارکنان قدرت ان کو اس سزا سے گزارتے وقت کہیں گے۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ٥(التوبة: ٣٥)

ترجمہ: ''یہ ہے جو تم نے جوڑ رکھا تھا اپنے لئے، پس اپنے جوڑے ہوئے کا ذائقہ چکھو''۔

قرآن مجید کے ان واضح احکام کی مزید وضاحت اور عملی تشریح، نبی اکرم ﷺ کے اقوال وارشادات اور اعمال وافعال میں موجود ہے، حدیث جبرئیل علیہ السلام اور دیگر احادیث میں جن میں ارکان اسلام کا ذکر ہوا، زکوٰۃ کا ذکر بڑی وضاحت سے موجود ہے، ان احادیث کا تذکرہ 'ارکان'' پر گفتگو میں ہو چکا ہے۔ زکوٰۃ کو نبی اکرم ﷺ نے 'برہان' قرار دیا تھا کہ یہ اطاعت احکام کا عملی اظہار ہے جس میں رضائے الٰہی پر سب کچھ قربان کر دینے کا اعلان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ایک اعرابی کے استفسار پر نبی رحمت ﷺ نے عبادت کی ترغیب اور شرک سے اجتناب کی نصیحت کی اور فرمایا: وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ ''کہ تو فرض نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے''۔ اس کے علاوہ آپ نے روزوں کا بھی ذکر کیا اور جب اس مرد صالح نے نہایت اعتماد سے عرض کیا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَآ اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس سے زیادہ نہ کروں گا''۔ اس مومنانہ اعلان کے بعد جب وہ واپس مڑا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا جسے پسند ہو کہ وہ جنتی مردوں میں سے کسی کو

marfat.com

دیکھے تو اسے دیکھ لے"۔(۱)

حضور اکرم ﷺ جب بیعت اطاعت و ایمان لیتے تو اس کی شرائط میں زکوٰۃ کا بھی ذکر ہوتا، جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: بَایَعْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ (۲) یعنی "میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی کہ نماز قائم ہوگی، زکوٰۃ دی جائے گی اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کی جائے گی"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَامِنْ صَاحِبِ ذَھَبٍ وَّلَا فِضَّۃٍ لَّایُؤَدِّیْ مِنْھَا حَقَّھَآ اِلَّآ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ صُفِحَتْ لَہٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَیُکْوٰی بِھَا جَنْبُہٗ وَجَبِیْنُہٗ وَظَھْرُہٗ (۳)

ایک طویل حدیث کا یہ حصہ زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے انکار پر عذاب کی شدت کا اعلان کر رہا ہے ترجمہ ہے:

"فرمایا نبی اکرم ﷺ نے جس کے پاس سونا اور چاندی ہے اور وہ ان میں سے ان کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اس کے لئے دوزخ کی چٹانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا تو اس کے پہلو کو، ماتھے کو اور پشت کو داغ لگایا جائے گا"۔

ایک اور حدیث میں تنبیہ کے طور پر ارشاد ہوا:

مَامِنْ رَّجُلٍ لَّہٗ مَالٌ لَّایُؤَدِّیْ حَقَّ مَالِہٖ اِلَّاجُعِلَ لَہٗ طَوْقًا فِیْ عُنُقِہٖ شُجَاعٌ اَقْرَعُ (۴)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ

(۲) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ

(۳) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اثم مانع الزکوٰۃ

(۴) سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب التغلیظ فی حبس الزکوٰۃ

marfat.com

ترجمہ: ''کوئی انسان جس کے پاس مال ہے اور وہ اپنے مال کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا اس کے گلے میں گنجے سر والے سانپ کا طوق ڈال دیا جائے گا''۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتیں رسول اکرم ﷺ کے پاس آئیں، ان دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم دونوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ کہنے لگیں: نہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے دو کنگن پہنا دے؟ عرض کیا: نہیں تو فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرو''۔(۱)

قرآن مجید کی ان واضح تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کی ان روشن ہدایات اور بے غبار تنبیہات کا اثر تھا کہ ملت اسلامیہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو ہمیشہ مقدم رکھا، مال و دولت کی خواہش نے صاحبان ایمان کو کبھی بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے صرف نظر پر نہ اکسایا، معاشرہ جب بھی ان اسلامی ضوابط کا پابند ہوا، رحمتوں کا نزول ہوا اور برکات نے حسن معاشرت کو فروغ دیا۔ اسلامی حکومت اس فرض پر صدق دل سے عمل پیرا رہی، اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کرنے اور ناداروں پر تقسیم کرنے کا عمل ارشادات رسول ﷺ کی روشنی میں جاری رہا، اس حکم کی ہمہ گیری کا احساس قرن اول ہی سے واضح ہو گیا تھا، جب نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے ''اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ'' کا پیغام دیتے ہوئے تشریف لے گئے تو بعض قبائل نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ زکوٰۃ، ایک خراج تھا جو نبی اکرم ﷺ کو ہی ادا کیا جا سکتا تھا، اب اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس فریضہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا، مانعین زکوٰۃ کی یہ روش ایک فریضے سے صریحاً بغاوت تھی، یہ وہ موقعہ تھا جب اسلامی تعلیمات کی مربوط حیثیت کو واضح کرنا ضروری ہو گیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت اور فرائض

marfat.com

(۱) سنن الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی

اسلام سے مضبوط وابستگی نے اس نازک مرحلے پر قائدانہ کردار انجام دیا اور ہمیشہ کے لئے فرائض میں ہر قسم کے جھول کا خاتمہ کر دیا۔ احادیث کی کتب اس عظیم کردار کے تفصیلی بیان کی تمام جزئیات کو محفوظ کئے ہوئے ہیں، مثلاً:

سنن النسائی کی روایت ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْبَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ لِأَبِیْ بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ فَقَالَ ابُوْبَكْرٍ رضی الله عنه لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَإِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ قَالَ عُمَرُ رضی الله عنه فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ شَرَحَ صَدْرَ أَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عرب میں کچھ لوگ کفر کی راہ چلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے جنگ کیسے کریں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے، اس وقت تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تو جو کوئی لا الہ الا اللہ کہے گا تو وہ مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچا لے گا سوائے اس کے حق کے، اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں یقیناً ضرور اس سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ

---

(۱) سنن النسائی، كتاب الزكوة، باب عقوبة مانع الزكوة

marfat.com

مال کا حق ہے یعنی فرض ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھ سے اونٹ باندھنے والی ایک رسی بھی روک لیں گے جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے رہے تھے تو میں یقیناً اس روکنے پر ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا جنگ کے لئے، پس میں جان گیا کہ وہ حق پر تھے۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس مصمم ارادے اور مومنانہ جلال سے واضح ہو گیا کہ نماز کی ادئیگی کے باوجود جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ ملت اسلامیہ کے مجموعی نظم سے بغاوت کرتا ہے اس لئے اس کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابتدائی تردد اسی وضاحت کا معاون بنا کہ کلمہ توحید کا اعلان ارکان اسلام سے بغاوت کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو گفتگو کی ابتداء ہی ایسے لوگوں کے اسلام سے خارج ہو جانے اور کفر اختیار کرنے کے بیان سے کی ہے۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کا ایک ستون ہے جس پر اس دین کی معاشی اساس قائم ہے، واضح ہو گیا کہ کسی رکن اسلام کا انکار اسلام کی تمام تعلیمات کا انکار ہے۔

زکوٰۃ فرض عین ہے، اس کی فرضیت میں دو بنیادی عناصر ہیں، نصاب اور مدت ملکیت، ان پر گفتگو سے پہلے بہتر ہو گا کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی چند شرائط کا ذکر کر لیں، شرائط یہ ہیں:

۱۔ زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے، کافر پر نہیں، اگر چہ وہ اسلامی ریاست کا باشندہ ہو، اس لئے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے محصول یا ٹیکس نہیں۔

۲۔ بالغ پر زکوٰۃ ہے نابالغ پر نہیں کہ وہ ابھی احکام کا مکلف نہیں ہے۔

۳۔ عاقل پر زکوٰۃ ہے، مجذوب یا دیوانے پر نہیں کہ وہ اپنے دیوانہ پن کی وجہ سے تکلفات شرعیہ کا پابند نہیں ہے۔

marfat.com

۴۔ آزاد پر زکوۃ ہے غلام یا لونڈی پر نہیں۔

۵۔ صاحب مال پر زکوٰۃ ہے یعنی جس مال سے زکوٰۃ نکالی جا رہی ہے اس پر صاحب مال کا مکمل قبضہ ہو تو زکوٰۃ ہے۔

۶۔ مال، قرض سے بری ہو، ایسا نہ ہو کہ قرض نکالنے پر نصاب کی حد ہی نہ رہے۔

۷۔ مال حاجات اصلیہ یعنی انسان کی لازمی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔

۸۔ زکوٰۃ صاحب نصاب پر ہے، صاحب نصاب کون ہے اس کی وضاحت درج کی جا رہی ہے۔

۹۔ مال ایسا ہو کہ ایک سال تک رہ سکے، ختم یا خراب نہ ہو جیسے پھل کہ عموماً سال تک باقی نہیں رہتے۔

۱۰۔ مال پر کامل ایک سال گزر چکا ہو، ہر سال کا تعین مال کے حصول سے ہوگا، ہر صاحب نصاب کو سال کا ایک دن مقرر کر لینا چاہئے تاکہ اسی روز مال کا حساب کیا جا سکے۔

حاجات اصلیہ جن پر زکوٰۃ نہیں متعدد ہیں اور حالات و ماحول کے اعتبار سے ان میں فرق بھی آ سکتا ہے، عموماً ان میں درج ذیل چیزیں شامل ہوتی ہیں:

۱۔ گھریلو ساز و سامان مثلاً سلائی مشین، فریج، ایئر کنڈیشنر، کولر، فرنیچر، قالین، دری، عام استعمال کے کپڑے، ملبوسات، کارخانہ کی مشینری، آلات طب و آواز وغیرہ بشرطیکہ ان کی تجارت نہ ہوتی ہو۔

۲۔ سواری، گھوڑا، سائیکل، سکوٹر، کار وغیرہ جب یہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں، کرایہ پر نہ دی جاتی ہوں۔

۳۔ حفاظتی اسلحہ، ذاتی حفاظت کے لئے خواہ کسی قسم کا بھی ہو۔

۴۔ رہائشی مکانات جو کرایہ پر نہ ہوں۔

marfat.com

۵۔ زمین، جائداد وغیرہ اگر یہ تجارت کی نیت سے نہیں۔

۶۔ ہیرے جواہرات، پتھر خواہ کتنا قیمتی ہو اگر صرف استعمال کے لئے ہیں تو زکوٰۃ نہیں۔

زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جبکہ ان اشیاء کو تجارت کے لئے رکھا گیا ہو، اگر تجارت کی نیت نہیں، یہ اشیاء صرف ذاتی یا گھر کے دیگر افراد کے لئے ہیں تو زکوٰۃ نہیں ہے سوائے سونا چاندی کے کہ کسی نیت سے بھی ہو اس پر زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب چار قسم کے اموال سے ترتیب پاتا ہے۔

۱۔ سونا اور چاندی

۲۔ تجارتی مال

۳۔ پالتو جانور جو دودھ کے لئے یا افزائش نسل کے لئے پالے جاتے ہیں۔

۴۔ کھیتی یا باغات کی پیداوار

مذکورہ بالا اموال جب حد نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ ہے اور اگر نصاب سے کم رہیں تو زکوٰۃ نہیں، ان میں سے کھیتی اور باغات کے علاوہ باقی اموال پر کامل سال گزرنے کی بھی شرط ہے۔

## نصاب

نصاب سے مراد وہ مقدار ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں نصاب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کی تمام جزئیات کا ہر صاحب مال کو علم ہونا چاہئے، نصاب کا تعین مال کے حوالے سے ہے اور مال کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے اس لئے نصاب کا تعین بھی مختلف بنیادوں پر ہے مثلاً:

marfat.com

## ۱۔ چاندی کا نصاب

شریعت مطہرہ میں چاندی کا نصاب یہ ہے کہ اس کی مقدار پانچ اوقیہ ہو، حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَيْسَ فِيُ مَادُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ (۱) یعنی پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ کا نصاب کم از کم دو سو درہم ہے، مقامی اوزان کے مطابق ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ ہے اس لئے پانچ اوقیہ ساڑھے باون تولے ہوئے، یہ نصاب کی کم تر سطح ہے اس سے کم چاندی ہو تو زکوٰۃ نہیں۔

## ۲۔ سونے کا نصاب

سونا، بیس مثقال کے برابر ہے تو زکوٰۃ ہے، بیس مثقال سے کم پر زکوٰۃ نہیں کہ یہ اس کے نصاب کی نچلی حد ہے، بیس مثقال کا وزن، مقامی اوزان میں ساڑھے سات تولہ ہے، اس لئے ساڑھے سات تولہ نصاب ہوا اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں۔

بعض اوقات سونا، نصاب سے کم ہوتا ہے مگر چاندی بھی موجود ہوتی ہے اگر چہ وہ بھی نصاب کی مقدار سے کم ہے، ایسی صورت میں دونوں مقداروں کو کسی ایک میں تحویل کر لینا چاہئے، زکوٰۃ چونکہ فقراء کا حق ہے اس لئے اس تحویل میں ان محروم حقداروں کا خیال رکھنا چاہئے یعنی ایسی تحویل کرنا چاہئے جس سے زکوٰۃ لینے والوں کا فائدہ ہو، مثلاً سونا اور چاندی دونوں ہیں اور اپنی الگ الگ حیثیت میں مقدار نصاب سے کم ہیں تو سونے کو چاندی میں تبدیل کرنا چاہئے اس طرح کہ اگر سونے کی مقدار کو چاندی میں بدل لیا جائے اور بدلی ہوئی مقدار اور موجود چاندی مل کر چاندی کا نصاب بن جائے تو زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے، بہتر ہوگا کہ دونوں کی اس وقت

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الورق

marfat.com

بازار کی قیمت نکال لی جائے اور اگر وہ قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا زائد ہے تو زکوٰۃ ادا کی جائے۔

زکوٰۃ، سونا، چاندی سے یا ان کی قیمت نقدی کی صورت میں یا اس قیمت کی جنس کی صورت میں ادا کی جاسکتی ہے۔ مقدار ہو یا نقدی اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔

## ۳۔ مال تجارت کا نصاب

مال تجارت سے مراد وہ مال ہے جو فروخت کی نیت سے اکٹھا کیا گیا ہو۔ اس مال میں سونے یا چاندی کا نصاب معتبر ہے یعنی اگر مال کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو زکوٰۃ ہے، قیمت کا اندازہ یوں لگایا جائے گا کہ سارے سامان کا تخمینہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا مال ایک ہی جنس کا ہو، وہ مختلف اجناس کا مجموعہ بھی ہوسکتا ہے، مال تجارت کے نصاب میں بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ سال کے شروع ہی سے چاندی یا سونے کے نصاب سے کم نہ ہو، چاندی یا سونے میں جس کا رتبہ یعنی مالیت کم ہے اسی کے مطابق حساب لگایا جائے گا۔

## ۴۔ جانوروں میں زکوٰۃ کا نصاب

جانور جن کو اصطلاح شریعت میں سائمہ کہا جاتا ہے یعنی گھومنے پھرنے والے جانوران کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ جانور سال کا بیشتر حصہ چر کر گزارہ کرتے ہوں، ان میں جنگلی جانور شامل نہیں مگر دودھ دینے والے جانور اور وہ جانور جن کو گوشت حاصل کرنے کی خاطر پالا جاتا ہے، ان میں شامل ہیں، جانوروں کی جنس کے اعتبار سے ان کا نصاب الگ الگ ہے اور اس بارے میں احادیث مبارکہ میں بڑی صراحت موجود ہے، نصاب یہ ہے:

(۱) اونٹ:...... اونٹ کی تعداد پانچ ہو تو زکوٰۃ کا نصاب ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

کا ارشاد پاک یہی ہے کہ وَمَنْ لَمْ یَكُنْ مَعَهٗ اِلَّآ اَرْبَعٌ مِنَ الْاِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبُّهَا فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ فَفِيْهَا شَاةٌ ''یعنی جس کے پاس صرف چار اونٹ ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے یعنی رضا کارانہ دینا چاہے مگر جب اونٹ پانچ ہو جائیں تو ان پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔''

یہ فرمان اس خط کا حصہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عامل بحرین کو لکھا جس میں نبی اکرم ﷺ کے احکام کا ذکر کیا گیا، اس خط میں نصاب کی مقدار کا تعین بھی بڑی وضاحت سے موجود ہے جو یہ ہے:

☆ اونٹ پانچ ہوں تو زکوٰۃ ایک بکری

☆ اونٹ کی تعداد پانچ سے زائد ہو تو ہر پانچ پر ایک بکری

☆ پچیس سے پینتیس اونٹ ہوں تو زکوٰۃ ''بنت المخاض''، یعنی ایسی اونٹنی جو سال کی ہو چکی ہو۔

☆ چھتیس سے پینتالیس تک، بنت لبون یعنی وہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے میں جا چکی ہو۔

☆ چھیالیس سے ساٹھ تک، زکوٰۃ میں ایک حقہ یعنی ایسی اونٹنی جو چوتھے سال میں پہنچ چکی ہو۔

☆ اکسٹھ سے پچھتر تک، زکوٰۃ ایک جذعہ یعنی وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو۔

☆ چھہتر سے نوے تک، دو بنت لبون۔

☆ اکیانوے سے ایک سو بیس تک، دو حقہ۔

☆ ایک سو بیس سے تعداد بڑھ جائے تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ۔(۱)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم

marfat.com

## ب۔ گائے بھینس:

گائے بھینس کے نصاب میں تیس کی تعداد نصاب ہے، تیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں اس پر زکوٰۃ کی مقدار نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں صراحۃً موجود ہے، ارشاد ہے:

قَالَ فِی ثَلٰثِیْنَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِیْعٌ اَوْ تَبِیْعَةٌ وَ فِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ مُسِنَّةٌ. (۱)

فرمایا: ''تیس گائے پر ایک سال کا بچہ یا بچی یعنی بیل یا گائے اور ہر چالیس پر مسنۃ یعنی وہ گائے کا بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو''۔

تعداد کسی قدر بھی ہو اسی حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

## ج۔ بکری یا بھیڑ:

بکریوں اور بھیڑوں میں چالیس کی تعداد نصاب ہے، اس تعداد سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، ان پر زکوٰۃ کی ترتیب کا مفصل تذکرہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب میں موجود ہے جو آپ نے عامل بحرین کو لکھا تھا یہ در اصل فرمان رسول ﷺ ہی تھا جو عہد صدیقی میں جاری ہوا۔ تفصیل کچھ یوں ہے۔

چالیس بکریوں پر زکوٰۃ ایک بکری، ایک سو بیس کی تعداد تک یہی حکم ہے۔

ایک سو اکیس سے دو سو تک تعداد ہو تو دو بکریاں زکوٰۃ ہے۔

دو سو ایک سے تین سو تک زکوٰۃ تین بکریاں ہے۔

جب تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سو پر ایک بکری۔ (۲)

سائمہ کے حکم میں یہ اور ایسے ہی دوسرے جانور ہیں، وہ جانور جو تجارت کے لئے ہوں، ان کی زکوٰۃ ان کی قیمت کے حساب سے ہوگی، زکوٰۃ میں درمیانہ درجہ کا جانور لیا جاتا ہے، عمدہ یا قیمتی پر نظر نہیں رکھی جاتی کہ اس سے روکا گیا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ البقر

marfat.com

(۲) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا گیا تو ایمانیات کی دعوت کے بعد نماز کا حکم دیا گیا اور پھر فرمایا کہ جب وہ پانچ نمازوں کو تسلیم کر لیں۔

فَاِذَا فَعَلُوْا فَاَخْبِرْ هُمْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكوٰةً تُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ فَاِذَا اَطَاعُوْا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ اَمْوَالِ النَّاسِ (۱)

ترجمہ: ''جب وہ لوگ یہ اعمال کر لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو ان سے زکوٰۃ لے لینا اور لوگوں کے عمدہ اموال سے بچے رہنا''۔ اس حکم میں دینے والے کے لئے کس قدر طمانیت کا سامان ہے کہ مقصود مال چھیننا نہیں کہ عمدہ پر نظر رکھی جائے، مقصد تو معاشی ہمواری پیدا کرنا ہے اور دینے والوں کے لئے خوشدلی سے دینے کا ذوق پیدا کرنا ہے، اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں قلبی وابستگی بھی شامل ہو جاتی ہے اور معاشرے میں دولت کا توازن بھی پیدا ہوتا ہے۔

## ۵۔ زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر زکوٰۃ کا نصاب

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں نصاب کی کوئی سطح مقرر نہیں ہے، زمین سے جو بھی برداشت یعنی پیداوار ہو اس پر زکوٰۃ ہے جسے عشر کہا جاتا ہے، پیداوار پر یہ بھی شرط نہیں کہ اس پر کتنا عرصہ ہوا ہو، سال میں اگر پیداوار ایک مرتبہ ہے تب بھی عشر ہے اور اگر دو مرتبہ ہے بھی تب بھی عشر ہے، جو بھی حاصل ہو اس پر عشر ہوگا یہاں تک کہ پہاڑ یا جنگل کی پیداوار پر بھی عشر ہے، اگر وہ کسی کی ملکیت ہے، بعض علماء کے نزدیک پانچ اوسق کی مقدار شرط ہے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب لاتؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقة

marfat.com

یہ بھی یادرہنا چاہئے کہ اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے صاحب مال کا عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے مگر عشر میں ایسا نہیں ہے، مالک مجنون ہو یا نابالغ، عشر لیا جائے گا، عام مال پر زکوٰۃ کے لئے سال کے گزرنے کی بھی قید ہوتی ہے مگر عشر میں یہ قید بھی نہیں، جب بھی برداشت ہوگی عشر لازم ہوگا۔

عشر اس زمین پر ہے جو بارش سے، یا چشموں سے سیراب ہو کہ پانی کے لئے کاشتکار کو محنت نہیں کرنا پڑتی اور نہ ہی اس کا معاوضہ دینا پڑتا ہے البتہ جو زمین ایسے پانی سے سیراب ہو جس پر لاگت آتی ہے یعنی وہ خریدا جاتا ہے اور اس کے حصول کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے جیسے ٹیوب ویل یا کنویں کا پانی یا آج کل نہری پانی جو قیمتاً حاصل کیا جاتا ہے تو ایسی زمین پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے، متعدد احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**فِيْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْاَنْهَارُ وَالْعُيُوْنُ الْعُشْرُ وَمَاسُقِىَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ (۱)**

ترجمہ: ''جو زمین آسمان سے یعنی بارش سے، دریاؤں اور چشموں سے سیراب ہوا اس پر عشر ہے اور جو اونٹوں سے یعنی جانوروں کے ذریعے پانی حاصل کر کے سیراب ہوئی اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے''۔

## ۶۔ کانوں یا دفینوں پر زکوٰۃ کا نصاب

کان جس سے کوئی معدنیات نکلے یا عہد قدیم سے دفن کیا گیا کوئی خزانہ جو کسی کی زمین سے دریافت ہو جائے دونوں کے لئے ''رکاز'' کا کلمہ استعمال ہوتا ہے،

---

(۱) سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب مایوجب العشر ومایوجب نصف العشر

marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ الرکاز پر خمس ہے یعنی پانچواں حصہ (۱) کان یا دفینہ سے جو بھی حاصل ہو اس پر پانچواں حصہ زکوۃ ہے۔

زکوۃ یا عشر کی ادائیگی عبادات میں سے ہے اس لئے اس کو ادا کرتے وقت نیت شرط ہے، ایسا ممکن ہے کہ مال یا مال کے کسی حصے پر کسی نے قبضہ کرلیا، ایسا قبضہ کہ ملنے کی امید بھی نہ رہی تو یہ سوچتے ہوئے کہ مال تو چلا ہی گیا ہے کیوں نہ اسے زکوۃ یا عشر کا حصہ بنالیا جائے اس طرح نہ زکوۃ ادا ہوگی نہ عشر کہ زکوۃ اور عشر، نیت کے ساتھ اپنی ملکیت میں ہوتے ہوئے عبادت کے طور پر ادا کئے جاتے ہیں۔

اسلامی مملکت میں حکومت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ زکوۃ وصول کرنے کا اہتمام کرے اور وصول کی گئی زکوۃ یا عشر کو مستحق افراد پر خرچ کرے، زکوۃ وعشر چونکہ کفالت باہمی کا مربوط نظام ہے اس لئے اسلامی ریاست کو اس کی نگہداشت کرنا چاہئے، ہاں اگر کسی علاقہ یا ملک میں اسلامی ریاست موجود نہیں ہے تو ہر صاحب مال کو زکوۃ یا عشر کا خود حساب لگانا چاہئے اور اس کو مستحق لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہ سوال کہ زکوۃ یا عشر کے مستحق کون کون سے لوگ ہیں شریعت مطہرہ نے ہمیں بے توفیق نہیں چھوڑا بلکہ اس حوالے سے مناسب ضوابط اور ضروری قوانین بھی مرتب فرمائے اور مستحق افراد کی بلاغبار نشاندہی بھی کی، زکوۃ وعشر کے مستحقین کے حوالے سے چند ضروری احکام یہ ہیں:

## زکوۃ کے مستحقین

نبی رحمت ﷺ نے زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کے بارے میں ایک اساسی اصول طے فرمادیا تھا کہ زکوۃ یہ ہے کہ "تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِيَآءِ هِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ (۲) کہ "یہ اصحاب ثروت سے لی جاتی ہے اور تنگ دستوں کو لوٹادی جاتی ہے"۔

---

(۱) سنن الترمذی ابوب الزکوۃ باب ماجاء ان العجماء جرحها جبار وفی الرکاز الخمس

(۲) صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوۃ

marfat.com

اس سے صاف واضح ہو گیا تھا کہ مال کو گردش میں رہنا ہے، جہاں کہیں اس کا توازن بگڑتا ہے اس کو ایک گروہ سے لے لیا جاتا ہے اور دوسرے گروہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کا ذخیرہ کرنا اور اسے معاشرتی برتری کا وسیلہ بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس ذخیرہ اندوزی اور معاشی گھٹن سے جرائم کو فروغ ملتا ہے، ظاہر ہے لوگ دولت کے لئے محنت کرتے ہیں مگر حاصل کی گئی دولت کو اپنی ذہانت اور محنت کا نتیجہ قرار دے کر اس پر صرف اور صرف اپنا حق ثابت کرنا اور اس بزعم خویش استحقاق کی بنا پر معاشرے میں عدم توازن پیدا کرنا روا نہیں ہے، یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ دولت کا اغنیاء کے درمیان ہی گردش کرتے رہنا، مناسب نہیں اس کی صراحت تو قرآن مجید میں ارشاد ربانی سے گئی تھی کہ

لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (الحشر:۷)

ترجمہ: ''تاکہ یہ سرمایہ تم میں سے جو دولت مند ہیں انہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''

گردش اگر اغنیاء کے درمیان ہی رہے تو سرمایہ داری کا ابلیسی نظام جنم لیتا ہے، جو افراد کسی طرح یا کسی ذریعے سے دولت اکٹھی کر لیتے ہیں وہ اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اس لئے دوسروں کو محروم کرنے کی سازش کرتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افراد میں بھی اور اقوام میں بھی معاشرتی انداز فکر معاشی حوالوں سے ترتیب پاتا ہے جس سے مادیت کا سکہ رواں ہوتا ہے اور یہ مادی یلغار، انسانی عظمت واقدار کا ہر نشان مٹانے کے درپے ہو جاتی ہے، یہ رویہ ہوسناکی کو جنم دیتا ہے اور ہوسناکی، درندگی کا سبب بنتی ہے جس سے انسانی تعلقات کا ہر مظہر لالچ اور حرص کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے، اس انسانی رویے کے بداثرات کا اظہار بھیانک شکل اختیار کر لیتا ہے، تب انسان، دولت کے جمع کرنے اور اس کو گن گن کر ذخیرہ کرنے کا یوں عادی ہو جاتا ہے کہ وہ اسی کو ایک

marfat.com

ابدی حقیقت مان لیتا ہے، ارشاد باری ایسے لوگوں کے رویے کا ہی رد کر رہا ہے فرمایا:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ (الھمزۃ: ۲، ۳)

ترجمہ: وہ جو مال جمع کرتا رہا اور اسے گنتا رہا یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ مال اسے ہمیشہ رکھے گا''۔

وہ سمجھتا ہے کہ حیات دوام یعنی ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا دولت کے سہارے ہوگا، اسے اس کے بدترین انجام کا شعور نہیں رہتا بلکہ دولت کی جھنکار اس قدر خود فریبی کا شکار بنا دیتی ہے کہ انسان کو دم واپسیں تک ہوش نہیں آنے دیتی۔ اسی جانب اشارہ ان فرامین میں ہوا۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر: ۱،۲)

ترجمہ: ''دولت کی کثرت نے تم کو غافل رکھا حتی کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا۔''

یہ بھی انسانی زندگی کا المیہ ہے کہ آسائش و آسودگی اسے فخر و تکبر پر اکساتی ہے اور وہ اسی سرمستی میں دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اگر کسی کا خیال آ بھی جائے تو نظر حقارت آمیز ہوتی ہے، اس شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلامی تعلیمات کا عمومی میلان اس طرف ہے کہ دولت کو اکٹھا نہ ہونے دیا جائے تا کہ افراد میں حرص پرورش نہ پائے اور نظروں میں لالچ نہ اتر آئے کہ اس سے ہی معاشرتی اضطراب پیدا ہوتا ہے اور باہمی نفرت کی افزائش ہوتی ہے، یہ دولت کی چکا چوند ہی ہے جس سے باہمی تعلقات، رشتہ داریاں اور سماجی رویوں میں استحکام نہیں رہتا، اس کا سد باب کرنے کے لئے ایک مربوط نظام زکوۃ ترتیب دیا گیا اور پوری قوت سے اسے نافذ کیا گیا، اسلامی نظم معیشت پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ محاصل کی وصولی مقصود نہ رہی بلکہ معاشی رویوں میں اصلاح پر بھرپور توجہ دی گئی، سمجھایا گیا کہ زکوۃ و صدقات کی ادائیگی کسی جبر کا نتیجہ نہیں اور نہ یہ خیال کہ حکومت یا معاشرہ کو مدد درکار ہے بلکہ ان کی

marfat.com

ادئیگی سے صاحب مال، اس نعمت کا شکرادا کر رہا ہے۔ وہ معاشرے کا ہی حق تھا کہ کسی اور کا حصہ تھا جو اس کے مال میں شامل ہو گیا تھا جسے وہ حق داروں کو لوٹا رہا ہے، دنیا کے دیگر معاشی رویوں پر نظر ڈالی جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ اسلام کا رویہ ایک منفرد اور امتیازی شان رکھتا ہے، اس ارشاد کی معنویت پر غور کیجئے کہ

فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریٰت: ۱۹)

ترجمہ: ''ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

یہ انقلاب فکر نہیں تو کیا ہے؟ مال کسی نے کمایا، محنت کسی نے کی، جب دولت حاصل ہو گئی تو کمانے والا اسے اپنا ذاتی سرمایہ نہ سمجھے، اسے کہا جارہا ہے کہ اس میں سے ایک حصہ نکال دو مگر نکال کر یہ نہ سمجھو کہ تم نے کوئی احسان کیا یا تم اس نکالے گئے حق کو اپنی داد و دہش کا حصہ سمجھ کر اسے اپنے وقار و احترام کا زینہ نہ سمجھو بلکہ یقین کرو کہ یہ تو کسی اور کا حق تھا جو اس کے مال میں شامل ہو گیا، اس یقین کے ساتھ سائل یا محروم کو ادا کرو کہ یہ انہیں کا تھا اور یہ کہ اسے تو صرف ان تک پہنچانے کا فریضہ سونپا گیا تھا، سوچئے اگر یہ انداز فکر عام ہو جائے تو معاشرتی عدم اطمینان کے کتنے در بند ہو جائیں گے، نہ دینے والا اترائے گا اور نہ لینے والا خجالت محسوس کرے گا، اسی طرح دولت کی گردش بھی قائم رہے گی اور وقار انسانیت بھی۔

اسلامی تعلیمات میں دینے والوں کر بار بار متنبہ کیا گیا کہ اس گردش زر کو اپنی معاشرتی سر بلندی کے لئے بیساکھی نہ بناؤ، دینے پر فخر نہ کرو اور لینے والوں پر احسان مندی کا بوجھ نہ ڈالو، خبردار کیا گیا ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

(البقرۃ: ۲۶۴)

marfat.com

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر

ضائع نہ کرو"۔

احسان جتانا یا کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں، وہ تو اسے کرم و عطا سمجھتا ہے کہ مال اس کے پاس کچھ عرصہ کے لئے امانت بن کر آیا اور وہ خوش بخت ہے کہ اس نے اس امانت کو دیانت داری سے حق دار تک پہنچا دیا۔ یہ تو لینے والے کا حوصلہ ہے کہ وہ اس حق کی ادائیگی کا وسیلہ بنا ہے۔

اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اس باہمی اعتماد و وقار کو قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے تاکہ اسلامی ریاست کا کوئی فرد، مفلسی کے گرداب میں غلطاں نہ رہے، محصولی اور تقسیم کا نظام اس قدر شفاف ہو کہ شبہات جنم نہ لیں، اسلامی احکام کی ہمہ گیری دیکھئے کہ ان میں اگر وصولی کے ضوابط طے شدہ ہیں تو مصارف کے اہداف بھی ایک مربوط نظام کا حصہ ہیں، وہ کون سے افراد یا لوگ ہوں گے جن تک وصول شدہ مال کو عزت اور باہمی احترام کے ساتھ پہنچ جانا چاہئے، قرآن مجید میں ان مصارف کی تفصیل بڑی وضاحت سے مذکور ہے، ارشاد رب العالمین ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ: ٦٠)

ترجمہ: "بے شک صدقات، فقراء، مساکین، اس پر مامور ملازمین، وہ جن کے دلوں کو تالیف مطلوب ہے، قیدیوں، تاوان دینے والوں اور راہ حق کے لئے اور مسافروں کے لئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے":

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ و صدقات کے مستحق افراد کی مکمل فہرست دے دی گئی، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تقسیم کے مرحلے پر ان سب کا ہونا لازم ہے بلکہ ان میں

marfat.com

سے جو موجود ہوگا ان کو ہی ادا کی جائے گی کہ حالات اور معاشرتی وسماجی تغیرات میں اس فہرست میں فرق آتا رہتا ہے، ان کی مختصر وضاحت درج کی جارہی ہے کہ حق داروں کے تعین میں ابہام نہ رہے:۔

۱. **فُقَرَاء**: فقیر کی جمع ہے، فقیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کچھ رکھتا تو ہے مگر وہ صاحب نصاب نہیں یعنی اس کی معاشی حالت اگرچہ بدتر نہیں مگر مستحسن بھی نہیں، اسے بعض معاملات کے حوالے سے مدد کی ضرورت ہے، یہ عمومی طور پر کمزور معیشت کے افراد ہوتے ہیں اس لئے توجہ کے مستحق ہیں۔

۲. **مَسَاکِین**: مسکین کی جمع ہے، یہ فقیر سے زیادہ درماندہ، زیادہ مجبور شخص ہے کہ کچھ نہیں رکھتا، ان لوگون کو تو سوال کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ ان کی معاشی حالت ہر لحاظ سے پریشان کن ہے، ان کی مجبوری یہ بھی ہے کہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں ہے۔

۳. **عَامِلِین**: عامل کی جمع ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کے عمال میں سے ہیں کہ ان کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا ہے، اس ملازمت کے عوض ان کو روزینہ یا ماہوار تنخواہ اسی مال سے دی جاتی ہے جو انہوں نے مال زکوٰۃ کے طور پر اکٹھا کیا ہوتا ہے، یہ اس لئے ہے کہ مصارف کا بوجھ اسی مال پر رہے تاکہ دوسرے ذریعہ آمدنی پر دباؤ نہ پڑے۔

۴. **مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب**: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو رغبت دلانا مقصود ہوتا ہے، اسلامی ریاست جب توسیع احکام اور تبلیغ کے لئے مبلغین کا تقرر کرتی ہے جو مختلف علاقوں میں دین کی اشاعت کا ذریعہ بنتے ہیں، تو کچھ ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جن کی معاشی حالت بہتر نہیں ہوتی اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص معاشی دباؤ کا شکار تو نہیں ہوتے مگر ان کے دلوں کو اسلامی تعلیمات سے مانوس کرنے اور پھر ان تعلیمات کو راسخ کرنے کے لئے کچھ اعزاز، وقت اور حالات کی ضرورت ہوتا

marfat.com

ہے، اسلام کے دور اول میں ایسے لوگ موجود تھے، فتح مکہ کے وقت بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی اور جنگ حنین میں تو خاص طور پر ایسی صورت حال پیدا ہوئی تھی، حضور اکرم ﷺ نے اہل مکہ کے ایسے افراد کو غنیمت کے مال سے عمومی تقسیم سے زیادہ دیا تھا، یہ اہتمام دراصل انسانی خواہش کو بتدریج دین آشنا بنانے کا ذریعہ تھا۔

۵۔ **فِی الرِّقَاب**: رقاب، رقبۃ کی جمع ہے یعنی گردنیں، ''گردنوں میں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو غلامی کا شکار ہوں یعنی ان کی گردنوں میں کسی کا طوق غلامی ہے، اسلام، غلامی کو ہمیشہ کے لئے مٹانا چاہتا ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ دنیا کسی نہ کسی حوالے سے بار بار اس دلدل میں اترتی رہی ہے، بدی موجود ہو تو اس کا سدباب بھی ہونا چاہئے، زکوٰۃ کے مصارف میں ایسے مجبور انسانوں کی گلوخلاصی کا انتظام کیا جاتا ہے۔

۶۔ **اَلْغَارِمِیْن**: غارم کی جمع ہے غارم وہ فرد جس پر کوئی تاوان یا کوئی قرض ہو اور وہ اس قرض کو ادا کرنے کی ہمت نہ پاتا ہو یا اگر کچھ توفیق پاتا بھی ہے تو وہ اس قدر کم ہے کہ قرض یا تاوان کی ادائیگی کے بعد صاحب نصاب نہیں رہتا، ایسے لوگوں کو اس معاشی گرفت سے آزاد کرنے کے لئے زکوٰۃ کے مال سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ**: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یا یہ کہ راہ خدا میں، زکوٰۃ کے مصارف میں سے یہ مد وہ ہے جس سے معاشرے کے تمام مشکل مراحل آسان ہوتے ہیں، کام کوئی ہو شرط صرف یہ ہے کہ راہ حق میں ہو، اس میں محتاج: مجاہد، طالب علم، ایسا مجبور انسان، جسے کوئی کٹھن مرحلہ درپیش ہو مثلاً یہ کہ بچیوں کی شادی کا بوجھ، غرضیکہ ہر وہ مرحلہ جہاں معمول کی زندگی کے بے جا متاثر ہونے کا خطرہ ہو، وہاں زکوٰۃ میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے، رفاہ عامہ کے کئی شعبے بھی اس کے تحت زکوٰۃ کی رقم سے کفالت پاسکتے ہیں۔

۸۔ **اِبْنُ السَّبِیْل**: مسافر، تنگ دست ہو کہ سفر مکمل نہ کرسکتا ہو یا صاحب مال ہو مگر

marfat.com

دوران سفر کسی ناگہانی احتیاج کے تحت ضرورت مند ہو جائے، اور وقتی طور پر مجبور ہو جائے، ایسے انسان کیلئے اس کی وقتی ضرورت کے ازالے کیلئے زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

یہ وہ آٹھ شعبے یا افراد ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہوا۔ غور کیا جائے تو ان میں انسانی معاشرت کے تمام شعبے آ گئے ہیں جو کفالت کا حق رکھتے ہیں، ان سب افراد کی موجودگی ضروری نہیں، جو بھی موجود ہوں اور اعانت کے مستحق ہوں ان پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے، کسی مصرف کی عدم موجودگی زکوٰۃ کی ادائیگی میں حائل نہیں ہے، یہ ضرور یاد رہے کہ زکوٰۃ غیر مستحق کو نہ دی جائے یعنی جو احتیاج نہیں رکھتا اور خود صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی، ایسے ہی وہ افراد جن کی کفالت لازم ہے ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اس لئے والد، اولاد کو اور اولاد والد یا والدہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی، شوہر بیوی کو نہیں دے سکتا کہ اس کا نفقہ اسی پر ہے، ہاں بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے کہ اس پر اس کی کفالت لازم نہیں۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو ہاشم کو زکوٰۃ لینے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ متعدد روایات میں موجود ہے مثلاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور انہوں نے منہ میں ڈال لی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو باہر پھینکنے کے لئے خا، خا کرنے کو کہا اور فرمایا

اَمَاشَعُرتَ اَنَالاَ فَأْ كُلُ الصَّدَقَةَ. (۱)

یعنی ''کیا تو نہیں جانتا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے''؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا، اسلامی حکومت کے یہ فرائض میں سے ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام کرے اور پھر شفاف طور پر اور تعلیمات کے مطابق مستحق افراد

---

marfat.com

(۱) البخاری کتاب الزکوٰۃ باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی ﷺ وآلہ

تک اس کو پہنچائے تا کہ کفالت عامہ کا ریاستی فریضہ انجام پائے، ہاں اگر حکومت ایسا نہ کر رہی ہو یا یہ کہ وہ اسلامی حکومت ہی نہ ہو تو پھر بھی ہر صاحب نصاب کو زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور مستحق افراد تک ان کا حق پہنچانا ہے۔

زکوٰۃ دیتے وقت یہ ضرور خیال رہے کہ یہ احتیاج کے ازالے اور آئندہ کے لئے معاشی تحفظ کے تصور سے دی جائے اس لئے اس کی مقدار مناسب ہو، ایک ایک روپیہ یا کوئی کم تر سکہ مسلسل دیتے رہنا، زکوٰۃ کے فریضے کے مقاصد سے انحراف ہے کہ اس سے گداگری کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ گداگری کے ناسور کے خاتمہ کا ذریعہ ہے اس لئے اسے اس کی ترویج کا سبب نہ بننا چاہئے، ہاں اس مقدار سے بھی نہ دی جائے کہ لینے والا صاحب نصاب ہو جائے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اس اعانت سے آئندہ کیلئے بہتر معاشی صلاحیت حاصل کر لے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی صدقات کی ترغیب دی گئی ہے مثلاً صدقہ فطر، کسی کفارہ کے بدلہ میں مساکین کی کفالت، کوشش یہ ہونی چاہئے کہ صدقات کی ادائیگی میں قلبی وابستگی کے ساتھ شریک رہا جائے اس لئے کہ صدقہ کا حکم دلوں کی صداقت، عمل کی سچائی اور بہبود عوام کے لئے مومنانہ رویوں کا احساس دلاتا ہے، اس عمل سے معیشت کو سنبھالا بھی ملے گا اور اجر کا باعث بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے دیئے ہوئے مال سے اپنی رضا کے مطابق خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ دنیا میں آسودگی ملے اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم ﷺ۔

marfat.com

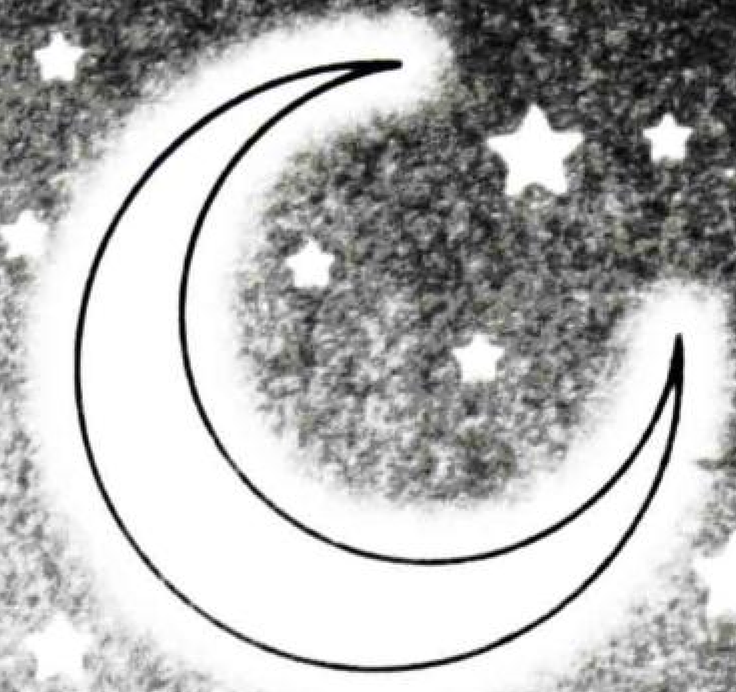

ارکان اسلام

# الصوم

(روزہ)

# اَلصَّوۡمُ......روزہ

ارکان اسلام میں چوتھا رکن روزہ ہے جو اپنی اثر پذیری کی بنا پر نمایاں تر ہے، اسلامی عبادات کا مقصود، خالق و مالک کے حضور عبدیت کا اظہار ہے، اس اظہار کو شریعت کی زبان میں فرائض و واجبات کا نام دیا گیا ہے، نماز، زکوٰۃ روزہ اور حج دین کے بنیادی شعار ہیں، ہر عبادت کا منتہی دائمی نجات یعنی اخروی کامیابی ہے لیکن غور کیا جائے تو ان کی ترتیب و ترکیب اور ان کی بجا آوری و ادائیگی کا اس دنیا سے بھی گہرا تعلق ہے، یہ اس لئے کہ اسلام دین و دنیا کی کامرانی چاہتا ہے۔

اسلام ایسا دین ہے جو انسان کی تمام کیفیات کو محیط ہے، نجات کا یہ تصور کہ دنیا سے کنارہ کشی کر لی جائے، کسی طور پسندیدہ نہیں اس لئے کہ حسنات دنیا کی طلب بھی ایک مؤمن کا مطلوب ہے، اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ اس میں رہبانیت کی کوئی صورت نہیں، اسلام نہ ترک دنیا پسند کرتا ہے اور نہ غار نشینی کی اس شکل کو جو فرار کی راہ دکھائے، یہ معاشرے کا بھی دین ہے اس لئے اس کے احکام کے مطابق انجام دیئے جانے والے اعمال کا انسانی معاشرت پر اثر پڑتا ہے اور اگر تمام تعلیمات کی پاسداری رہے تو تعمیر انسانیت کا اہتمام بھی ہوتا ہے مثلاً روزہ ایسی عبادت ہے کہ یہ روحانی جلا کا ذریعہ ہے مگر اس کے معاشرتی پہلو بھی ہیں اس لئے یہ رخ عبادت بھی دونوں یعنی دین و دنیا کی کفالت کرتا ہے، یہ اگرچہ خاص ایام میں مخصوص اوقات میں اور متعین احکام کے تحت ادا کی جانے والی عبادت ہے مگر اس کے اثرات، ایک مہینے ہی کو نہیں، پورے سال کو محیط ہیں۔

صوم کا لفظی معنیٰ رکنا ہے، اس کی تربیت سے انسان گناہوں، نافرمانیوں بلکہ ہر قسم کی لغزشوں سے رک جاتا ہے اس لئے ایسے انسان کو صائم یعنی روزہ دار کہا

marfat.com

جاتا ہے، حدیث مبارک جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ (۱) کہ روزہ ڈھال ہے، ڈھال ہر بدعملی سے، ہر نافرمانی سے، ہر گناہ سے اور ہر عذاب سے، یہ ڈھال، **انسان کی حفاظت** ہے، اس کی پناہ میں آیا ہوا انسان، سیرت و کردار کی روشن مثال ہوتا ہے اور نیکی کے حصار میں رہتا ہے۔

روزہ احکام الٰہی کی تعمیل میں کھانے، پینے اور شہوات سے بچے رہنے اور تمام خواہشات کو پابند آداب بنانے کا نام ہے، یہ حقیقت ہے کہ نفس انسانی پر ہمہ وقت خواہشات کی یلغار ہوتی ہے، یہ چوبائی حملہ ہوتا ہے اس کی گرفت سے بچنا اور اس کی لذات کے حملوں سے محفوظ رہنا، بہت محنت کا کام ہے، روزہ اس دفاعی جنگ میں انسان کا معاون ہے، یہ برائی کے سامنے حفاظتی ڈھال ہے، اس ڈھال کو مضبوط رہنا چاہئے اس لئے کہ محارم کی خواہش اور بداعمالیوں کی چمک بڑی منہ زور ہوتی ہے، کبھی تو حفاظتی دیوار پر بھی حملہ آور ہوتی ہے، یہ انسان کے اپنے مفاد میں ہے کہ اس دفاع کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنائے تاکہ سلامتی کی تسکین حاصل رہے۔

روزہ، دیگر عبادات سے اس لئے بھی منفرد ہے کہ اس میں فرض کی ادائیگی، داخل کا معاملہ ہے، یہ ضمیر کا عمل ہے قانون کی حکمرانی اور ضابطوں کی پابندی زیادہ تر خارجی عمل پر ہوتی ہے، انسان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ حکم مانے اور قانون کے مطابق زندگی گزارے، اس تسلیم و مطابقت کے لئے ضابطے بنائے جاتے ہیں، ان کی پاسداری کے لئے طاقت استعمال کی جاتی ہے اور کوتاہی پر سزا دی جاتی ہے، اس کڑے انتظام کے باوجود، انسان احکامات کو بجالانے میں خوش دلی کا اظہار کم ہی کرتا ہے بلکہ اپنے اوپر جبر محسوس کرتا ہے اور جب بھی موقعہ ملے حکم توڑنے پر دلیر ہو جاتا

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم، سنن ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم

marfat.com

ہے، سوچئے اگر خارج کا یہ حکم داخل کا تقاضا بن جائے تو اس کی بجا آوری کا ذوق کیسا ہوگا؟ کیا اس سے اطاعت کی روح ہی نہ بدل جائے گی؟ سچی بات یہ ہے کہ اگر عمل کا محرک، خارج کے حکم سے زیادہ اندر کا جذبہ ہو تو تعمیر سیرت کی فضا مختلف ہوگی کہ حسن کردار کی نمود ہونے لگے گی۔ روزہ اسی داخلی فضا کو قائم کرنے کا ذریعہ ہے، یہ خالق و مخلوق کا وہ رابطہ ہے جس سے دل کی دنیا میں انقلاب آتا ہے، نیکی حکم نہیں، خواہش بن جاتی ہے اور ضمیر نیکیوں کا متلاشی ہو جاتا ہے، ایسے وجود پر کوئی خارجی حکم سے گناہ طاری کرنے کا دباؤ بھی ڈالے تو اندر کا ایقان اور داخل کا جذبہ، خارج کے عمل کو غیر مستقیم نہیں ہونے دیتا، زندگی یوں مربوط اور منضبط ہو جائے تو ذات کی روشنی اور اندر کا ٹھہراؤ پورے معاشرے کو منور اور مستحکم بناتا ہے۔

روزہ، تربیت اخلاق کا وسیلہ ہے، اس میں بعض حلال اشیاء سے اور بعض جائز اعمال سے رکنے کی شعوری مشق کرائی جاتی ہے، ایک ماہ کے مسلسل عمل سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خود محسوس کرنے لگے کہ جب جائز خواہشات و اشیاء سے رکنے کا کہا گیا ہے اور اس نے اس ممانعت کو اپنا لیا ہے تو پھر وہ ان خواہشات و اشیاء کو کیونکر اپنائے گا جن سے ہمیشہ کے لئے رکنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ سوچتا ہے کہ حکم دینے والی ذات تو ایک ہے کبھی اور کسی وقت اس کا حکم مان لیا جائے اور کبھی انکار کر دیا جائے، یہ کیسی بے ترتیبی ہے، وہ خالق و مالک ہے اور ہر وقت ہر جگہ اور ہر آن ہے تو اس کے احکام کو جزوی طور پر ماننا کیسے مناسب ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ جب حکم کی عظمت دل پر نقش ہو جاتی ہے تو خواہشات کیسی شدید بھی ہوں، اطاعت پسندی اور نیک نفسی کے مضبوط حصار کو نہیں توڑ سکتیں، بدی کی پسپائی کا عمل جو روزہ سے شروع ہوتا ہے آہستہ آہستہ انسانی طبیعت کا مستقل عمل بن جاتا ہے، اس سے باطنی استحکام ہی نہیں ظاہری استقامت بھی پیدا ہو جاتی ہے، پھر زندگی میں متانت، جذبوں میں

marfat.com

ٹھہراؤ اور اعمال میں نظم پیدا ہوتا ہے، روزہ دراصل تربیت کردار کا سالانہ ریفریشر کورس ہے جس سے بے راہ روی کی گرد دھل جاتی ہے، جسم پاک وتوانا اور روح تابندہ و بیدار ہو جاتی ہے۔

روزہ کا جوہر داخلی انقیاد ہے، اس سے اطاعت کے جذبوں کو فروغ ملتا ہے اور خالق پر اعتماد کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ یہ ایمان باللہ کی نمایاں تر صورت ہے، بے پناہ اعتماد، بھرپور یقین اور کامل ایمانی رویے روزے کے مظاہر ہیں، روزہ دار اپنے خالق سے وفاشعاری اور پرخلوص بندگی کا عہد باندھتا ہے، ایسا عہد جس میں پورے وجود کی شرکت ہوتی ہے، یہ ہمہ گیر توانائیوں کو سلیقہ مندی کے ساتھ بروئے کار لاکر عبدیت کا اعلان ہے، یہ عہد کی عملی پاسداری ہے جو ہر سال تجدید عہد کے اجلے پن سے مضبوط ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزہ کے حوالے سے مفصل اور جامع فرامین سورۃ البقرہ کی آیات ۱۸۳ تا ۱۸۵، ۱۸۷ میں یکجا کر دیئے ہیں، یہ مربوط سلسلہ کلام روزہ کی فرضیت اور مقاصد کے بیان کے ساتھ اس کے احکام پر مشتمل ہے بلکہ بعض متعلقہ احکام کو بھی محیط ہے، رب العالمین کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

marfat.com

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (البقرة ۱۸۳ تا ۱۸۵)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے ان پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ، چند گنتی کے دن، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے اور جن کو طاقت نہیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور جو رضا کارانہ بھلائی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر روزہ رکھ لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور اس میں ہدایت کی نشانیاں ہیں اور فرقان یعنی حق و باطل کا امتیاز ہے، پس تم میں سے جو بھی اس کو پالے تو وہ ضرور اس کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا یہ اس لئے کہ تم مدت پوری کرلو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو جیسے تم کو ہدایت دی گئی تا کہ تم شکرگزار بن جاؤ''۔

ان آیات میں روزہ کے حوالے سے جامع انداز میں ان تمام بنیادی امور اور احکام کا بیان ہو گیا مثلاً روزہ کی فرضیت کا حکم نافذ ہوا، اس فرضیت کا مقصد بیان ہوا اور روزہ رکھنے والوں کو تسلی اور بعض سہولتوں کی نوید بھی سنائی گئی، ان آیات میں جن نمایاں امور کا ذکر ہوا ان کی وضاحت کچھ یوں ہے۔:

۱۔ خطاب ایمان والوں سے ہے، واضح ہو گیا کہ روزہ ایمان لانے والوں پر فرض ہوا، جس کا ایمان نہیں اس پر روزہ بھی نہیں کہ یہ ایک عبادت ہے اور عبادت مومن پر فرض ہے۔ روزہ ہر صاحب ایمان جو بالغ ہو، عاقل ہو پر فرض ہے، اس میں چند استثنائی صورتیں ہیں جن کا بعد میں ذکر ہوا۔ بچوں پر روزہ نہیں مگر تربیت کی خاطر ترغیب دینا چاہئے۔

marfat.com

۲۔ روزہ فرض ہے کہ اسے مومنوں کے لئے لکھ دیا گیا ہے، کُتِبَ عَلَيْكُمْ کے ارشاد میں حتمیت کا اشارہ ہے کہ اس کا فیصلہ ہو چکا، حکم مرتب ہو گیا اور فرائض کی فہرست میں لکھ دیا گیا، اب عدم تعمیل کے لئے کوئی جواز نہیں ہے، فرضیت کے حکم میں یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید روزہ امت مسلمہ پر ہی فرض ہوا ہے، اس سے پہلے کسی پر فرض نہ تھا اور یہ کہ ایک زائد یا اضافی حکم ہے جو اس امت کے لئے ہی خاص ہے، یہ خیال بددلی نہ سہی بے دلی تو پیدا کر سکتا تھا کہ اب ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، اس خیال کو پیدا ہونے سے پہلے ہی رد کر دیا گیا اور حکم کے ساتھ متصلاً اس کے ازالے کا سامان ہو گیا، فرمایا گیا:

یہ روزہ تم پر اسی طرح فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض تھا، کما یعنی اسی طرح، یہ اس فرض کے دوام پر بھی دلالت کرتا ہے اور ایک وجہ سکون واطمینان بھی ہے، اس مشابہت سے یہ گمان نہ ہو کہ روزہ بعینہ اسی طرح کا روزہ ہے جو پہلی امتوں پر تھا اور یہ کہ شاید یہ سابقہ مقدار و تعین کے مطابق ہے، یہ تشبیہ ضرور ہے مگر تشبیہ کا سبب کوئی خاص پہلو ہو سکتا ہے جیسا کہ یہاں تشبیہ فرضیت کے حوالے سے ہے۔

علماء ومورخین نے سابقہ امتوں میں روزہ کے وجود کا ذکر کیا ہے، تفسیر ابن کثیر میں اس کی مختصر مگر جامع وضاحت موجود ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

صِيَامُ رَمَضَانَ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں پر بھی رمضان کے روزے فرض کئے تھے، اس روایت سے کَمَا کُتِبَ کا مفہوم مزید واضح ہو گیا، بعض صحابہ کرام جن میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، سابقہ امتوں پر صرف تین روزوں کی فرضیت کے قائل ہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ اسی مشابہت کی بنا پر

marfat.com

ابتداء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر ماہ کے تین روزے رکھے تھے یعنی مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کا حکم تھا، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ:

"وَ قَدْ رُوِیَ اَنَّ الصِّيَامَ كَانَ اَوَّلًا كَمَا كَانَ عَلَيْهِ الْاُمَمُ قَبْلَنَا مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ.

"روایت کیا گیا ہے کہ اول اول روزے اسی طرح تھے جیسا کہ ہم سے پہلی امتوں پر تھے، ہر ماہ میں تین روزے"۔

مگر بعد میں حکم بدل گیا، فرماتے ہیں:

لَمْ يَزَلْ هٰذَا مَشْرُوْعًا مِنْ زَمَانِ نُوْحٍ اِلٰى اَنْ فَسَخَ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِصِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ (۱)

"یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہی یہ یعنی تین روزے شریعت کا حصہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رمضان کے مہینے سے منسوخ کر دیا"۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ روزہ کا تصور اکثر اقوام میں موجود رہا ہے اگرچہ شکل، مقدار اور اوقات مختلف رہے ہیں، روزہ کبھی خالق کو راضی کرنے کے لئے، کبھی نفس کی تربیت کے لئے اور کبھی کسی گناہ کے کفارہ کے طور پر رکھا گیا، اسلامی تعلیمات میں بھی بعض گناہوں کے کفارہ کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم موجود ہے۔

قرآن مجید کا یہ حوالہ کہ ماقبل قوموں پر بھی روزہ فرض تھا، واضح کر رہا ہے کہ اشارہ صرف ان قوموں کی جانب ہے جن پر کسی نبی یا رسول کے احکام کے مطابق روزہ فرض تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی غیر الہامی نظریے یا لزوم کو بطور استشہاد پیش کیا جائے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے روزہ کا وجود اس پر دلالت کر رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ قومیں جن پر کوئی الہامی پیغام، ضابطہ حیات کے طور پر نافذ نہ رہا

marfat.com

(۱) تفسیر ابن کثیر المجلد الاول ص: ۲۱۳

اور وہ قومیں ہدایت قبول کرنے سے بے توفیق رہیں، درحقیقت کسی قوم کو کسی ہادی کے وجود سے محروم نہیں رکھا گیا مگر انسان کی خودسری تسلیم ورضا کی راہ میں حائل رہی، اس محرومی کے باوجود انسان نے جب کسی اجتماع یا متحد الخیال گروہ کا روپ دھارا تو زندگی گزارنے کے ضابطے بنائے، یہ انسانی کاوش بہت سی کوتاہیوں اور خرابیوں کا باعث بنی مگر حیرت ہے کہ عبادت (خواہ اسے کوئی نام دیا گیا) کا تصور ہر قوم میں موجود رہا روزہ بھی کسی نہ کسی صورت میں ہر قوم میں رکھا جاتا رہا اگرچہ اس کا دورانیہ مختلف تھا اور اس کے حدود میں بھی تفاوت تھا اسے ایک معاشرتی مظہر، نفسانی احتیاج، تربیت اخلاق، صبر و برداشت کی مشق محیر العقول قوتوں کے حصول اور کسی عظیم روحانی عمل کی صلاحیت کے لئے اپنایا گیا، نجات کا تصور اور نروان کا خیال، دربدر بھی کرتا رہا اور جسم کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے پر بھی اکساتا رہا، بدھ مت، جین مت اور ہندو مت میں ایسے ہی نروان کی طلب کی جاتی ہے، غور کیا جائے تو یہ ایک مستحسن عمل کا غیر مستحسن اظہار ہے، ضبط نفس تو مرغوب صفت ہے مگر قتل نفس روا نہیں، ہندو تہذیب میں بھرت، بظاہر جو ہر آدمیت کے نکھار کے لئے رائج ہوا مگر اکثر سفلی جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنا، افریقہ کے قدیم معاشرے میں اظہار غم کے لئے لمبے روزے رکھے جاتے کہ اس پر مرنے والے کے ساتھ عقیدت کا ثبوت ملتا، سردار قبیلہ کی وفات پر پورا قبیلہ ایک یا دو روز کا روزہ رکھتا کہ یہ اظہار عقیدت تھا، کولمبیا کے قدیم قبائل میں چار روز کے روزہ کا رواج رہا، قدیم چین، مصر، یونان اور جاپان میں بھی غم کے روزے جاری رہے، جزائر فجی میں دس سے بیس تک کے روزوں کا سراغ ملتا ہے، سزا کے لئے بھی روزوں کا بعض ممالک میں رواج تھا، بعض علاقوں میں ترک دنیا اور صحرانوردی بھی اس کا حصہ تھی۔ روزہ کے دورانیہ کا بھی اختلاف تھا، بعض قبائل میں رات کا روزہ تھا، الہامی مذاہب میں تین روزوں کا تو واضح حوالہ ملتا ہے، یہودیوں کے ہاں ہر ہفتہ کے

marfat.com

دوسرے اور پانچویں دن روزہ تھا، عیسائیوں کے ہاں بدھ اور جمعہ کا روزہ رہا، اتوار کے روزہ کی ممانعت رہی کہ یہ مقدس دن ہے، موسموں کے اثرات بھی روزہ پر پڑتے رہے، کھانے پینے کی پابندی کے ضوابط بھی مختلف رہے، کہیں چند کھانوں پر پابندی تھی تو کہیں بعض مشروبات ممنوع تھے، گوشت اور مچھلی کی ممانعت عموماً ہر روزے کا حصہ رہی ہے، بعض کے ہاں پکی یا تلی ہوئی اشیاء پر پابندی تھی، پھل، دودھ، پانی پر نہ تھی، اس سے ثابت ہوا کہ قواعد و قوانین مختلف رہے مگر ہر الہامی یا غیر الہامی قوم نے روزے کی افادیت کو تسلیم کیا، الہامی مذاہب میں تو یہ حکماً نافذ ہوا۔ آیت کریمہ نے اسی کا حوالہ دیا ہے انسانی کاوشوں کی بعض خوبیوں کے باوجود اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ ان میں بہر حال خامی ہوتی ہے۔

۳۔ روزہ کا مقصد یہ کہا گیا کہ تقویٰ پیدا کرنا ہے، اگر چہ تمام عبادات کا مقصود تقویٰ ہی ہے مگر روزہ اس کی نمایاں تر صورت ہے کہ اس کا مطلوب ہی اصلاح نفس ہے، مادی آلائشوں سے اجتناب اور روحانی اقدار کی حفاظت اس کا بنیادی ہدف ہے، ایک حدیث مبارک جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایات کیا، میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ فَاِنِ امْرَءٌ قَاتَلَهُ اَوْشَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّی صَآئِمٌ(۱)

"روزہ ایک ڈھال ہے، نہ اس میں بے حیائی چاہئے اور نہ اکھڑ پن، اگر کوئی آدمی روزہ دار سے لڑے یا اسے گالی دے تو اسے چاہئے کہ وہ کہہ دے میں روزہ دار ہوں"۔

معلوم ہوا روزہ دار کو ہر قسم کی برائی سے بچے رہنا چاہئے اور اگر کوئی دوسرا

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم

شخص اس پر برائی مسلط کرنے کی کوشش بھی کرے یا جذبات کو بھڑکا کر جاہلی رویہ اپنانے پر مجبور بھی کرے تو اس کو چاہئے کہ ایسے حالات میں بھی روزہ کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری نبھائے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کے بجائے یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ وہ روزہ دار ہے، روزہ کی پناہ، حفاظت نفس کے لئے موثر قوت ہے کہ اس سے عمومی رویوں میں بھی تقدیس کی جھلک آنے لگتی ہے۔

روزہ ایک حفاظتی فصیل ہے، اس لئے اس کی مضبوطی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے، یقیناً یہ مشکل اور محنت طلب کام ہے، امڈے ہوئے جذبات کو لگام دینا، نفس کی خواہشات کے سامنے بند باندھنا اور حیوانی جذبات کو رام کر لینا بڑی ہوشمندی اور ذمہ داری کے تقاضے ہیں، روزہ تقویٰ کے حصول کا عمل ہے، اگر تقویٰ کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے تو روزہ کی محنت کا نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوتا، اسی پر تنبیہ کے طور پر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا تھا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اِنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے یعنی روزہ دار نے بری بات یا جھوٹ والی بات نہ چھوڑی تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کے چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

سمجھا دیا گیا کہ روزہ، صرف کھانا پینا چھوڑنا نہیں، یہ تو ہر بری بات سے بچ جانے کا ذریعہ ہے، یہ تربیت اخلاق کا وسیلہ ہے، اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا تو صرف ظاہری صورت قائم کرنا کس کام کا، جس روزہ دار نے ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر پورے آداب کے ساتھ روزہ رکھا، اسے اس کے اثرات سے بہرہ مند ہونے کی توفیق بھی ملی۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور

marfat.com

اسی کامرانی وشادکامی کے حوالے سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

**مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .** (۱)

’’جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس حالت میں کہ وہ ایمان والا تھا اور اسے ثواب کا یقین تھا تو اس کے پہلے سب گناہ بخش دیئے گئے۔‘‘

دو شرائط کا بیان ہوا، ایمان اور امید ثواب، اگر یہ دونوں بنیادیں قائم رہیں تو نجات ہی نجات ہے، بخشش ہی بخشش ہے اس لئے کہ ایمان تو استحقاق اجر کا اساسی حوالہ ہے، احتساب اس یقین کا مظہر ہے کہ ہر عمل کسی مقصد کے لئے ہوتا ہے، اعمال صرف مشاغل نہیں، اجر و ثواب کے پیمانے ہیں کہ انہی پر جزا ملے گی اور انہی پر سزا، یہ یقین اعمال کے جواز اور عدم جواز کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔

## ۴۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَات

گنتی کے دن، اس میں روزہ دار کے لئے تسلی بھی ہے اور روزہ رکھنے کی تحریک بھی، یہ چند روز کی مشق ہی ہے مگر سمجھا دیا گیا کہ اس مشق کے اثرات بے پناہ اور ہمہ گیر ہیں، مفسرین نے ان سے ہر ماہ کے تین روزے بھی مراد لئے ہیں کہ ابتداء میں یہی فرض تھے، عربی زبان کے قانون کے مطابق ایام، یوم کی جمع ہے اور یہ جمع کے ان اوزان میں سے ہے جنہیں جمع قلت کہا جاتا ہے کہ اس سے عمومی طور پر تین سے نو یا دس تک گنتی شمار کی جاتی ہے، تین روزوں کی دلیل کے طور پر جمع قلت کا بھی سہارا لیا گیا ہے اگرچہ عربی ادب میں یہی جمع، نو سے زائد کے لئے بھی استعمال کی گئی ہے اس پر کسی قسم کا تردد نہ چاہیئے کہ بعد کی آیت کریمہ نے اس کا خود تعین کر دیا ہے۔

marfat.com

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا

## ۵۔ روزہ چھوڑنے کی امکانی صورتیں

روزہ کے حکم میں خطاب ایمان والوں سے ہوا، اس لئے ہر صاحب ایمان اس کا مکلف ٹھہرا، یہ عمومی صورت ہے مگر انسانی زندگی ہمیشہ ایک ڈگر پر نہیں رہتی، بعض جسمانی عارضے اور بعض وقتی لاحقے، انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ زندگی کی عمومی روش سے قدرے ہٹ کر چلے، مومن، دنیا میں رہتا ہے، اس کی کیفیات بھی ایک سی نہیں ہیں تو کیا ہر حالت میں روزہ رکھنا ہے؟ الحمدللہ، پروردگار عالم رحیم و کریم ہے، وہ انسانی مجبوریوں کو جانتا ہے اس لئے اس نے حکم کے ساتھ استثنائی صورتوں کو ذکر کر دیا کہ مقصود اطاعت ہے، جبر نہیں، ہر مومن کو روزہ رکھنا ہے جبکہ وہ بالغ ہو، صاحب ہوش وحواس ہو، اگر وہ ایسا ہے تو روزہ رکھے ہاں تین صورتوں کا بیان ہوا جن میں فرضیت کے عمومی حکم کے باوجود روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ یہ پروردگار عالم کے کرم کے مظاہر ہیں، استثنائی صورتیں یہ ہیں:

### (۱) مرض

ارشاد ہوا کہ مَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا یعنی جو تم میں بیمار ہو، یہ ایک استثنائی صورت ہے، وہ مریض یا بیمار جس کو روزہ رکھنے سے مرض یا بیماری کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا اسے کسی طبیب یا معالج یا مرض کے متعلق کسی باخبر نے ایسا کرنے کا کہا ہو۔ بیماری کی نوعیت کیسی بھی ہو، شرط صرف یہ ہے کہ روزہ رکھنا دشوار ہو اور اس کی وجہ سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے، یہ فیصلہ بہر حال احکام کی عظمت کے حوالے سے ہو، اسلامی تعلیمات کا حسن یہ ہے کہ اسلام، احکام کی بجا آوری میں شدت کا نہیں رعائت اور تخفیف کا قائل ہے تاکہ بجا آوری میں اکراہ کی صورت پیدا نہ ہو کیونکہ اطاعت، قلبی وابستگی کا تقاضا کرتی ہے، اس لئے کوئی حکم اس

marfat.com

خاطر نہیں دیا گیا کہ مشقت میں ڈالنا ہے، جو کہا گیا ہے اس میں انسانی استطاعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، عبادات واحکام کی صورت واضح کر رہی ہے کہ جہاں تعمیل میں شدت کا امکان نمایاں ہوا تعمیل حکم میں رعائت کر دی گئی اس طرح تمام عبادات فطرت انسانی کے عین مطابق رہیں، اس رعائت کی روح یہ ہے کہ خوش دلی برقرار رہے مگر یہ بھی احتیاط چاہئے کہ رعائت کو بہانہ سازی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، مرض ہو، جسمانی نقاہت ہو جان کا خطرہ ہو، بچے کی نگہداشت کے لئے ماں کی خصوصی حالت ہو، دودھ پلانے کا مرحلہ ہو غرضیکہ کوئی معقول عذر ہو تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ وجہ ایسی ہو جس میں مرض یا تکلیف کے بڑھ جانے کا امکان ہو یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ جس کے سامنے عذر پیش کیا جا رہا ہے وہ ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔

## (ب) سفر

انسانی زندگی میں سفر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کبھی دریافتوں کا سبب بنتا ہے تو کبھی وسیلہ ظفر ہوتا ہے، بسا اوقات یہ ایک مجبوری بھی ہوتا ہے، کوئی صورت ہو، سفر ایک مشقت ہے، جب یہ حد سے بڑھ جائے تو تھکاوٹ، بوجھ بلکہ لاچارگی کا ذریعہ بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان لمحوں میں بھی دستگیری کی اور اَوْ عَلٰی سَفَرٍ کہہ کر اس مشکل کو آسان فرما دیا، نماز میں قصر کی سہولت دی تو روزہ چھوڑنے کی اجازت دی۔ یہ سفر کتنا ہو کہ اجازت پر عمل کیا جا سکے تو اس کا تعین تین دن کے سفر سے کیا گیا، اور نماز قصر کے فاصلے کو ہی معیار بنایا گیا، تین دن کا سفر اس دور کے سفری پیمانوں کے مطابق عموماً ساڑھے ستاون میل شمار کیا گیا ہے، سفر مشکل ہو یا سہولتوں کی فراہمی سے آسان ہو گیا ہو، پیمانہ یہی ہے، اگرچہ یہ اجازت ہے اس لئے روزہ چھوڑتے وقت استطاعت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے ہاں ایک دوسروں کو طنز بھی نہ کرنا چاہئے کہ

marfat.com

روایات میں دونوں طرح کی صورتیں موجود ہیں، سفر میں بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان روزہ چھوڑتے تھے جبکہ بعض رکھ لیتے تھے مگر کوئی دوسرے کو طعن نہ کرتا تھا، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے سفر میں خود نبی اکرم ﷺ نے ابتداء روزہ رکھا مگر راستے میں افطار کر دیا، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

**قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَن شَآءَ اَفْطَرَ (۱)**

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے روزہ رکھا اور افطار کر لیا پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کر لے۔ یعنی روزہ نہ رکھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

**کُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ فَمَا یُعَابُ عَلَی الصَّآئِمِ صَوْمُہٗ وَعَلَی الْمُفْطِرِ فِطْرُہٗ (۲)**

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کے مہینے میں سفر پر تھے تو کسی روزہ دار کو اس کے روزے کی وجہ سے اور کسی افطار کرنے والے کو اس کے افطار پر الزام نہ لگایا جاتا تھا۔

اس پر مزید وضاحت فرمائی کہ سمجھا یہ جاتا تھا کہ

**مَنْ وَجَدَ قُوَّۃً فَصَامَ فَحَسَنٌ وَمَنْ وَجَدَ ضُعْفًا فَاَفْطَرَ فَحَسَنٌ .(۳)**

ترجمہ: کہ جو طاقت پاتا تھا تو وہ روزہ رکھ لیتا تھا، یہ بھی اچھی بات تھی اور جو کمزوری محسوس کرتا تھا افطار کر لیتا تھا، یہ بھی خوب تھا۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب من افطر فی السفر

(۲) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ما جاء فی الرخصۃ فی الصوم فی السفر

marfat.com

(۳) حوالہ سابقہ

غزوات میں یہ اجازت زیادہ واضح رہی کہ دشمن سے ٹکراؤ کے لئے قوت مجتمع رکھنا ضروری ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی رویے کے قائل تھے(۱)

متعدد احادیث میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روایت ہوا ہے کہ مسافر کے بارے میں آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصِّيَامَ وَنِصْفَ الصَّلٰوةِ (۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر پر روزے اور نصف نماز معاف کردی ہے۔

ایک روایت میں حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی عورتوں کا بھی ذکر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ يَعْنِي نِصْفَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ وَعَنِ الْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ (۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر پر نصف نماز اور روزہ معاف کر دیا ہے اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی۔''

اجازت کے باوجود مشقت اور بلا وجہ شدت پسندی کو پسند نہیں کیا گیا کہ اس سے اظہار تقویٰ کی ناروا صورت پیدا ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک سفر میں ایسے ہی روزہ دار کو نبی اکرم ﷺ نے دیکھا تو اس بارے میں واضح حکم سنایا، روایت یہ ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَا هٰذَا فَقَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ. (۴)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ما جاء فی الرخصۃ فی الصوم فی السفر

(۲) سنن النسائی کتاب الصوم باب ما کرہ الصیام فی السفر

(۲) سنن انسائی کتاب الصوم باب ما یکرہ من الصیام فی السفر

marfat.com

(۴) صحیح البخاری کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ لیس من البر الصوم فی السفر

ترجمہ: ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے، آپ نے لوگوں کا اژدحام اور ایک آدمی دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا تھا پوچھا، کون ہے؟ عرض کیا: روزہ دار ہے تو آپ نے فرمایا: سفر میں روزہ نیکی نہیں ہے''۔

ہر صاحب ایمان کو یہ خیال رہنا چاہئے کہ نیکی احکام وارشادات کو تسلیم کرنے میں ہے۔ جہاں حکم ہے اسے خوشدلی اور مکمل لگن کے ساتھ بجالانا چاہئے اور جہاں رعایت یا سہولت ہے اسے پروردگار کا کرم سمجھتے ہوئے مان لینا چاہئے، ہر حال میں اطاعت شعاری پیش نظر رہے، اجر کثرتِ محنت پر نہیں، تعمیل ارشاد پر ہے۔

بیمار اور مسافر اہل ایمان کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے مگر یاد رہے یہ اجازت شرط ہے، شرط یہ ہے کہ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ''پس گنتی ہو دوسرے دنوں میں''۔ یعنی رمضان المبارک میں روزہ کسی اجازت کے تحت چھوڑ دیا گیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ حکم کا نفاذ ختم ہو گیا، ہوا یہ ہے کہ اس کی تعمیل کو ضرورت کے تحت موخر کو دیا گیا، اب اس حکم کو اس وقت ادا کرنا ہے جب اجازت کا جو سبب بنا تھا وہ باقی نہ رہے، بیمار تھا صحت یاب ہو گیا، مسافر تھا گھر لوٹ آیا، اب اس کے لئے یہ تو ممکن نہیں رہا کہ رمضان المبارک میں قضا کرلے مگر روزوں کی فرضیت موجود ہے اس لئے سہولت دی گئی کہ سال کے دیگر مہینوں میں جب وہ استطاعت پالے روزے رکھے اور جتنے چھوڑے تھے ان کو پورا کرے تاکہ اس سال کے رمضان کے روزوں کی گنتی میں فرق نہ آئے۔ اہتمام یہ ہے کہ تعداد پوری کرنا ہے اگرچہ ایام بدل گئے۔ اس لئے لازم ہے کہ پہلی فرصت ہی میں ان کو پورا کرے، یوں سمجھے کہ فرض موجود ہے صرف ایک رعایت ہے اس لئے ایسا نہ ہو کہ یہ رعایت، حکم پر عمل سے ہی غافل کردے، قضا بہر حال ہوگی، قرآن مجید کے اس ارشاد کی حکمت دیکھئے کہ یہ کہیں نہیں کہا کہ مریض ہو یا مسافر تو روزہ چھوڑ دو، ظاہر ہے اجازت دی جارہی ہے مگر ارشاد یہی ہوا کہ دوسرے

marfat.com

دنوں میں گنتی پوری کرو، معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا لہجہ واضح کر رہا ہے کہ روزہ رکھنا ہی مطلوب ہے اس لئے چھوڑنے کا تذکرہ نہیں کیا گیا پورا کرنے کا حکم دیا گیا، اس سے روزے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان دو استثناؤں کے بعد ایک اور استثناء کا ذکر ہے، اس کا ذکر الگ اس لئے ہوا کہ یہ قضا کے حکم میں نہ تھا بلکہ مستقل اجازت کا فرمان تھا، ارشاد ہوا:

ج۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

اس ارشاد میں يُطِيْقُوْنَهٗ کے مفہوم میں آراء کا اختلاف ہے، ایک ترجمہ جس کا عمومی بیان ہوا یہ ہے "کہ ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا"۔

روزہ رکھنے کی طاقت ہے مگر نہیں رکھا گیا، اس پر فدیہ ہے اور یہ اجازت صحت مند مقیم کے لئے تھی، روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ نَزَلَ رَمَضَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَكَانَ مَنْ اَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا تَرَكَ الصَّوْمَ مِمَّنْ يُطِيْقُهٗ وَرُخِّصَ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ فَنَسَخَتْهَا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ فَاُمِرُوْا بِالصَّوْمِ. (۱)

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے بیان کرتے ہیں کہ رمضان کا حکم نازل ہوا تو ان پر گراں گزرا، پس جو کسی مسکین کو ہر روز کھانا کھلا دیتا تھا کہ وہ طاقت رکھتا تو ان کو اس معاملے میں رخصت دی گئی، پھر یہ اجازت اس آیت سے منسوخ ہو گئی کہ اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے، پس ان کو روزہ کا حکم دے دیا گیا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتداء کا حکم تھا کہ بیمار اور مسافر تو قضا کر لیں اور جو

---

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

صحت مند ہے اور مسافر نہیں مگر روزہ اس پر گراں ہو رہا ہے تو وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر اس کا فدیہ دے، اگرچہ وہ فدیہ دے رہا ہوگا مگر یہ احساس تو بہرحال رہے گا کہ کسی طور پر اس فرض کی ادائیگی میں شریک ہے، اسی لئے بعد کی آیات میں مریض اور مسافر کے حکم کو دہرایا گیا مگر اس اجازت اور فدیہ کا ذکر نہ ہوا، بعض نے کہا کہ بعد کے عمومی حکم کہ جو رمضان المبارک کو پالے، روزہ رکھے سے یہ استثناء ختم ہو گیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یطیقونہ کے مفہوم میں طاقت کا ہونا تو ہے مگر بہت تکلف و تکلیف کے ساتھ، اس لئے جن پر روزہ مشکل ہو رہا ہے کہ وہ اس کی عام مومنین کی طرح طاقت نہ پا رہے ہوں تو وہ فدیہ ادا کر دیں۔

تیسری رائے یہ ہے کہ یُطِیْقُوْنَہٗ کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ وہ طاقت نہ پاتے ہوں کہ عربی زبان میں سلب مادہ یعنی اساسی کلمہ کا معنیٰ "ھـمـزہ" کے اضافہ سے نفی میں ہو جاتا ہے جیسے "فلس" کا معنیٰ پیسہ ہے مگر اَفْلَسَ کا معنیٰ پیسہ نہ ہونا، مفلس ہونا ہے، اس صورت میں معنی بڑا واضح ہے کہ جس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں وہ فدیہ دے دے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس جزو آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، فرماتے ہیں:

لَیْسَتْ مَنْسُوْخَۃً ھُوَ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْمَرْاَۃُ الْکَبِیْرَۃُ لَایَسْتَطِیَانِ اَنْ یَصُوْمَا فَیُطْعِمَانِ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مِسْکِیْنًا .(۱)

یعنی "یہ حکم منسوخ نہیں، اس سے مراد بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں پاتے پس وہ دونوں ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں"۔

یہ بھی کہا گیا کہ عمومی حکم کے حوالے سے منسوخ ہے مگر شیخ فانی یا مستقل لاچار کے حق میں باقی ہے۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر المجلد اول ص ۲۱۵

marfat.com

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ لوگ جو بیمار یا مسافر کے زمرے میں نہیں آتے کہ بیمار کو تندرستی پر روزہ رکھنا ہے اور مسافر کو سفر ختم ہونے کے بعد اس کی قضا کرنا ہے مگر وہ بوڑھے یا دائمی مریض جو استطاعت کی امید ہی نہیں رکھتے ان کو بھی حالت روزہ سے گزارنا ضروری ہے، مقصود ہر کسی کو روزہ کا احساس دلانا اور اس اطاعت کی اہمیت بتانا ہے، مسلم معاشرہ میں اکثریت روزہ دار ہوگی، چند مریض اور مسافر احترام حکم کے ساتھ دی گئی رعائت سے فائدہ اٹھائیں گے کہ ان پر بھی حکم کی عظمت آشکار رہے گی اور چند دوسروں کو روزہ رکھوا کر اس عمل خیر میں شریک رہیں گے، اس طرح پوری فضا روزہ کے تقدس سے متمتع ہوتی رہے گی۔

فدیہ، ایک مسکین کا کھانا ہے کہ وہ مسکین اس کی نیابت کرے گا، ایک اوسط درجہ کے انسان کی خوراک فدیہ ہے، سحر و افطار کا انتظام کر دیں یا نقد ادا کر دیں مگر حقدار کا خیال ضرور رہے بلکہ اس سے زیادہ دیں تو بہتر ہے، استطاعت ہو تو فدیہ میں کشائش چاہئے اس لئے یہ فرما کر تحریک دی گئی۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ" جو رضا کارانہ طور پر اپنی خوشی سے بھلائی کرے تو وہ اس کے لئے بھلا ہے"۔

تعمیل حکم میں اپنی خوشی سے زیادہ انہاک دکھانا، بہتر ہے، بہتر کھانا دیا جائے، ایک سے زیادہ مساکین کو شامل کر لیا جائے کہ یہ معاشرتی حسن سلوک کے مظاہر ہیں، بڑھتے ہی رہنے چاہئیں۔

اجازت کے تمام مشتملات کے ذکر کے بعد ایک بار پھر روزہ کی عظمت کا بیان ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پروردگار عالم کو روزہ ہی سب سے زیادہ پسند ہے اس لئے اجازت کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ روزہ بہر طور خیر ہے، اس سے ترغیب ملی کہ حتی الامکان روزہ چھوڑنے سے بچے رہنا چاہئے، دیکھ لیجئے جن کو سہولت دی ان سے بعد میں

marfat.com

روزہ رکھوایا اور یہ عمومی اعلان بھی ہوا کہ روزہ رکھ لینا خیر ہی خیر ہے اس لئے اس ہمہ اجر عمل کو ضائع نہ کرنا چاہئے، یاد رہے اجازت کی صورتیں رعائت ہیں روزے کا بدل نہیں ہیں۔

## ٦۔ شَھرُ رَمَضَان

ارشاد ہوا: ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور یہ ہدایت کی واضح نشانیوں والا ہے اور فرقان یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے''۔ رمضان المبارک کی امتیازی شان یہ بیان ہوئی کہ اس میں قرآن مجید اتارا گیا، نزول قرآن اس ماہ کا شرف ہے، سورہ قدر میں فرمایا گیا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (القدر: ۱) ''بے شک ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا''۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ''لیلۃ القدر'' رمضان المبارک ہی میں ہے، لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن مجید، قدر کی رات نازل کیا گیا، پھر وہاں سے رسول اکرم ﷺ کی تیئیس سالہ اظہار نبوت کی زندگی میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا اتارا گیا، ایسا ہی سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے (۱) اس انداز نزول پر لوگ اپنی کم علمی اور مخالفت کی وجہ سے معترض بھی ہوئے، اس پر ارشاد باری ہوا:

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۝ (الفرقان: ۳۲)

ترجمہ: ''اور کہا ان لوگوں نے جو کفر کرنے لگے، ان پر قرآن یک بارگی کیوں نہ اتارا گیا، اس طرح اس لئے کہ ہم آپ کے دل کو اس کے ساتھ مضبوط کر دیں اور اس لئے ہی ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے''۔

رمضان المبارک شہر قرآن ہے اس لئے اس ماہ میں تلاوت قرآن اور تدبر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر المجلد الرابع ص ۵۲۹

marfat.com

قرآن پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، قرآن مجید کا تعارف یوں کرایا گیا کہ یہ تمام انسانیت کے لیے ضابطہء ہدایت ہے، واضح کر دیا گیا کہ قرآن مجید کسی خاص قوم، علاقے یا دور کے لئے نہیں، یہ تو ان سب کے لئے ہدایت ہے جو دائرہ انسانیت میں ہیں، وہ کہیں ہوں، کسی زمانے میں ہوں یا کسی تہذیب وتمدن کے حامل ہوں، ان کی عادات مختلف ہوں، صورتوں میں تفاوت ہو یا وہ کوئی بھی زبان رکھتے ہوں، یہ ہمہ گیر نوشتہ ہدایت ہے، کوئی کبھی بھی اس کی ہدایت سے بے نیاز نہیں، اب ہدایت کا کوئی رخ ہو، راہنمائی کا کوئی انداز یا پہلو ہو، نشان ہدایت یہی کتاب ہے، راہنمائی صرف اور صرف اس کتاب سے لی جائے گی، یہ دنیا میں موجود قدیم یا جدید ہر ہدایت نامے سے بے نیاز کر دے گی، ہاں جہاں کبھی الجھاؤ آئے، حق اور باطل کی صورتیں پہنچاننے میں دقت ہو، امتیاز حق و باطل کا جب بھی کوئی مرحلہ آئے تو پھر بھی تمیز وشعور کا پیمانہ یہی کتاب ہوگی، معیار نجات یہی ہے، دنیا میں ہدایت اسی سے لی جائے گی کہ یہی کتاب، حساب کے میدان میں وسیلہء نجات ہے، روایت تو یہاں تک ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے راسخ العقیدہ اور نمایاں وجود کو تورات پڑھنے سے روک دیا تھا کہ اب کامرانیوں وکامیابیوں کی کفالت قرآن مجید سے ہی ہوتی ہے، ہدایت کا ابدی نوشتہ جو محفوظ تر بھی ہے اور کامل تر بھی، اسی کو راہنما و راہبر بنانا دانش مندی ہے، اس لئے اب کسب فیض اسی سے ہوگا، سابقہ کتب وصحائف، قرآن مجید کے نزول کے بعد لائق احترام بھی ہیں اور ان پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے مگر اب عمل صرف اور صرف قرآن مجید پر ہوگا کہ یہ پیغام ابدی بھی ہے، آخری بھی ہے اور پوری انسانی زندگی کو محیط بھی ہے۔

marfat.com

## ۷۔رمضان المبارک کے روزے

ارشاد ہوا: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پس جو تم میں سے اس مہینے کو پالے وہ ضرور اس کا روزہ رکھے۔یعنی ہر وہ شخص جو اس مہینے میں زندہ ہے اس پر روزہ ہے، یہ ذہن میں رہے کہ مِنْكُمْ یعنی تم میں سے فرمایا گیا اور ابتداء کلام ''اے ایمان والو'' کے خطاب سے ہے اس لئے واضح ہوگیا کہ روزہ کا حکم ایمان والوں کے لئے ہے کہ صاحب ایمان ہو اور رمضان المبارک آ جائے تو ضرور روزہ رکھے، پھر الشھر فرمایا گیا کہ خاص مہینہ مراد ہے اور یہ وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں موجود ہو تو اس پر روزہ ہے اس سے اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کی بھی وضاحت ہو گئی اور روزوں کی مقدار کا بھی فیصلہ ہو گیا، قرآن مجید کی ان آیات کی ترتیب پر غور کیا جائے ۔تو ایک روشن حقیقت کا احساس ہوتا ہے، بات رمضان المبارک کے فضائل کی ہوئی، قرآن مجید کے نزول کو فضیلت کی اساس قرار دیا گیا، قرآن مجید کی صفات کا تذکرہ ہوا کہ وہ ہدایت ہے، ہدایت کا روشن نشان ہے اور فارق حق و باطل ہے، اس ترتیب کا بظاہر تقاضا یہ محسوس ہوتا ہے کہ کہا جائے گا: اتنی روشن کتاب جو ہدایت کی کفالت کرتی ہے آ گئی ہے تو اس کو پڑھو، سمجھو اور عمل کرو، یقیناً قرآن مجید کا مقصود یہی ہے مگر ان آیات کے بیان کا آخر یہ آیا کہ اس مہینے کے روزے رکھو، اس سے قاری کو یہ ہدایت ملی کہ قرآن مجید نازل ہو چکا، اب اسے اس کی ہدایتوں کو اپنانا ہے، ان ہدایات تک رسائی کے لئے قرآن مجید پر غور کرنا ہے مگر سمجھا دیا گیا کہ نہ غور ہو سکے گا نہ عمل، جب تک قرآن فہمی کے اس معیار کو نہ پایا جائے گا جو ہدایت کا نشان ہے، روزہ رکھا جائے تا کہ کتاب ہدایت سے قرب پیدا ہو، مادی خواہشات اور کمتر انسانی میلانات سے کنارہ کشی ہوگی تو روح کو جلاء ملے گی اور روح

marfat.com

کی یہ جلاء قرآن فہمی کی اساس بنے گی، قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے، وہ خالق جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اسے نیند یا اونگھ آتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان بیداریوں اور کم خوابیوں کا سہارا لے، بھوکا پیاسا رہے کہ مادی آلائشوں سے کٹ سکے، یہی وہ لمحہ ہوگا جس میں قرآن مجید کے انوار سینوں کو روشن کرنے لگیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تورات پانے کے لئے روزے رکھے تھے (۱) معلوم ہوا کہ کلام الٰہی کا ہر دور میں یہی تقاضا ہے کہ مادیت سے بلند ہونے کا اہتمام کرو تاکہ قرآن سمجھ آنے لگے۔

روزہ رکھنے کا یہ حکم ہر صاحب ایمان کے لئے ہے، اس لئے اس میں رعایت کا دوبارہ ذکر کیا گیا تاکہ دین کا سہولت والا پہلو نمایاں رہے، استثناء کی صورتیں دیکھئے۔

## ۸۔ مرض اور سفر:

مریض کا ذکر ہوا، مسافر کا حوالہ دیا گیا اور اجازت دی گئی کہ وہ روزہ چھوڑ دیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رمضان المبارک کے سوا دیگر مہینوں یا دنوں میں اس گنتی کو پورا کریں، آسانیوں کا تصور بھی قائم رہا اور تعمیل حکم کی سروری بھی قائم رہی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات، سہولت تو فراہم کرتی ہیں مگر بجا آوری پر بھرپور زور دیتی ہیں۔

یہاں یہ سوال کہ ان آیات میں ایک استثناء کا ذکر نہ ہوا، طاقت یا عدم طاقت، فدیہ، طعام مسکین کسی کا حوالہ نہیں دیا گیا، اس سے ان علماء کا قول بظاہر مستحکم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا اور یہ کہ پہلے حکم میں مذکور ہوا کہ شروع میں تین روزے تھے، تین کے حکم میں مریض، مسافر اور طاقت پر فدیہ دینے والوں کا تذکرہ ہے کہ یہ رعائتیں اس وقت تھیں، اب رمضان المبارک کے ذکر کے ساتھ پورے مہینے کا بیان ہے تو صرف مریض اور مسافر کو یہ رعایت حاصل ہے کہ قضا کر لیں، اس رائے میں

---

marfat.com

(۱) تفسیر ابن کثیر سورہ الاعراف آیت ۱۴۲

تیسری استثناء اب باقی نہیں رہی، یہ بھی متفق فیصلہ ہے کہ طاقت کی موجودگی میں فدیہ دینے کی سہولت ختم ہوگئی ہے مگر شیخ فانی اور مستقل لاچار لوگوں کے لئے یہ باقی ہے جیسا کہ لکھا جا چکا کہ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایسے لوگوں کے لئے فدیہ کے حکم کو جاری سمجھتے ہیں اور یہی متفق نقطہ نظر ہے کہ ایسے لاچار لوگوں کا ہر دور کا معاشرہ سامنا کرتا ہے تو آخر اس کا حل ہونا چاہئے اسلامی تعلیمات نے کسی فرد ملت کو بغیر ہدایت نہیں چھوڑا۔

تمام احکام کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو رمضان المبارک میں مؤمنوں کی چار مختلف حالتوں کا حوالہ ہے جن میں تین وہ حالتیں ہیں جہاں سہولت اور رعائت دی گئی ہے۔ ان میں مریض، مسافر اور شیخ فانی شامل ہیں۔ مریض یا مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے مگر ان کو بہر حال دوسرے ایام میں، ان عارضی طاری حالتوں سے نکلنے پر روزہ رکھنا ہے، شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت یا مستقل لاچار مرد اور عورت، ان کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے کہ ان کی استطاعت میں نہیں اور یہ کہ مستقبل میں کسی قوت یا استطاعت کی امید بھی نہیں ہے، ایسے لوگوں پر فدیہ ہے کہ وہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائیں، یہ تینوں صورتیں نہ ہوں تو مؤمن روزہ دار ہوتا ہے، تندرست اگر روزہ نہ رکھے تو وہ مطلق حکم کی تعمیل سے روگردانی کر رہا ہے اور گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے، ہر ایمان والے کو اس ارتکاب گناہ سے بچنا چاہئے کہ یہ صریحاً نافرمانی ہے اور اس پروردگار کی ناشکری ہے جس نے استطاعت عطا کی ہے۔

۹۔ رحم وکرم

ارشاد ہوا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا''۔

marfat.com

یہ اسلامی تعلیمات کے عمومی رویے کا اظہار ہے، خالق کائنات، انسان کے لئے جسے یُسر قرار دے تو انسان کو اسی حکم کے بجالانے میں کسی تنگدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، کیا بہتر ہے؟ کیا کشائش ہے؟ یہ انسان سے زیادہ اس کا خالق جانتا ہے، وہ رحیم وکریم ہے، بھلا تنگی کیوں چاہے گا؟ اس لئے روزہ رکھنے میں کسی قسم کی کوئی بے دلی، ناپسندیدگی یا بہانہ سازی نہ چاہئے، اطاعت کو جسم وروح کی مکمل یگانگت کا مظہر ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ توفیق دے آمین۔

## ۱۰۔ تکمیل وتکبیر

فرمایا گیا: ''اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرسکو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو جیسا کہ تم کو ہدایت دی گئی تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ''۔

سہولتوں کا ذکر ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ اتنا اہتمام کس لئے، رمضان المبارک میں جسے توفیق ملی اور وہ مریض یا مسافر نہ ہوا اس نے روزے رکھ لئے، اب جو مکلف نہ رہا تو اس پر قضا کس لئے، تو واضح کردیا گیا کہ تم گنتی پوری کرسکو، یہ تو اس پروردگار کا کرم ہے کہ کوتاہی بھی ہوئی، فرض ادا بھی نہ کرسکے مگر پھر بھی رحمتوں کا سایہ رہا، بعد میں روزہ رکھ لینے کو تکمیل فرض کا وسیلہ بنادیا، کیا یہ کرم بے حد کی دلیل نہیں ہے؟ پھر فرمایا: یہ احکام اس لئے دیئے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا احساس رہے، رحیم وکریم خالق، عظمتوں والا ہے کہ اپنے کمزور وناتواں بندوں کو بھی نوازتا ہے حالانکہ وہ احکام کی بجاآوری میں پوری طرح شریک نہ ہوسکے تھے، اس میں یہ احساس بھی نمایاں ہے کہ وقتی معذوری، سہولت تو دیتی ہے حکم ٹالنے کی ترغیب کا ذریعہ نہیں بنتی، روزہ جب قضا کیا جاتا ہے تو ایک فرمانبردار انسان کا ہر بن مو شہادت دے رہا ہوتا ہے کہ آخر وہ اسی کا بندہ ہے اور ہمہ وقت اطاعت کیش ہے۔ یہ رویہ اور یہ کبریائی کا اعلان

marfat.com

اس لئے ہے کہ ہر لمحہ شکر گزاری کا لمحہ بن جائے۔ بعد میں قضا، یہ اعلان ہی تو ہے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اطاعت کے لئے پھر سے طاقت عطا فرمادی، تو ہی بڑا ہے اور میں تیرا ہی شکر گزار ہوں۔

روزہ کی فرضیت کا مقصود تقویٰ بیان ہوا تھا، پھر نزول قرآن کے حوالے سے روزہ کا حکم، ایک اور رخ کی نشاندہی کر گیا کہ اس کتاب حکمت اور ضابطہء نجات کو پانے پر ہمہ تن فرماں دار بن جاؤ، روزہ رکھو کہ اس سے اعتراف عبدیت کا اظہار ہوتا ہے اور قلب و جسم کے تمام حوالے تقویٰ کی پناہ میں آجاتے ہیں۔

قرآن مجید کی ان تین آیات میں روزہ کے حوالے سے تمام اساسی ضابطے ارشاد ہو گئے، بعد میں چند ایسے مسائل کا ذکر ہوا جو روزہ داروں کے لئے روزہ کی حدود مقرر کرتے ہیں تا کہ یہ فریضہ مکمل اطاعت کے ساتھ ادا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۸۷)

ترجمہ: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اللہ نے جانا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے رہے ہو، تو اس نے تمہیں معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا، پس اب تم ان سے مباشرت کرو اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اس

marfat.com

کی خواہش کرو، اور کھاؤ پیو حتیٰ کہ تمہارے لئے سیاہ ڈوری سے فجر کی سفید ڈوری ظاہر ہو جائے، پھر تم رات تک روزوں کو پورا کرو، اور ان سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان کے قریب نہ جاؤ، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں لوگوں پر واضح کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کر لیں"۔

اس آیت کریمہ میں بہت سے احکام بیان ہوئے جن پر عمل کرنے سے روزہ کا تقدس بھی قائم رہتا ہے اور انسانی خواہشات کی حدود کا بھی تعین ہو جاتا ہے، چند مسائل جن کا خصوصی مطالعہ چاہئے یہ ہیں:

## ا۔ روزہ دار کے لئے رات کے اعمال

روزہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے، اس دوران میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات پر پابندی ہے، ابتداء میں رات کے بارے میں کوئی حکم نہ تھا کہ اس میں دن کے روزہ دار کے لئے کیا احکام ہیں اور کس حد تک پابندی ہے، لوگوں کا قیاس تھا کہ جب تک جاگ رہے ہیں اور روزہ کھول چکے ہیں تو ان منع کی گئی کیفیات کی اجازت ہے، مگر جب بھی آنکھ لگ گئی، پابندی عائد ہوگئی، اس پر عموماً عمل ہوتا رہا مگر کبھی غلبۂ خواہش نے اس پابندی کو بوجھ سمجھا اور بعض اوقات برعکس عمل بھی ہوا، اس حوالے سے بعض روایات میں اس غلبے کا تذکرہ ہے مثلاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ ان سے رات میں بیوی سے قربت کا واقعہ ہو گیا، اس لئے کہ روزہ کے حکم میں افطار کے بعد سحری تک کے احکام بیان نہ ہوئے تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اس بارے میں از خود بعض حدود کا اہتمام کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں اس کی وضاحت چاہی تو اس پر یہ احکام نازل ہوئے، بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

marfat.com

ایسے واقعات کی روایات ملتی ہیں۔(۱)

ایک اور روایت میں حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر ہوا کہ

اِنَّ قَیْسَ بْنَ صِرمَۃَ الانصاری رضی اللہ عنہ کَانَ صَائِمًا فَلَمَّا حَضَرَ الْاِفْطَارُ اَتٰی امرأتہٗ فَقَالَ لَهَا اَعِنْدَکِ طَعَامٌ قَالَتْ لَا وَلٰکِنْ اَطْلُبُ لَکَ وَکَانَ یَوْمَہٗ یَعْمَلُ فَغَلَبَتْہُ عَیْنُہٗ فَجَآءَتْ اِمْرَأتُہٗ فَلَمَّا رَأتْہُ قَالَتْ خَیْبَۃً لَکَ فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّھَارُ غُشِیَ عَلَیْہِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ (۲)

ترجمہ:''قیس بن صرمہ الانصاری رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے جب افطار کا وقت آیا تو اپنی زوجہ کے ہاں آئے اور ان سے کہا: کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ کہنے لگیں نہیں لیکن جا کر مہیا کر لیتی ہوں، اس روز آپ کام کرتے رہے تھے (کھیتی باڑی میں مصروف رہے تھے) اس لئے ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا، ان کی بیوی آئی، جب اس نے آپ کو ایسے دیکھا تو کہنے لگیں ہائے محرومی آپ کے لئے، جب آدھا دن ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے، اس واقعہ کا نبی اکرم ﷺ کے پاس ذکر کیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی''۔

روزہ کے دوران جن اعمال سے روکا گیا تھا، رات کو بھی جب ان کی پاسداری کی گئی تو رات کے متعلق واضح احکام آ گئے، روایت سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افطار کرنے کے بعد اس وقت تک کھاتے پیتے یا تعلقات جنسی پر عمل پیرا ہوتے جب تک نیند نہ آ جاتی، سونے پر وہ سحری کے علاوہ ان باتوں سے پرہیز کرتے، اس طرح یہ ایک تکلیف دہ عمل بن گیا، اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر المجلد الاول ص:۲۲۰

(۲) صحیح البخاری کتاب الصوم باب اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِکُمْ

marfat.com

اس از خود عائد پابندی سے نجات دلادی اور رات میں روزہ دار کو آسانیاں عطا فرمادیں، ارشاد فرمایا گیا:

۱۔ روزوں کے دنوں میں راتوں کے اوقات میں بیویوں کے ہاں جانے کی اجازت ہے، وہ جنسی اعمال جن پر روزہ کی حالت میں پابندی ہے رات کو ان پر عمل کرنا جائز ہے اور یہ فعل حلال ہوگا، اس حکم سے تردد و اضطراب کی تمام کیفیات ختم ہوگئیں۔

۲۔ ایک معاشرتی نقطہ واضح کردیا گیا کہ وہ عورتیں جو تمہاری بیویاں بن چکی ہیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، لباس، ستر کا ذریعہ ہے۔ سخت و ناخوش گوار موسم سے بچاؤ کا سامان ہے اور انسان کے لئے ایک زینت ہے کہ یہ معاشرتی وتہذیبی مظہر بھی ہے، عورت، مرد کے لئے اور مرد، عورت کے لئے ان تینوں حوالوں سے معاون ہے، تسکین وموانست کا وسیلہ ہے کہ دونوں کے لئے ایک دوسرے کا قرب باعث نشاط ہے، خواہش اور وہ بھی بے پایاں قوت کی خواہش کی تسکین اگر جائز اور مستحسن طریق سے ہوجائے تو اس سے بڑھ کر کرم اور کیا ہے؟ پھر زندگی کے نشیب وفراز میں انسان بار بار لغزشوں کا شکار ہوتا ہے، ہر قدم اسے کسی معاون ودمساز کی ضرورت ہوتی ہے کہ مشکل مراحل باہمی تعاون سے آسان ہوجاتے ہیں۔ شوہر اور بیوی ایسے ہی دودمساز ہیں، پھر یہ کہ معاشرے میں قدر وقیمت اور سماجی رفعت میں وہ ایک دوسرے کے لئے بلندیوں کا زینہ ہیں، گھر عورت کے دم سے جنت آثار بنتے ہیں اور مرد کی موجودگی سے تحفظ واحترام کا باعث ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا گیا کہ تم دونوں ایک دوسرے کا لباس ہو، ان کو کب تک دور رکھا جاسکتا ہے اس لئے زہد وتقویٰ کے اس دورانیے میں بھی لاتعلقی مناسب نہیں۔

marfat.com

۳۔ فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے نفوں سے خیانت کرتے رہے ہو،

یعنی خود عائد کی گئی پابندی کو نباہ نہیں سکے ہو اس لئے اس رحیم و کریم رب نے اس مشکل سے تمہیں رہائی دے دی، معاف کر دیا اور درگزر فرمالیا، اس سے دو باتوں کی وضاحت ہو گئی، ایک یہ کہ خود ساختہ ضابطے کس قدر بھی مضبوط ہوں ان پر عمل پیرا ہونے میں خیانت ہوتی رہتی ہے، انسان کی عافیت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ضوابط کی پابندی کرے اور ہر حال میں اس کا اطاعت شعار رہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر باہمی فیصلوں کی بھی پاسداری ہو تو زندگی میں اضطراب نہیں آتا، اس لئے توبہ و عفو کا حوالہ دے کر وہ الجھن بھی دور کر دی جو ان اعمال کے سرزد ہونے پر دلوں کو پریشان کر سکتی تھی۔

۴۔ فرمایا گیا: بس اب ان سے مباشرت کرو اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ان کی طلب کرتے رہو، مباشرت کی اجازت دے دی گئی مگر اس کا مقصود بھی بیان کر دیا کہ اس جنسی تعلق کو لذت دنیا کا مقصود نہ جانو بلکہ اس تعلق کو حکم کے جواز سے منسلک کر دو تا کہ یہ دنیاوی تعلق بھی باعث اجر و کرم بن جائے، بعض علماء مفسرین نے اس سے اولاد کی خواہش کا مفہوم بھی لیا ہے۔

۵۔ مزید فرمایا گیا: ''اور کھاؤ پیو حتیٰ کہ سیاہ ڈوری سے سفید ڈوری تمہارے لئے ظاہر ہو جائے'' اس فرمان الٰہی سے سحری کا تعین ہوا کہ اگر رات کو پابندیوں سے آزاد کر دیا گیا ہے تو یہ آزادی کب تک ہے، فرمایا گیا طلوع فجر تک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، الخیط الأسود اور الخیط الأبیض کے مفہوم کی کاملیت کے بارے میں ابتداء میں کچھ متردد رہے کہ ان سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث کا انتساب کیا، حدیث ہے کہ

عَنْ عَدِیِّ بنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ "حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ عَمَدْتُ اِلٰی عِقَالٍ اَسْوَدَ وَاِلٰی

marfat.com

عِقَالٍ اَبْيَضَ فَجَعَلْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِیْ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ فِی اللَّیْلِ فَلَا یَسْتَبِیْنُ لِیْ فَغَدَوْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِکَ سَوَادُ اللَّیْلِ وَبَیَاضُ النَّهَار (۱)

ترجمہ: ''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ''حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ'' نازل ہوئی تو میں نے ایک سیاہ ڈوری اور ایک سفید ڈوری لی اور ان دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیا اور رات ان کو دیکھتا رہا کچھ واضح نہ ہوا تو صبح رسول اللہ ﷺ کے ہاں گیا اور اس کا ذکر کیا، فرمایا: یہ تو رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے''۔

واضح ہوا کہ اس سے وہ سفیدی مراد ہے جو طلوع فجر کا اعلان ہوتی ہے، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

لَا یَمْنَعَکُمْ مِنْ سُحُوْرِکُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِیْلُ وَلٰکِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِیْرُ فِی الْاُفُقِ (۲)

ترجمہ: ''تمہیں تمہاری سحریوں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور مستطیل فجر (یعنی جو فجر کی روشنی آسمان سے نیچے کی جانب سیدھی ہو) نہ روکے ہاں جب پھیلی ہوئی فجر افق میں آ جائے، یعنی فجر کے طلوع کی وہ روشنی جو شرقاً غرباً پھیلے اس پر سحری کا اختتام ہو، امام بخاری علیہ الرحمتہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، رات ہوتی تھی کہ اذان دے دیتے تھے، اس لئے فرمایا کہ ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کی اذان تک کھاؤ پیو۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب قول اللہ تعالٰی وکلوا واشربوا

(۲) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی بیان الفجر

(۳) صحیح البخاری کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ لایمنعکم من سحورکم اذان بلال

marfat.com

۶۔ اختتام روزہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''پھر تم روزوں کو رات تک مکمل کرو''۔ رات تک روزہ رکھنا لازم ٹھہرا، رات شروع ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے، تاخیر کسی صورت مناسب نہیں، یہ خیال کہ رات تک کے مفہوم میں رات کا کچھ حصہ شامل ہونا چاہیے عربی محاورہ کے خلاف ہے، الیٰ سے دن کی تکمیل اور رات کی ابتداء ہی مراد ہے، اس لئے سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی افطار کا حکم ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان نبوی ارشادات میں موجود ہے جن میں سحری کی تاخیر اور افطار کی تعجیل کا حکم دیا گیا ہے۔

سحری، روزہ دار کے لئے روزہ کے فرض کی پر رونق ابتداء ہے اس لئے احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے اور پھر یہ کہ اس میں آخری لمحہ تک تاخیر حکم کی عظمت کا اظہار ہے، احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً .(۱)

یعنی ''سحری کیا کرو بے شک سحری میں برکت ہے''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَصْلُ مَابَیْنَ صِیَامِنَا وِصِیَامِ اَھْلِ الْکِتٰبِ اَکْلَۃُ السَّحْرِ (۲)

ترجمہ: ''ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے''۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ .(۳)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصوم باب فضل السحور و صحیح البخاری کتاب الصوم باب برکۃ السحور و دیگر کتب صحاح

(۲) صحیح مسلم کتاب الصوم باب فضل السحور

(۳) صحیح مسلم کتاب الصوم باب تعجیل الافطار و صحیح مسلم کتاب الصوم باب فضل السحور

marfat.com

ترجمہ: "لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ افطار میں تعجیل کرتے رہیں گے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ ظَاهِرًا مَاعَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ. (۱)

"لوگ غالب رہیں گے جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے تھے"۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رضی الله عنه قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِلَی السَّحُوْرِ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَکِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے مجھے رمضان المبارک میں سحری کے لئے بلایا تو فرمایا: مبارک غداء کی طرف آؤ۔ اس طرح سحری کو غداء یعنی صبح کا کھانا کہا۔

۷۔ "اور تم بیویوں سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مساجد میں اعتکاف میں ہو۔"

اس فرمان الٰہی میں اگرچہ حکم کا رخ مباشرت کی ممانعت کی جانب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں ممنوع ہے مگر ضمناً ہی سہی اعتکاف کا حوالہ آ گیا، اعتکاف اس نیت کے ساتھ کسی مسجد میں دنیاوی معاملات سے لاتعلق ہو کر ہمہ تن عبادت کی کیفیت لئے ہوئے ٹھہرنا ہے کہ یہ ایام خالصتہ ذکر الٰہی میں خرچ ہوں، اگرچہ کوئی باشعور انسان جب ایسا داعیہ محسوس کرے وہ معتکف ہو سکتا ہے مگر اس ارشاد مبارک میں خصوصی طور پر رمضان مبارک کے عشرۂ اخیرہ کا حوالہ ہے کہ یہ اسی سیاق میں نازل ہوئی ہے۔ اعتکاف کے بارے میں چند احادیث ہیں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام باب ما یستحب من تعجیل الفطر

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب من سمی السحور الغداء

marfat.com

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زوجِ النبیِّ ﷺ اَنَّ النبیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ العَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللہُ ثُمَّ اِعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ بَعْدَہٗ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی۔ پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف کرتی تھیں۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بھی اعتکاف کے حوالے سے روایات کی ہیں۔

اعتکاف، ماہ رمضان کی بیس تاریخ کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی نیت اعتکاف کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے سے شروع ہوتا ہے اور رمضان المبارک کی آخری تاریخ انتیس ہو یا تیس کو چاند دیکھتے یا چاند کی اطلاع ملتے ہی ختم کردینے کا نام ہے، اوقات کی حدود کا خیال ضروری ہے، اعتکاف سنت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے، روایت ہے کہ ہر سال اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال ایسا نہ کرسکے تو دوسرے سال بیس راتوں کا اعتکاف کیا (۲) اسے اعتکاف کی قضا تو نہیں کہہ سکتے مگر اس سے شوق عبادت کا اظہار ضرور ہوتا ہے، اس لئے کہ اعتکاف سنت کفایہ ہے، بستی میں کسی ایک نے اس سنت کو ادا کردیا تو کسی اور پر اس کا بوجھ نہ رہا ہاں اگر کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو سب اس سنت کے تارک ہوں گے۔

اعتکاف میں معتکف کو ذکر الٰہی اور عبادات میں مشغول رہنا چاہئے، بلا ضرورت مسجد سے باہر نہ جانا چاہئے، قضائے حاجت کے لئے مسجد کے متصل ہی

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب الاعتکاف

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب الاعتکاف

marfat.com

انتظام ہو جیسا کہ آج کل اکثر مسجدوں میں ہے تو باہر نہ جانا چاہئے۔ غیر ضروری گفتگو، دنیاداری کے مسائل پر بات چیت سے پرہیز کرنا چاہئے تا کہ نیکیوں کا غلبہ رہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں:

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَاَةً وَّلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَابُدَّمِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ. (۱)

ترجمہ: ''معتکف کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ کسی مریض کی عیادت نہ کرے اور نہ کسی جنازہ میں حاضر ہو، نہ عورت کو چھوئے اور نہ مباشرت کرے اور نہ کسی حاجت کے لئے مسجد سے نکلے سوائے اس ضرورت کے جو ناگزیر ہو اور نہ روزہ کے بغیر اعتکاف کرے اور نہ جامع مسجد کے سوا اعتکاف کرے''۔

ناگزیر ضرورت یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا لازم ہو جیسے قضائے حاجات، جامع مسجد سے مراد جہاں جمعہ ہوتا ہو، اگر چہ ان مسجدوں کی بھی اجازت دی گئی ہے جہاں باجماعت نماز ادا کی جاتی ہو تا کہ اعتکاف کرنے والا باجماعت نماز کی ادائیگی سے محروم نہ رہ جائے۔

یہ تھیں وہ حدود جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمادیا اور حکم دیا کہ ان حدود کے قریب نہ جاؤ یعنی ان حدود کو نہ توڑو، وہ رحیم و کریم خالق اسی طرح آیات کو بیان کرتا ہے، مقصود یہ ہے کہ انسان شکر گزار بن جائے اور احکام کا پابند رہے۔

روزہ، رمضان المبارک کے ایام کی تعداد کے مطابق رکھا جاتا ہے یعنی رمضان المبارک کی پہلی تاریخ سے روزہ شروع ہوتا ہے اور مہینے کے انتیس یا تیس دنوں میں مسلسل رکھا جاتا ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ رمضان المبارک کی ابتداء اور انتہاء کا فیصلہ درست ہے، یہی ضرورت رویت ہلال کی اہمت واضح کرتی ہے۔

marfat.com

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب الاعتکاف

## رؤیت ہلال

اسلامی کیلنڈر قمری ہے، چاند کے دیکھے جانے کا اعتبار ہوتا ہے، روزہ دار خود دیکھے یا کسی لائق اعتماد ذریعہ سے اس کا فیصلہ ہو جائے، قمری مہینہ انتیس یا تیس دنوں کا ہے اس لئے ہر مہینے کی ابتداء کے لئے رؤیت کا اہتمام کیا جاتا ہے، حضور اکرم ﷺ سے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے

اَلشَّھْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَیْلَۃً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْنَ.

''مہینہ انتیس رات کا ہے، روزہ نہ رکھو جب تک اسے (یعنی چاند کو) دیکھ نہ لو اور اگر تم پر ابر ہو تو تیس کا شمار پورا کرلو۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ ابوالقاسم ﷺ فرماتے تھے۔

صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ اُغْمِیَ عَلَیْکُمْ فَاکْمِلُوْا عِدَّۃَ شَعْبَانَ ثَلٰثِیْنَ.

یعنی چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو، اگر تم پر ابر ہو تو شعبان کی گنتی پوری یعنی تیس کرلو'' (۱)

معلوم ہوا رمضان المبارک کی انتیس تاریخ ہو تو چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اگر مطلع ابر آلود ہو یا کسی اور وجہ سے کہ نظر آنے کی حالت میں نہیں تھا، نظر نہ

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم الھلال فصوموا صحیح مسلم کتاب الصوم باب رویۃ الھلال دیگر کتب احادیث

marfat.com

آئے تو روزوں کو تیس کر لینا چاہئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رؤیت کا مسئلہ اس نوعیت کا نہیں کہ اس پر باہمی اختلاف وافتراق کو ہوا دی جائے۔ روزہ ایک فرض ہے اور اس کیلئے ارشادات رسول ﷺ کو ہمیشہ رہنما بننا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ مسلم امت کے تہوار رویت سے متعین ہوتے ہیں مگر ان کو فرض کی ادائیگی کے حوالے سے اہمیت دینا چاہئے، الجھن تب سے پیدا ہوئی ہے جب سے یہ صرف خوشی کے لمحات قرار پا کر جشن کا سامان بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فیصلوں میں صدق نیت کی توفیق عطا فرمائے، اب جبکہ مسلم معاشروں میں رؤیت کے فیصلوں کے لئے علماء کرام کے بورڈ تشکیل پا چکے ہیں اس مسئلہ کو نزاع کا سبب نہ رہنا چاہئے، فیصلے شریعت کی روح کے مطابق اور امت کے اتحاد کے نقطہ نظر سے ہوں تو ان ایام کی برکات مزید بڑھ جاتی ہیں۔

مہینہ انتیس کا ہے یا تیس کا لیکن بعض اصحاب کے ہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ رمضان المبارک کی رحمتوں میں انتیس کے حوالے سے کمی یا تیس کے حوالے سے بہتری تو نہ آئے گی، کیا انتیس روزوں کی وجہ سے اجر میں نقصان ہوگا اس پر واضح فرما دیا گیا کہ اجر میں کمی نہیں ہوتی، حضرت اسحاق بن راہویہ علیہ الرحمتہ نے واضح طور پر کہا کہ حدیث میں جو عدم نقصان کا ذکر ہے اس سے مراد ہے کہ لَا یَنْقُصَانِ فِی الْفَضِیْلَةِ اِنْ کَانَ تِسْعَةَ وَعِشْرِیْنَ اَوْثَلٰثِیْنَ (۱) کہ رمضان اور ذوالحجۃ فضیلت میں کم نہیں ہوتے اگرچہ انتیس کے ہوں یا تیس کے"۔

## لَیْلَۃُ الْقَدر

رمضان المبارک کی ایک رات جو آخری عشرہ کی کوئی طاق رات ہے لَیْلَۃُ الْقَدر ہے، گمان غالب یہ ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے، اس میں قیام اور عبادت کا

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب شہرا عید لا ینقصان

اجر ہزار مہینوں سے زائد ہے، قرآن مجید کی سورہ قدر اس رات کی عظمت کا الہامی اعلان ہے، ارشاد پروردگار ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ (سورۃ القدر)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا، مہربان ہے۔

بے شک ہم نے اس کو یعنی قران مجید کو قدر کی رات نازل کیا، آپ نے کیا سمجھا کہ قدر کی رات کیا ہے، قدر کی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اور روح اترتے ہیں ہر کام میں سلامتی ہے، فجر طلوع ہونے تک''۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی فضیلت تو سورہ مبارکہ کے ہر کلمہ سے عیاں ہے، ایک ہزار مہینوں سے بہتر کہ ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے، ہزار کی تحدید بھی ضروری نہیں کہ عربوں میں ''الف'' یعنی ہزار سے بڑھ کر کوئی گنتی کا کلمہ نہ تھا اس لئے نہ ختم ہونے والی گنتی سے بھی بڑھ کر اجر کا اعلان ہوا۔ فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ رحمت عام کی گھڑی ہے اور روحیں آتی ہیں کہ آج کی رات ہر قسم کی حد بندیوں سے آزادی کی ہے، یہ بھی کہا گیا کہ اس سے روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ بھی آتے ہیں، یہ سب سماں ان کے رب کی اجازت سے ہے، یہ لمحات ہمہ خیر ہیں، مکمل سلامتی کی یہ گھڑیاں طلوع فجر تک کائنات کو پیغام امن و سلامتی دیتی ہیں، اس ہمہ فضیلت رات میں رسول اکرم ﷺ کا اپنا عمل یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

marfat.com

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيزَرَهُ وَاَحْيٰ لَيْلَهُ وَاَيْقَظَ اَهْلَهُ (۱)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو تہہ بند کو مضبوط کر لیتے (عربی محاورے میں اس سے مراد مکمل تیار ہونے کے ہیں) اپنی رات کو زندہ رکھتے یعنی رات جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ (۲)

ترجمہ: ''جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا، ایمان کے ساتھ اور جزاء کے یقین کے ساتھ تو اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے گئے''۔

رات کی برکات کے حوالے سے باران رحمت کی کیفیات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کہ کس طرح تمام فضا اور سجدہ گاہیں سیراب ہو گئیں، یہ ان شب بیداریوں کی برکتیں تھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ہر صاحب نظر ولی حتیٰ کہ عام امتی بھی اس رات کی تلاش میں رہے ہیں، یہ تلاش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑی شدت سے تھی اسی لئے روایات میں اس کی نشاندہی کے متعدد آثار ملتے ہیں مثلاً

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَآ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ الْوِتْرِ مَنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ دوسری روایت میں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی ہے کہ فرمایا: تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان

(۲) صحیح البخاری کتاب الصوم باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا

marfat.com

(۳) صحیح البخاری کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔

بعض روایات میں آخری سات راتوں کا بھی ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ .(۱)

یعنی لیلۃ القدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔

یہ بھی روایت ہوا کہ لیلۃ القدر اکیسویں رات ہے، تیئیسویں رات ہے، پچیسویں رات ہے، ستائیسوں رات ہے، انتیسویں رات ہے اور رمضان المبارک کی آخری رات ہے۔(۲) حضرت ابوالمنذ ر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کیسے جانتے کہ یہ رات ستائیسویں ہے تو کہتے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

اِنَّهَا لَيْلَةٌ صَبِيْحَتُهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ (رضی اللہ عنہ) اِنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَاِنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ وَ لٰكِنْ كَرِهَ اَنْ يُخْبِرَكُمْ فَتَتَّكِلُوْا.(۳)

یعنی یہ وہ رات ہے کہ جس کی صبح کا سورج طلوع ہوتا ہے مگر اس میں شعاع نہیں ہوتی پس ہم نے اس کو شمار کیا ہے اور یاد رکھا ہے، اللہ کی قسم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ رات، رمضان المبارک میں ہے اور ستائیسویں رات ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بتانے کو ناپسند کرتے تھے کہ تم بھروسہ کر بیٹھو گے۔

اہل علم اور اہل معرفت بزرگوں کے مشاہدات کا زیادہ میلان ستائیسویں کی

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر

(۲) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلۃ القدر

(۳) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلۃ القدر

marfat.com

جانب ہی ہے اگرچہ حتمی فیصلہ مناسب نہیں کہ روایت میں دوسری راتوں کا بھی ذکر ہے، اس میں وہی حکمت پوشیدہ ہے کہ کہیں لوگ ایک رات ہی پر اعتماد کر کے باقی راتوں کو فراموش نہ کر دیں، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت ایک اہم خبر پر مشتمل ہے فرماتے ہیں:

خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰی رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَةَ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰی فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ خَیْراً لَّکُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِی التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ(۱)

ترجمہ: ”نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو آدمی باہم جھگڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دینے آیا تھا، فلاں فلاں آپس میں جھگڑ پڑے تو وہ اٹھالی گئی، ممکن ہے کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی ہو، پس اس کو انتیس، ستائیس اور پچیس کی راتوں میں تلاش کرو“۔

سوچئے! مسلمان قوم کا باہمی نزاع اور اندرونی خلفشار کس قدر نقصان دہ ہے کہ اس سے یہ امت بہت بڑی اطلاع سے محروم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مسلم امت کو اتحاد واتفاق کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

## الوصال فی الصوم

روزوں میں وصال سے مراد ہے کہ بغیر کچھ کھائے پیئے روزے کی حالت میں ہی ایک روزہ سے دوسرے روزہ میں داخل ہو جانا، رات جس میں روزہ نہیں ہے اس میں دن کی طرح رہنا اس طرح کہ روزہ دوسرے دن تک پھیل جائے، روایت

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر

marfat.com

ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا وصال کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اتباع و اطاعت کے خوگر تھے اور زیادہ سے زیادہ قرب چاہتے تھے، بھی ایسا کرنے لگے تو رحیم و کریم آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شفقت فرماتے ہوئے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمادیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے عرض کیا کہ آپ تو ایسا کر رہے ہیں، یہ سوال اس لئے نہ تھا کہ وہ معترض تھے بلکہ وہ اس حکمت اور اصول کو جاننا چاہتے تھے کہ اس تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس تخصیص کا سبب واضح کر دیا، کتب صحاح میں متعدد روایات موجود ہیں جن میں معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ صوم وصال کا تذکرہ ہے، چند ایک پر نظر ڈالئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لَا تُوَاصِلُوْا قَالُوْآ اِنَّکَ تُوَاصِلُ قَالَ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ قَالَ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی اَوْاِنِّیْ اَبِیْتُ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی (۱)

ترجمہ: ''وصال نہ کرو، عرض کیا آپ وصال کرتے ہیں تو فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کی طرح بھی نہیں، فرمایا میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں یا میں رات گزارتا ہوں یوں کہ کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کے مثل روایت ہوا۔ (۲)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں ارشاد ہوا:

قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ لِیْ مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یُّسْقِیْنِیْ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال

(۲) حوالہ سابقہ (۳) حوالہ سابقہ

marfat.com

ترجمہ: ”فرمایا: میں تمہاری طرح کا تو نہیں ہوں، میں یوں رات گزارتا ہوں کہ مجھے کھلانے والا ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا ہے جو مجھے پلاتا ہے“۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں نفی کے کلمات یوں ہیں

قَالَ لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّی اُطْعَمُ وَاُسْقٰی (۱)

ترجمہ: ”فرمایا: میں تمہاری مثل تو نہیں، مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِیَّاکُمْ وَالْوِصَالَ قَالُوْا فَاِنَّکَ تُوَاصِلُ یا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّکُمْ لَسْتُمْ فِیْ ذَالِکَ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیُسْقِیْنِیْ فَاکْلَفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَاتُطِیْقُوْنَ. (۲)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصال سے باز رہو، عرض کیا: آپ یارسول اللہ وصال کرتے ہیں، فرمایا تم لوگ اس معاملہ میں میری مثل نہیں ہو، میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے، پس تم اعمال میں سے اتنے ہی کا بوجھ اٹھاؤ جتنی تم طاقت رکھتے ہو“۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ یعنی میں تم جیسا نہیں ہوں، کے الفاظ ہیں۔ (۳)

سنن الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصوم باب النھی عن الوصال

(۲) صحیح مسلم کتاب الصوم باب النھی عن الوصال

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب الوصال

(۴) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی کراھیۃ الوصال فی الصیام

marfat.com

یعنی ''میں تم میں سے کسی ایک کی طرح بھی نہیں ہوں''۔

ان تمام روایات میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ نبی اکرم ﷺ کا وجود بے مثل ہے، آپ عمومی طور پر اعمال کو ویسے ہی انجام دیتے ہیں جس طرح امت کو حکم دیتے ہیں، اس لئے کہ آپ ہی اسوہ حسنہ ہیں مگر اس مطابقت میں بعض مرحلے ایسے بھی آتے تھے کہ آپ ﷺ کے بے مثل ہونے کی شہادت ملتی تھی، خصائص وشمائل کے یہی وہ پہلو ہیں جو فرق مراتب کی وضاحت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مقام رسالت کی رفعتوں اور عظمتوں کو سمجھنے کی توفیق بخشے آمین۔

## روزہ کی نیت

روزہ رکھنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کی نیت کرلے، دل سے نیت ہو لیکن اگر زبان سے بھی اظہار ہو تو زیادہ عظمت ہے کہ یہ زبان وقلب کی یک رنگی کا مظہر ہے، نیت کا مناسب وقت تو یہی ہے کہ جب پہلا روزہ افطار ہوگیا تو دوسرے کی نیت کرلے وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ یعنی میں رمضان کے مہینے کے کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں، اگر رات تک نیت نہ کرسکے تو روزہ رکھے ہوئے جب تک سورج نصف النہار سے نہ گزرے نیت کرلے۔ اگر تب بھی نیت نہ ہوئی تو روزہ نہ ہوگا، نیت دن کو کر رہا ہے تو روزہ دار یوں کہے: نَوَيْتُ اَنْ اُصُوْمَ هٰذَا الْيَوْمَ لِلّٰهِ یعنی میں نے آج کے دن کے روزہ کی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیت کی۔

## افطار کی دعا

☆ نبی اکرم ﷺ جب روزہ افطار کرنے لگتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (۱)

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصیام القول عند الافطار

marfat.com

ترجمہ: ''اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور میں تیرے دیئے ہوئے رزق پر افطار کر رہا ہوں''۔

یہ دعا بھی معروف ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.

یعنی ''اے اللہ میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا، میں تجھ پر ایمان لایا اور میں نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیرے دیئے ہوئے رزق سے ہی افطار کیا''۔

نبی اکرم ﷺ نے روزہ افطار کرنے کے حوالے سے ارشاد فرمایا: (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں)

☆ مَنْ وَجَدَ تَمْراً فَلْیُفْطِرْ عَلَیْہِ وَمَنْ لا فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَآءٍ فَاِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ (۱)

ترجمہ: ''جو کھجور پائے تو اس کے ساتھ افطار کرے اور جو نہ پاسکے تو اسے چاہئے کہ پانی سے افطار کرلے کہ پانی پاک کرنے والا ہے''۔

☆ حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ صَآئِمًا فَلْیُفْطِرْ عَلَی التَّمْرِ فَاِنْ لَمْ یَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَی الْمَآءِ فَاِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ (۲)

ترجمہ: ''جب کوئی تم میں سے روزہ دار ہو تو وہ کھجور کے ساتھ افطار کرے اور اگر وہ کھجور نہ پاسکے تو پانی کے ساتھ کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے''۔

☆ افطار کے بعد نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے)

---

(۱) سنن الترمذی کتاب الصوم باب ما یستحب علیہ الافطار

marfat.com

(۲) سنن أبی داؤد کتاب الصیام باب ما یفطر علیہ

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ. (۱)

ترجمہ: "پیاس دور ہوگئی، شریانیں سیراب ہوگئیں اور ان شاءاللہ اجر ثابت ہوا"۔

ان کے علاوہ افطار کے مقبول لمحوں میں جو دعا بھی مانگی جائے بہتر اجر کی مستحق ہوگی کہ یہ سراسر اطاعت شعاری کے لمحے ہیں، رمضان المبارک کے روزوں کا ہر صاحب ایمان کو انتظار رہتا ہے کہ یہ سراپا رحمت، مغفرت اور نجات کا مہینہ ہے اس لئے اس کی آمد کا اشتیاق، کبھی حد سے فزوں ہو جاتا ہے اور بعض نیکوکار اس کے استقبال کے لئے اس کی آمد سے قبل ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ خیال صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں پیدا ہوا تھا تو نبی رحمت ﷺ نے اس بارے میں مکمل راہنمائی عطا فرمادی۔

## استقبال رمضان کے لئے روزہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمَهٗ فَلْیَصُمْ ذَالِکَ الْیَوْمَ. (۲)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی بھی رمضان المبارک سے قبل ہرگز ایک دن یا دو دن کا روزہ نہ رکھے سوائے اس آدمی کے جو اس کا روزہ رکھتا ہو پس اسے چاہئے کہ اس روز کا بھی روزہ رکھے"۔

استقبال رمضان کے لئے، یا اس شک پر کہ شاید رمضان المباک کا چاند ہو جائے روزہ رکھنا درست نہیں کہ اس سے نفل اور فرض کا التباس ہوتا ہے اور یہ کہ طلوع ہلال کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر وہ شخص ان دنوں کے روزہ رکھنے کا عادی ہو مثلاً

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام باب القول عن الافطار

(۲) صحیح البخاری کتاب الصوم باب لا یتقدم رمضان

marfat.com

وہ ہر سوموار کو روزہ رکھتا تھا اور یہ دن تیس شعبان کو آ گیا تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا جائز ہے مگر نیت رمضان کے روزہ کی نہ ہو، اس پر ایک حدیث جو امام ترمذی علیہ الرحمتہ نے روایت کی بے غبار روشنی ڈالتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِيَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ اِلَّآ اَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُوْمُهٗٓ اَحَدُكُمْ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوْا ثَلٰثِيْنَ ثُمَّ اَفْطِرُوْا(۱)

ترجمہ: ''ماہ رمضان سے ایک روز اور دو روز قبل روزہ نہ رکھو سوائے اس کے کہ یہ روزہ اس روزے کی موافقت سے ہو جو تم میں سے کوئی رکھتا رہا ہے، روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور روزہ کھولو (یعنی روزوں کو مکمل کرو) چاند دیکھ کر اور اگر تم پر ابر آیا ہو تو تیس گن لو اور پھر روزہ چھوڑ دو''۔

ان ارشادات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ امت میں اشتیاق رمضان کا ولولہ برقرار رہے اور چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے فیصلے کا اہتمام موجود رہے، رمضان المبارک اور روزہ کی برکات اور اسی مناسبت سے روزہ دار کی فضیلت، یہ وہ موضوع ہے جس کا کتب صحاح اور دیگر کتب احادیث میں کثرت سے ذکر ہوا ہے، بہتر ہوگا کہ چند ضمنی یا متعلقہ مسائل پر گفتگو سے قبل ان فضائل کا تذکرہ ہو جائے۔

## رمضان المبارک، روزہ اور روزہ دار

رمضان المبارک کی آمد کن رحمتوں کے نزول کا ذریعہ بنتی ہے، اس بارے میں ایک حدیث جو تمام کتب صحاح اور دیگر کتب میں موجود ہے یہ ہے:

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء لا تقدموا الشهر بصوم

marfat.com

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ (۱)

ترجمہ: ''جب ماہ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں''۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَآ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ اَجْلِيْ لِلصَّآئِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَآءِ رَبِّهِ وَلَخَلُوْفُ فِيْهِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ (۲)

ترجمہ: ''ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا ہو جاتا ہے، ہر نیک عمل کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزہ کے کہ یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، روزہ دار اپنی خواہشات اور کھانے کو میری خاطر چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک فرحت اس کے افطار کے وقت ہے اور ایک فرحت اس کے اپنے رب سے ملنے کے وقت، اور بے شک روزہ دار کے منہ کی بو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی مہک سے زیادہ طیب، زیادہ پاک ہے''۔

عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ أَيْنَ الصَّآئِمُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَإِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ اَوْشَهْرُ رَمَضَانَ

(۲) صحیح مسلم کتاب الصوم باب فضل الصیام

marfat.com

**فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ(۱)**

ترجمہ: ”حضرت سہل رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے اُلــرَّیان کہا جاتا ہے، اس سے قیامت کے روز روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے سوا اس سے کوئی داخل نہ ہو گا، کہا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پس وہ کھڑے ہو جائیں گے، اس سے ان کے سوا کوئی داخل نہ ہو گا، جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا کہ اس میں کوئی داخل نہ ہو“۔

☆ رمضان المبارک میں خود نبی اکرم ﷺ کے معمولات میں کیا فرق آتا تھا اور آپ کا شوق عبادت کس طرح عروج پر ہوتا تھا اس حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شہادت دیکھئے، فرماتے ہیں:

**کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسَ وَکَانَ اَجْوَدَ مَایَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقٰهُ جِبْرِیْلُ وَکَانَ جِبْرِیْلُ یَلْقَاهُ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَیُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِیْنَ یَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ (۲)**

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر جود و کرم کرنے والے تھے اور آپ مزید کریم ہو جاتے جب کہ رمضان میں ہوتے کہ ان دنوں جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے اور جبرئیل علیہ السلام آپ کو رمضان المبارک کی ہر رات ملتے تھے اور آپ کے ساتھ قرآن کا دور ہوتا تھا، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ چلتی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ بھلائی کی عطا کرنے والے ہوتے“۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب الریان للصائمین

marfat.com

(۲) سنن النسائی کتاب الصوم باب الفضل والجود فی شہر رمضان

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت ہوئی ہے جس میں ایک اعرابی نے رسول اکرم ﷺ سے فرائض کے حوالے سے کچھ سوال کیئے اور آپ نے ارکان اسلام کا ذکر فرمایا، اس میں ایک سوال یہ بھی تھا۔

اَخْبِرْنِیْ مَاذَافَرَضَ اللّٰہُ عَلَیَّ مِنَ الصِّیَامِ فَقَالَ شَھْرُ رَمَضَانَ اِلاَّ أن تَطَوَّعَ شَیْئًا.

ترجمہ: عرض کیا: ''مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے روزوں کے بارے میں مجھ پر کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا: رمضان المبارک کا مہینہ، سوائے اس کے کہ تو اپنی چاہت سے رکھ لے'' کئی اور سوال بھی ہوئے، جب فرائض کا ذکر مکمل ہو چکا تو اعرابی نے پورے یقین واعتماد سے کہا:

وَالَّذِیْ اَکْرَمَکَ بِالْحَقِّ لَا اَتَطَوَّعُ شَیْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیَّ شَیْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ اَوْدَخَلَ الْجَنَّۃَ اِنْ صَدَقَ .(۱)

ترجمہ: ''عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کی تکریم عطا کی، میں خود رضا کارانہ اضافہ نہ کروں گا اور نہ جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس سے کم کروں گا یعنی جو فرائض بیان ہوئے ان میں نہ کمی کروں گا اور نہ زیادہ کروں گا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو کامیاب ہوگیا، یا فرمایا: اگر سچا ہے تو جنت میں داخل ہوا''۔

اس حدیث میں نجات وفلاح کے لئے جو فرائض مدار قرار دیئے گئے ہیں ان میں رمضان المباک کا روزہ بھی ہے، معلوم ہوا کہ نجات دائمی اور فلاح اخروی کے لئے رمضان المبارک کے روزے لازم ہیں، اللہ تعالیٰ اس مدار پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان

marfat.com

## روزہ کی قضا

قرآن مجید نے واضح طور پر دو صورتوں میں روزہ کی قضا کی اجازت دی ہے:

۱۔ بیمار جو رمضان المبارک میں روزہ نہیں رکھ سکا اسے دوسرے مہینوں میں قضا کرنا ہے اور تعداد کو پورا کرنا ہے یعنی اگر رمضان المبارک انتیس دنوں کا تھا تو انتیس اور اگر تیس دنوں کا تھا تو تیس روزے پورے کرنا ہیں، رمضان المبارک کے علاوہ جو روزہ رکھا جائے گا اس کے لئے سحری، افطار اور دیگر احکامات رمضان کے مطابق ہی ہوں گے۔

۲۔ مسافر جس کو اجازت دی گئی اور اس نے اجازت سے فائدہ اٹھایا تو بعد میں اس کو قضا کرے اور گنتی مکمل کرے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ قضا کے لئے چند ممکنہ صورتیں یہ ہیں:

۳۔ سحری کے اوقات کا درست تعین نہ ہو سکا اور طلوع فجر کے بعد بھی کھایا، پیا یا تعلق قائم کیا مگر شرط یہ ہے کہ ایسا ارادۃً نہ ہو تو صرف وہی روزہ قضا کرنا ہوگا۔

۴۔ نابالغ تھا کہ روزہ فرض نہ تھا مگر رمضام المبارک میں بالغ ہو گیا تو بعد کے روزے فرض ہیں، رکھنے ہوں گے اور جس دن بلوغت میں داخل ہوا تو اس کی قضا ہوگی، شرط یہ ہے کہ اس روز، روزہ کی نیت کا وقت موجود تھا مگر نہ رکھا۔

۵۔ روزہ کی حالت میں پابندیوں کو بھول گیا اور کچھ کھا پی لیا تو ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا کہ اس پر نبی اکرم ﷺ کا ارشاد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

**مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَآئِمٌ فَاَكَلَ اَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (۱)**

marfat.com

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصوم باب اکل الناسی وشربہ وجماعہ لا یفطر

ترجمہ: "جو بھول گیا اور وہ روزہ دار تھا اور اس نے کھایا پیا تو اسے چاہئے کہ اپنا روزہ پورا کرے، بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے"۔

یہ دین میں تخفیف اور آسانی کا پہلو ہے، بھول کر کھایا پیا اور یاد آنے پر باز رہا تو روزہ ہو گیا لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ اب روزہ نہیں رہا، کچھ کھایا پیا تو اس کی قضا ہو گئی قضا کی صورت تبھی بنے گی جبکہ اس میں روزہ توڑنے کی نیت شامل نہ ہو، کوتاہی، غلطی، غیر مناسب تاویل وغیرہ سے روزہ رہ جائے یا ٹوٹ جائے تو قضا ہے قضا کو جلد سے جلد پورا کرنا ضروری ہے کہ یہ فرض کی ادئیگی ہے اس میں غیر ضروری تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

## کفارہ

روزہ دار اگر بالارادہ روزہ توڑ دے جس کے لئے اس کے پاس کوئی شرعی جواز نہ تھا تو اس پر قضا بھی ہے اور کفارہ بھی، اس کے لئے نیت اور ارادہ شرط ہے کہ اگر نیت شامل نہ ہو تو صرف قضا ہے، کفارہ کے لئے ضروری ہے کہ:

ا۔ روزہ دار ہو اور رمضان المبارک کا روزہ رکھ رہا ہو۔

۲۔ روزہ کی نیت رات سے ہی ہو، اگر دن چڑھے نیت کی پھر کھول دیا تو قضا ہے، کفارہ نہیں۔

۳۔ ایسا عمل کیا جس سے روزہ ٹوٹ جانے کا اسے یقین حاصل تھا مثلاً کسی کھانے والی چیز کو کھایا لیکن اگر مٹی اندر گئی یا خود کھائی مگر اس کا عادی نہ تھا تو قضا ہے یا ایسا عمل ہوا جس سے روزہ کا نقصان نہیں ہوتا مگر یہ فیصلہ کر لیا کہ روزہ نہیں ہے اور کھا پی لیا تو قضا ہے ایسی صورت میں شریعت سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔ ان تمام احکام کی روح یہ ہے کہ مؤمن کے قلب و دماغ میں شریعت سے بغاوت نہ ہو اور نہ وہ کسی حالت میں نافرمانی پر دلیر ہو۔

marfat.com

روزہ ٹوٹ گیا، کفارہ لازم ہوا تو کفارہ فوری طور پر ادا کرنا چاہئے، کفارہ کیسے ادا ہو، اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوا، کہنے لگا: میں ہلاک ہو گیا، ارشاد ہوا: تجھے کیا ہوا کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی، اس پر حضور ﷺ نے ازالہء گناہ کے لئے کفارہ کا تعین فرمایا، ارشاد ہوا:

فَهَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ: لا قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لا، قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ: لا، قَالَ: اِجْلِس فَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ بِعَرْقٍ فِيْهِ تَمْرٌ فَقَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنَّا قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ ثَنَايَاهُ قَالَ: فَأَطْعِمْهُ اِيَّاهُمْ (۱)

ترجمہ: ''کیا تمہارے پاس اتنی طاقت ہے کہ تم غلام آزاد کر سکو؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی توفیق پاتا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے، عرض کیا: نہیں، فرمایا: بیٹھو، نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک تھیلی آئی جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: ان کو صدقہ کر دو، کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ ان دو گھاٹیوں کے درمیان یعنی مدینہ منورہ میں ایسا کوئی گھر نہیں جو ہم سے زیادہ مفلس ہو، راوی کہتے ہیں: پس رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے، فرمایا تو یہ انہیں کو کھلا دو''۔

اس حدیث پاک سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، نمایاں تر پہلو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کفارہ کی مختلف صورتیں واضح کر دیں اور اپنے مشفقانہ رویہ کے باوجود کفارہ ادا کرنے کی کوئی شکل لازم کر دی، اس سے کفارہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

marfat.com

---

(۱) [illegible]

## کفارہ کی مختلف صورتیں یہ ہیں

غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا، اس کو اولیت حاصل ہوئی کہ اسلامی تعلیمات کا مقصود، غلامی کو ختم کرنا ہے۔

یا مسلسل ساٹھ روزے رکھنا، ان ساٹھ دنوں میں انقطاع نہیں آنا چاہئے وگرنہ دوبارہ رکھنا ہوں گے یا اگر انقطاع بس میں ہی نہیں ہے مثلاً عورت کے ماہواری کے دن، تو ماہواری سے پہلے اور بعد کے روزوں کو مسلسل گنا جائے گا۔

یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، کھانا عمومی معاشرتی اقدار کے مطابق ہو اور حاجت مندوں کو کھلایا جائے۔

ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے، ترتیب قائم رہے یعنی غلام کی آزادی کو اولیت حاصل رہے۔ اگر ممکن نہ ہو تو دوسری صورت کہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مساکین کا کھانا، یہ ضرور یاد رہے کہ پہلی صورت کی استطاعت نہ ہو تو دوسری، اور اگر دوسری کی بھی استطاعت نہ ہو تو تیسری صورت، یہ درست نہیں کہ استطاعت حاصل تھی کہ پہلی صورت میں عمل کر لیا جاتا یا دوسری کو اختیار کیا جاتا مگر اپنی پسند سے فیصلہ کر لیا گیا، عدم استطاعت شرط ہے، اس کا خیال رہنا چاہئے۔

## قیام اللیل

رمضان المبارک میں رات کا قیام، سابقہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قیام شہر رمضان کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ . (۱)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصوم باب الترغیب فی قیام شہر رمضان

marfat.com

ترجمہ: ”جس نے بھی ایمان کی حالت میں اور اجر کے ارادے سے رمضان المبارک میں قیام کیا، اس کے پہلے کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے“۔

رمضان المبارک میں راتوں کا قیام باعث اجر و ثواب ہے۔

## تراویح

باب الصلوٰۃ میں تراویح کا ذکر کیا جا چکا کہ یہ بیس رکعات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی ادائیگی کا خصوصی اہتمام کیا کہ باجماعت ادا کی گئیں، نبی اکرم ﷺ سے ان کی ادائیگی اور پسندیدگی کی روایات ملتی ہیں، یہ وہ سنت ہے جس پر عالم اسلام ہر دور میں عمل پیرا رہا ہے کہ اس کی ادائیگی سے رمضان المبارک کی راتوں میں، عبادات کے مناظر نہائت اثر آفریں ہوتے ہیں، نبی رحمت ﷺ کے اس عمل کی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں فرمایا:

صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَلَمْ یُصَلِّ بِنَا حَتّٰی بَقِیَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِي الْخَامِسَةِ حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلّٰى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ وَدَعَا أَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ قُلْتُ لَهٗ مَا الْفَلَاحُ قَالَ: اَلسُّحُوْرُ (۱)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ روزے رکھے، آپ نے ہمیں نماز نہ پڑھائی (مراد تراویح ہے) حتیٰ کہ مہینہ میں سات دن رہ گئے یعنی تیئیسویں تاریخ ہوگئی، تو آپ نے ہماری امامت کرائی، اتنی دیر قیام کیا کہ تیسرا حصہ رات کا گزر گیا مگر پھر چوبیس کو ہماری امامت نہ فرمائی اور پچیسوں رات پھر قیام فرمایا، اتنا کہ آدھی رات گزری۔

---

marfat.com

(۱) سنن الترمذی، ابواب الصوم باب ماجائی قیام شہر رمضان

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش! اس رات کا باقی حصہ ہمیں نوافل پڑھاتے رہتے، فرمایا: بے شک جس نے امام کے ساتھ قیام کیا حتیٰ کہ امام نے قیام چھوڑا اس کیلئے پوری رات کا قیام لکھا گیا۔ پھر آپ نے ہمیں قیام نہ کرایا حتی کہ تین راتیں رہ گئیں یعنی ستائیسویں رات ہوگئی، آپ نے اس تیسری رات میں ہمیں نماز پڑھائی اور آپ نے گھر والوں اور اپنے گھر کی مستورات کو بھی بلایا اور ہماری امامت کرائی، اتنا لمبا قیام کیا کہ ہمیں فلاح کا خوف ہوا، راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: فلاح کیا ہے؟ کہا: سحری یعنی ستائیسویں رات کا قیام اتنا طویل ہوا کہ سحری رہ جانے کا خوف ہونے لگا۔''

اس حدیث مبارک سے قیام کے انہماک کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہ آپ نے تین رات اپنی امامت میں تراویح کی نماز پڑھائی، اس سے جواز واضح ہوگیا اور سنت ہونا بھی ثابت ہوا مگر یہ خیال کہ آپ نے سارا مہینہ ایسا کیوں نہ کیا تو اس کی وضاحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں موجود ہے:

عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَآ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَّصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ وَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَلَمَّآ اَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ اِلَّآ اَنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ (۱)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کی نماز کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نماز پڑھی، پھر بعد کی رات نماز پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بڑھ گئی پھر وہ سب تیسری رات یا چوتھی رات اکٹھے ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائے، جب صبح

---

(۱) سنن النسائی کتاب الصوم باب قیام شھر رمضان

marfat.com

ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری کارکردگی دیکھ لی، مجھے تمہاری طرف آنے سے اس خوف نے روکا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے، یہ واقعہ رمضان المبارک کا ہے"۔

سنن ابی داؤد میں اس کی مزید وضاحت موجود ہے کہ چوتھی رات، نبی اکرم ﷺ تشریف نہ لائے تھے، تین راتوں میں آپ ﷺ نے امامت کرائی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایام میں یہی عمل رہا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان الگ الگ نماز تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں مستقل طور پر اس کی جماعت کا حکم دیا، وہ خوف کہ فرض نہ ہو جائے باقی نہ رہا تھا اس لئے مسلسل جماعت ممکن تھی۔ نبی اکرم ﷺ کا اس کی جماعت کو منقطع کر دینا اسی خیال سے تھا کہ فرض نہ ہو جائے۔ اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح کس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ فرض ہونے کا احتمال ہو گیا تھا، یہ بھی واضح ہوا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو مسلسل جماعت ہوتی، اس سے رسول اکرم ﷺ کے ذاتی میلان کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، بہر کیف نماز تراویح رمضان المبارک کی راتوں میں نماز عشاء کے ساتھ متصل ادا کرنا اور روایات کے مطابق دو، دو، ادا کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واضح حکم سے کہ بیس رکعت ادا کرنا، اہل ایمان وتقویٰ کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے، چار رکعت کے بعد کچھ وقفہ دینا جسے ترویحہ کہتے ہیں بھی ضروری ہے کہ اس سے اس نماز کا نام تراویح ہوا ہے۔

## صدقہ فطر

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں جہاں شوق عبادت پوری جولانی پر ہوتا ہے، مسلسل روزہ، روزہ دار کے اندر تقویٰ کا جوہر پیدا کر دیتا ہے، دل حسنات کی تلاش میں رہتا ہے اور روزہ دار کے اندر آخری آیام میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کرنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے، ایک ماہ کی مشق اپنا اثر دکھاتی ہے، نجات کی امید،

marfat.com

قلب و دماغ میں سرخوشی کا سماں بنتی ہے، ایسے خوش کن لمحات میں حسنات کا دائرہ وسیع کر دیا گیا اور امت مسلمہ کے محروم اور نادار افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا، ایک خاص مقدار کا صدقہ جسے روزوں کے شکرانے اور مجبور انسانوں کی فلاح کا کفیل بنایا گیا صدقہ فطر کہلاتا ہے، یہ چونکہ عید الفطر کی خوشیوں کی خیرات ہے اس لئے اسی مناسبت سے صدقہ فطر یا مقامی زبان میں فطرانہ کہلاتا ہے۔ صدقہ فطر کی اہمیت اور اس کی معاشرتی قدر و قیمت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے عیاں ہے:

☆ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ مَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ (۱)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو لازم قرار دیا تا کہ وہ روزہ دار کے لئے لغو، بیہودہ کلام و حرکات سے پاک ہو جانے کا ذریعہ بنے اور مساکین کے لئے خوراک کا سبب بنے، جس نے اس صدقہ کو نماز عید سے قبل ادا کر دیا تو یہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔

☆ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَبِهَآ اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الفطر

(۲) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب فرض صدقۃ الفطر

marfat.com

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ فطر کے لئے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمائے، مسلمانوں میں ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے پر، اور حکم دیا کہ یہ صدقہ، عیدالفطر کی نماز کے لئے روانہ ہونے سے قبل ادا کر دیا جائے''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عید سے ایک دو روز قبل ہی صدقہ فطر ادا کر دیتے تھے۔(۱)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ قَالَ فَعَدَلَ النَّاسُ إِلٰى نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (۲)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ہر مرد، عورت، آزاد، غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، صدقہ فطر کے طور پر لازم قرار دیئے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لوگوں نے یعنی اس عہد کے اصحاب نے اس کو نصف صاع گیہوں کے برابر قرار دیا''۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ بِاِخْرَاجِ الزَّكٰوةِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ (۳)

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ، صدقہ فطر کو عیدالفطر کی نماز کے لئے روانہ ہونے سے قبل ادا کرنے کا حکم دیتے تھے''۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب فرض صدقۃ الفطر

(۲) سنن الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی صدقۃ الفطر

(۳) سنن الترمذی، ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی تقدیمھا قبل الصلوٰۃ

marfat.com

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل بصرہ کو صدقہ فطر کے بارے میں آگاہ کیا کہ وہ اس حکم کو پہلے نہ جانتے تھے، آپ نے فرمایا:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى نِصْفَ صَاعِ بُرًّا وَّصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ. (۱)

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہر بچے، بڑے، آزاد، غلام، مرد، عورت پر صدقہ فطر لازم قرار دیا، گیہوں سے نصف صاع اور کھجور یا جو سے صاع''۔

رسول اکرم ﷺ کے ان ارشادات سے واضح ہوا کہ

☆ صدقہ فطر واجب ہے، علماء نے تصریح کی کہ یہ وجوب صاحب نصاب پر ہے کہ مفلس و مسکین کو تو یہ ادا کیا جائے گا۔

صدقہ فطر، رمضان المبارک کے روزوں کی کوتاہیوں کا ازالہ بھی ہے کہ اگر مکمل پاسداری نہ ہوسکی تو یہ لغو گفتگو، بے ہودہ و ناپسندیدہ اعمال کے لئے بخشش کا زینہ بنتا ہے کہ اعمال کو آلودگیوں سے پاک کرتا ہے۔

صدقہ فطر نماز عید سے قبل ادا کرنا مقبولیت کا سبب ہے اس لئے عید کے لئے گھر سے روانہ ہونے سے قبل ادا کردینا چاہئے بلکہ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت تھی ایک دو روز قبل بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

صدقہ فطر ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے، جو عید کے روز تک زندہ تھا، اس پر بھی اور جو اس روز پیدا ہوا اس معصوم پر بھی، کہ یہ گھر کے سربراہ کو ادا کرنا ہے، اسے تو اپنے گھر کے تمام افراد، مرد، عورت، صغیر، کبیر، آزاد حتیٰ کہ اپنے غلام کا فطرانہ بھی ادا کرنا ہے۔

صدقہ فطر نماز عید سے قبل ادا نہ کیا گیا تو ساقط نہیں ہوتا، بعد میں بھی ادا کرنا

---

(۱) سنن النسائی کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الفطر

marfat.com

ہوگا اگر چہ فضیلت پہلے ادا کرنے میں ہے، اگر کسی وجہ سے رہ جائے تو عمر کے کسی حصے میں ادا کیا جا سکتا ہے، رسول اکرم ﷺ کا حکم بہر حال یہی ہے کہ نماز عید کے روانہ ہونے سے قبل ادا کر دیا جائے۔

صدقہ فطر، کھجور، جو وغیرہ میں ایک صاع وزن کے برابر ہے البتہ گیہوں ہوں تو نصف صاع ادا کرنا ہوگا جنس کی شکل میں یا مقدار وزن کی قیمت کی صورت میں، علماء نے صاع کے پیمانے کے بارے میں قدرے اختلاف کیا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ اس دور میں مختلف شہروں کے پیمانوں میں کچھ اختلاف موجود تھا محتاط اندازہ یہ ہے کہ صاع ساڑھے تین سیر سے زائد ہے یعنی چار سیر کے قریب، کھجور یا جو ہوں تو چار سیر، صدقہ ہوگا جبکہ گندم ہو تو دو سیر یا جدید حوالے سے دو کلو، اس وزن کی مروج قیمت جو بازار کے بھاؤ کے برابر ہو ادا کرنی چاہئے، اس سے زیادہ دیا جائے تو مزید ثواب کا موجب ہے کہ صدقات و خیرات میں وسعت پسندیدہ عمل ہے۔

صدقہ فطر ان کو ادا کرنا چاہئے جو صاحب نصاب نہ ہوں۔ دینی مدرسوں اور خیراتی اداروں کو بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ مدارس اشاعت دین اور تحفظ احکام کے مراکز ہیں اور مستند خیراتی اداروں کو بھی جو معاشرتی فلاح کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات کی توفیق بخشے کہ انہی سے اسلامی معاشرہ باہمی محبت و یگانگت کا مظہر بنتا ہے۔

## روزہ کیا ہے؟

روزہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے، جنسی تعلقات اور ہر برائی اور بدعادت سے بچنے کا نام ہے، روزہ بحیثیت ایک فرض کے شعبان دو ہجری میں لازم ہوا۔ ملت اسلامیہ نے ہر دور میں اس فرض کی ادائیگی میں انہماک دکھایا، مسلم معاشرے رمضان المبارک کے ایام میں تقویٰ، اطاعت، اتباع اور باہمی

marfat.com

موانست اور خیر خواہی کے جذبوں سے سرشار رہے۔

روزہ ہر عاقل و بالغ مرد و عورت پر فرض ہے، نابالغ رکھے تو لائق اجر ہے اس لئے حوصلہ افزائی ہونی چاہئے کہ یہ عمل والدین کی تربیت اور اجر کا حصہ ہے، عورت، حیض یا نفاس یعنی ماہواری یا بچہ جننے کے بعد ان ایام میں ہو کہ خون آ رہا ہو تو روزہ قضا کر سکتی ہے، بیمار اور مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے اور بعد میں قضا کرنے کی اجازت ہے، ایسے ضعیف اور عمر رسیدہ کہ روزہ نہیں رکھ سکتے اور نہ قضا کے متحمل ہیں، ان کو روزہ کا فدیہ دینا ہے۔

روزہ دار کو ہر گناہ اور ہر بد عملی سے بچنا لازم ہے مثلاً جھوٹ، بدزبانی، گالی، چغلی، غیبت، بہتان تراشی، دل آزاری اور ایسے تمام اعمال جو روزہ کی روح کے خلاف ہیں، تمام اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان وغیرہ کو پابند آداب رکھا جائے تاکہ روزہ اپنی تمام تر برکات کے ساتھ ادا ہو، خوب کہا گیا تھا۔

لب ببند و چشم بند و گوش بند
اگر نہ بینی سر حق بر من بخند

روزہ توڑنا سخت گناہ ہے، اگر بغیر کسی عذر شرعی کے توڑا تو کفارہ لازم ہے، ہاں اگر کوئی عذر لاحق ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ بیمار ہو گیا اور جان کا خطرہ ہوا، عورت کو حیض آ گیا، ایسی صورتوں میں روزہ کی قضا ہے، اگر بھول کر کوئی ایسا ممنوع عمل ہو گیا اور یاد آنے پر فوراً باز آیا تو روزہ باقی ہے مکمل کرنا چاہئے۔

روزہ ان صورتوں میں ٹوٹ جاتا ہے:

۱۔ پانی یا کھانا حلق تک چلا جانا

۲۔ منہ بھر کر قے آنا

۳۔ دانتوں سے خون نکلنا، خون، تھوک پر غالب ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے،

marfat.com

۴۔ منہ کے ذریعے کسی چیز کا حلق تک جانا یا ناک کے ذریعے اندر داخل ہونا یا کان میں یوں داخل ہونا کہ اگر جھلی سے گزر گئی کہ وہ زخمی تھی اور دماغ تک چلی گئی تو روزہ ٹوٹ گیا، پشت سے پانی یا کوئی چیز اندر چلی گئی تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، عورت سے جنسی قربت روزہ کو باطل کر دیتی ہے البتہ اگر بوس وکنار تک ہی رہے اور اس میں اشتعال نہ آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۵۔ مسواک سنت ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح تیل، خوشبو وغیرہ سے بھی روزہ نہیں جاتا۔

☆ روزہ دار کو سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا چاہے مگر سحری و افطاری کے اوقات کی حدود کا خیال رکھنا چاہئے، کھجور سے افطار سنت ہے وگرنہ پانی سے اگر کوئی اور کھانا یا پھل کھایا گیا تو پھر بھی روزہ افطار ہو گیا، افطار میں دیگر روزہ داروں کو شریک کرنا باعث اجر وثواب ہے، افطار کی محافل کا دنیا داری یا دکھاوے کے لئے انعقاد نہ چاہئے کہ اس میں روزہ نہ رکھنے والے بھی شریک ہوں، افطاری روزہ کی ہے اس کا خیال رہنا چاہئے۔

روزہ دار کو تراویح کی نماز ادا کرنے کا خیال رہنا چاہئے، با جماعت ہو اور مکمل قرآن مجید کی تلاوت ہو تو باعث رحمت ہے۔

## عید الفطر

ارشاد الٰہی ہے:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرۃ۔ ۱۸۵)

"اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان

marfat.com

کرواس پر جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور یہ کہ تم اس کا شکر ادا کرو"۔

☆ رمضان المبارک مکمل ہو جائے، روزوں کی سعادت حاصل ہو جائے تو پروردگار کی بڑائی کا اعلان اپنی عبدیت کا اظہار ہے کہ ہدایت نصیب ہوئی اور اس پر عمل ہوا، اسی بلندیٔ قسمت پر شکر ادا کرنا ہے، عید کا مقصود بھی یہی ہے۔

رمضان المبارک، مومنوں کے لئے ایک روحانی تربیت کا مہینہ ہے، یہ ان کے لئے ایک آزمائش و امتحان بھی ہے کہ روکنے والا کوئی نہیں، سرزنش کرنے والا سامنے نہیں، یہ تو بندے اور اس کے رب کے درمیان محبت و اطاعت کا اظہار ہے، بھوک ہے اور خوراک بھی پیاس ہے اور پانی بھی، زبان ہے اور زبان درازی کے مواقع بھی، توانیاں موجود ہیں مگر یہ سب سرافگندہ ہیں، ایک ایک قوت سراپا اطاعت ہے، سوچئے ان ساری توانائیوں کو پابند آداب کس نے کیا؟ کیا یہ ایمان کی سطوت نہیں؟ کیا یہ عقیدے کی حکمرانی نہیں؟ یہ تو خودشناسی کا مرحلہ ہے۔ اطاعت شعار وجود ہے اور کبریائی کے ترانے!

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، سب حمد وثنا اللہ کے لئے ہی ہے"۔

عید مسرت وشادمانی کا دن ہے، یہ کسی جنگ یا معرکے کی یادگار نہیں، آباء واجداد پر فخر کا لمحہ نہیں، یہ تو اطاعت پر طمانیت اور خراج محبت پر مسرت کا دن ہے، رسول اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں دو دنوں کا ذکر ہوا جن میں اہل مدینہ مسرتوں کا اظہار کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ مَاھٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ

marfat.com

**اللہ ﷺ اِنَّ اللہَ قَد اَبدَلَکُم بِھِمَا خَیراً مِنھُمَا یَومُ الاَضحٰی وَیَومُ الفِطرِ (۱)**

ترجمہ: ’’رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے، تھے آپ نے پوچھا یہ دو دن کیا ہیں؟ کہنے لگے: ہم ان دو دنوں میں جاہلی دور میں کھیل کود کرتے تھے، پس نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں کو دو دنوں سے بدل دیا ہے جو ان سے بہتر ہیں، عید الاضحیٰ کا دن اور عید الفطر کا دن‘‘۔

عید کی خوشیوں کا اظہار عید کی نماز سے ہوتا ہے جو عموماً کھلے میدانوں میں ادا کی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ سے سب مسلمان اس میں شریک ہوتے، قرب و جوار سے بھی لوگ آتے، بچوں کو شریک کیا جاتا حتیٰ کہ عورتوں کو حکم تھا کہ پردہ کے باوجود وہ بھی آئیں جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے عیاں ہے، یہاں تک کہ جو عورتیں ماہواری کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکتی تھیں انہیں بھی اس اجتماع میں شرکت کے لئے کہا گیا تاکہ دعاؤں میں شریک رہیں۔ (۲)

☆ عید کی نماز دو رکعت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

**اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ یَومَ الفِطرِ فَصَلّٰی رَکعَتَینِ لَم یُصَلِّ قَبلَھَا وَلَا بَعدَھَا. (۳)**

ترجمہ: ’’بے شک نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے روز تشریف لائے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی‘‘۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین

(۲) صحیح مسلم کتاب العیدین

marfat.com

(۳) صحیح البخاری کتاب العیدین باب الصلوٰۃ قبل العید وبعدھا

**عیدالفطر کی نماز کے لئے روانہ ہونے سے قبل کچھ کھالینا سنت ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:**

☆ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ

**كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَايَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَايَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ (۱)**

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے روز کچھ کھائے بغیر گھر سے نہ نکلتے اور آپ ﷺ عیدالاضحیٰ کے روز نماز پڑھنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے۔

معلوم ہوا کہ عیدالفطر کی نماز کے لئے روانہ ہونے سے قبل کچھ کھالینا چاہیے جبکہ عیدالاضحیٰ کے روز نماز کے بعد کھانا چاہیے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ

**كَانَ يَفْطِرُ عَلٰى تَمَرَاتٍ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الْمُصَلّٰى (۲)**

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے روز عید گاہ جانے سے قبل کھجوریں کھایا کرتے تھے''۔

عید کے روز عید گاہ جانے کے لئے نبی اکرم ﷺ اگر ایک راستہ سے جاتے تو واپس دوسرے راستے سے آتے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

☆ **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاخَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِيْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِيْ غَيْرِهٖ .(۳)**

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ، عید کے روز اگر ایک راستے سے روانہ ہوتے تو واپس دوسرے راستے سے آتے''۔

---

(۱) سنن الترمذی ابواب العیدین باب الاکل

(۲) حوالہ مذکورہ (۳) حوالہ مذکورہ

marfat.com

عید کی نماز، خطبہ سے پہلے ادا کی جاتی ہے، اس نماز کی لئے نہ اذان ہوتی ہے نہ اقامت، عید کا خطبہ سننا سنت ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الصَّلٰوةَ يَوْمَ الْعِيْدِ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ (۱)

ترجمہ: ''فرماتے ہیں کہ میں عید کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا، آپ ﷺ نے خطبہ عید سے پہلے نماز پڑھی، یہ نماز، بغیر اذان اور اقامت کے تھی''۔

عید کے روز غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، نئے کپڑے پہننا، نماز کے لئے نکلتے وقت کچھ کھا کر نکلنا، بہتر ہے میٹھی چیز ہو کھجور ہو تو اور بہتر نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا، تکبیرات کہتے ہوئے عید گاہ جانا اور ایسے ہی واپس لوٹنا، جانے اور آنے کا راستہ بدل لینا تا کہ تمام راستے سطوت دین اور اعلان کبریائی سے مہکنے لگیں، یہ عید کے پسندیدہ اعمال ہیں، نبی اکرم ﷺ عید کی نماز کے بعد واپس آتے ہوئے کبھی کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو جاتے اور امت کے افراد کو گزرتے دیکھتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔

عید کی نماز دو رکعت ہے جس میں چھ زائد تکبیریں ہیں، یہ نماز کس طرح ادا ہو، اس کا تفصیلی ذکر کتاب الصلوٰۃ میں ہو چکا ہے۔

رمضان المبارک کے فرض روزوں کا ذکر ہوا رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی روزے رکھے گئے ہیں مگر یہ نفلی ہیں، بہتر ہو گا کہ چند نفلی روزوں کا تذکرہ ہو جائے۔

## نفلی روزے

### یَوْمِ عَاشُوْرَاء

روزہ کی فرضیت کے ذکر میں بیان کیا گیا کہ عاشوراء، یعنی دس محرم کا روزہ قریش میں رائج تھا، ابتداً روزہ رکھا گیا مگر جب رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا تو

marfat.com

(۱) صحیح مسلم، کتاب العیدین

اس کے احکام بدل گئے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

**اَنَّ قُرَیْشاً کَانَتْ تَصُوْمُ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِصِیَامِهٖ حَتّٰی فُرِضَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَآءَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ شَآءَ یُفْطِرْ (۱)**

ترجمہ: قریش دور جاہلی میں عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ رمضان کے روزوں کو فرض کر دیا گیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو چاہے اس کا یعنی عاشوراء کا روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے"۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مضمون کی حدیث روایت ہوئی ہے۔ (۲)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ روزہ کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو خود بھی روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ کا حکم بھی دیا مگر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزہ کا فرض ہونا ساقط کر دیا اور فرمایا جو چاہے رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ (۳)

اس سے واضح ہوا کہ رمضان المبارک کے روزوں کے فرض ہونے پر عاشوراء کا روزہ نفل ہو گیا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان

(۲) حوالہ سابقہ

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام باب فی صوم یوم عاشوراء

marfat.com

لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَجَدَ الْيَهُوْدَ يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَآءَ فَسُئِلُوْا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْا هُوَ الْيَوْمُ الَّذِيْ اَظْهَرَ اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى عَلٰى فِرْعَوْنَ وَنَحْنُ نَصُوْمُهُ تَعْظِيْمًا لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَحْنُ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ. (۱)

ترجمہ: ”جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس بارے میں پوچھا (سوال کیا کہ وہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہیں) وہ کہنے لگے: یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا اور ہم آپ کے احترام میں یہ روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم، تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریبی ہیں اور آپ نے اس روز کے روزہ کا حکم دے دیا“۔

عاشوراء کے روزہ کے اہمیت یہ ہے کہ جاہلی دور میں قریش بھی اس کا روزہ رکھتے تھے اور مدینہ منورہ کے یہود بھی اس کا روزہ رکھتے تھے، رسول اکرم ﷺ نے قبل ہجرت بھی روزہ رکھا اور بعد میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کے حوالے کو اپنے لئے زیادہ قریب قرار دیا، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین اسلام کس قدر وسعت والا ہے اور یہ دین کس طرح انبیاء سابقین علیہم السلام کے حوالوں کو معتبر جانتا ہے، ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ مشابہت کے اثرات کو کمال حکمت سے دور فرما دیا، عاشوراء کا روزہ رکھا جانے لگا تو اسی قسم کا سوال پیدا ہوا کہ یہ تو یہود کی موافقت ہے اس پر نہائت حکمت سے فیصلہ صادر فرما دیا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوْا

marfat.com

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء

يَارَسُولَ اللهِ ﷺ اِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْ شَآءَ اللهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ (۱)

ترجمہ: ''جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ، یہ تو وہ دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آئندہ سال، ان شاء اللہ ہم نو تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے مگر آئندہ سال نہ آیا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے''۔

اس ارادے سے ظاہر ہے کہ نو محرم کا روزہ رکھنے کا کہہ دیا گیا، اس سے یہ استخراج بھی کیا گیا کہ دس محرم کے بجائے نو محرم کا روزہ ہے اگرچہ حدیث سے کسی طور پر دس کے بجائے نو کی وضاحت نہیں ہوتی اس لئے شارحین کا خیال ہے کہ نو کا روزہ دس پر اضافہ تھا اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا گیا کہ دس کا روزہ تو عملاً ادا کیا گیا اور نو کا ارادہ کر لیا گیا اس لئے دونوں دنوں کے روزے رکھنا چاہئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روزہ رکھنے کا بھی ذکر ہے کہ آپ فرعون کے ظلم سے قوم کے بچ جانے پر یہ روزہ رکھتے تھے، حدیث کے الفاظ ہیں:

فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا (۲) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے لئے یہ روزہ رکھا، اس سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت کے تصور کی شدت کم ہو جاتی ہے، غرضیکہ عاشوراء کا روزہ ایک نفلی عبادت کے طور پر باقی رہا، روایات میں محرم اور عاشوراء کے فضائل کا ذکر ہے اس لئے اس کا روزہ باعث اجر و ثواب ہے، ہو سکے تو اس روزہ کا اہتمام کر لینا چاہئے۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصوم باب صوم یوم عاشوراء (۲) سابقہ حوالہ

marfat.com

## نفلی روزوں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک

فرائض کے بعد نوافل کی خواہش ہر صاحب ذوق مسلمان کے ہاں ہمیشہ سے رہی ہے، یہ ذوق کبھی ایسا بڑھ جاتا ہے کہ دیگر امور میں حائل ہو جاتا ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ نے اس بارے میں اپنے ایک جامع فرمان میں راہنمائی فرما دی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے آپ نے پوچھا کہ خبر ملی ہے کہ وہ ہر دن کا روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام میں رہتے ہیں۔ اس پر فرمایا: ایسا نہ کرو، روزہ رکھو اور چھوڑو بھی قیام کرو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ اُن پر جسم کا حق ہے، آنکھوں کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہمانوں کا حق ہے، یہ کافی ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھے جائیں، ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اس طرح سال بھر کے روزے ہو جائیں گے، انہوں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں تو فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھو، عرض کیا: وہ کیسے تھا فرمایا: آدھا زمانہ یعنی ایک روز روزہ رکھو اور ایک روز چھوڑ دو"۔

ایسی ہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہیں بھی ہر ماہ تین روزوں کی نصیحت فرمائی کہ یہی سارے زمانے یعنی پوری زندگی کا روزہ ہے، انہوں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور دو دن چھوڑ دو، عرض کیا میں زیادہ قوت رکھتا ہوں: فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو، یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا اور یہ سب سے افضل صورت ہے، عرض کیا: میں تو اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں تو فرمایا اس سے کچھ افضل نہیں"۔(۱)

نفلی روزوں کی حد مقرر ہوگئی، ہر ماہ تین روزے جو اجر میں سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور اگر قوت اور جذبہ بہت زیادہ ہے تو آخری حد یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار"۔

---

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم

## شعبان المعظم کے روزے

نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پسندیدہ مہینہ رمضان المبارک کے بعد شعبان المعظم ہے، اس میں آپ روزے رکھتے اور مسلسل رکھتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ اَحَبُّ الشُّهُوْرِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَصُوْمَهٗ شَعْبَانَ ثُمَّ يَصِلُهٗ رَمَضَانَ. (۱)

ترجمہ ”رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب مہینہ کہ آپ اس میں روزے رکھیں شعبان تھا، پھر آپ اسے رمضان سے ملا دیتے تھے“۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَيْتُهٗ اَكْثَرَ صِيَامًا مِّنْهُ فِيْ شَعْبَانَ (۲)

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ روزہ رکھتے ہم کہنے لگتے کہ آپ چھوڑیں گے نہیں اور چھوڑ دیتے تو ہم کہتے: روزہ رکھیں گے نہیں، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے رمضان المبارک کے پورے مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور میں نے شعبان المعظم سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے آپ کو نہیں دیکھا“۔

معلوم ہوا کہ کامل مہینہ روزے تو صرف رمضان المبارک کے ہیں اور نفل کے طور پر روزہ رکھنے کے لئے شعبان کا مہینہ زیادہ پسندیدہ ہے، ہر ماہ میں تین روزوں کے حوالے سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید وضاحت موجود ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) سنن ابی داؤد، ابواب الصیام باب صوم شعبان

(۲) صحیح البخاری کتاب الصوم باب صوم شعبان

marfat.com

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَاذَرٍ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ (۱)

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) جب تو ہر ماہ کے تین دن روزہ رکھے تو تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھو“۔

ان کو ہی ایام بیض کہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی وضاحت ہے کہ

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَصُوْمَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامِ الْبِيْضِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ .(۲)

ترجمہ: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم مہینے میں تین یوم، ایام بیض کے روزے رکھیں، وہ ایام تیرہ، چودہ اور پندرہ ہیں“۔

بعض روایات میں پیر اور جمعرات کے روزوں کا بھی ذکر ہے، ہر ماہ کی پہلی پیر اور پھر دو جمعرات کی وضاحت بھی ملتی ہے، مختصر یہ کہ ہر ماہ تین روزوں کا کثرت سے ذکر ہوا ہے، انہی کو سال بھر کا روزہ قرار دیا گیا ہے اور خود نبی اکرم ﷺ، سفر و حضر میں یہ روزے رکھتے تھے۔

## شوال کے روزے

عیدالفطر کے بعد شوال میں چھ روزوں کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ روایت ہوا:

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیْ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ .(۳)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ما جاء فی صوم ثلثۃ من کل شہر

(۲) سنن النسائی کتاب الصوم باب کیف کان یصوم ثلثۃ ایام من کل شہر

marfat.com

(۳) صحیح مسلم کتاب الصوم استحباب صوم ستۃ من شوال اتباعا لرمضان

ترجمہ: ''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ ایسے ہے کہ جیسے اس نے سال بھر کے روزے رکھے''۔

یہ روزے مسلسل چھ رکھے جائیں تو زیادہ مناسب، اگرچہ ان کو شوال کے اندر وقفوں کے ساتھ رکھنا بھی جائز ہے۔

## ذوالحجہ کے روزے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ اَنْ یَتَعَبَّدَلَہٗ فِیْھَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّۃِ یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِّنْھَا صِیَامَ سَنَۃٍ وَقِیَامُ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِّنْھَا بِقِیَامِ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (۱)

ترجمہ: ''عشرہ ذوالحجہ سے زیادہ کوئی اور دن اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے''۔

ذوالحجہ کے یہ ایام، عبادت کے لئے نہائت محبوب قرار دیئے گئے اور ان میں روزوں کے ثواب میں سال بھر کی برکتوں کا ذکر ہوا مگر یاد رہے کہ یوم عرفہ اور یوم عیدالاضحیٰ کے بارے میں حکم کی نوعیت مختلف ہے مثلاً

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

یَوْمُ عَرَفَۃَ وَیَوْمُ النَّحْرِوَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ عِیْدُنَا اَھْلِ الْاِسْلَامِ وَھِیَ اَیَّامُ اُکْلٍ وَشُرْبٍ (۲)

ترجمہ: ''عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہماری یعنی مسلمانوں کی عید ہیں، یہ کھانے پینے کے دن ہیں''۔

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب صیام ایام التشریق

marfat.com

عرفہ کی ممانعت کو علماء نے صرف عرفات کے قیام کے ساتھ مشروط کیا ہے کیونکہ عرفہ کے روزہ کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّي اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ. (۱)

ترجمہ: ''عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں میرا گمان ہے کہ اس کے بعد سال بھر اور اس سے پہلے سال بھر کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن جو ایام تشریق ہیں کا روزہ رکھنا منع ہے، ذوالحجۃ کے باقی ایام جن میں یوم عرفہ بھی شامل ہے، کے روزے رکھنا بہت اجر کا ذریعہ ہے، ایک حدیث میں ذوالحجۃ کے نو روزوں ہی کا ذکر ہے۔ (۲)

ایک مفصل حدیث جس میں نبی اکرم ﷺ سے نفلی روزوں کے حوالے سے متعدد سوال کئے گئے، یہ حدیث حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے، اس حدیث کے چند سوالات یہ تھے:

سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمٍ وَاِفْطَارِ يَوْمٍ قَالَ ذَاكَ صَوْمُ اَخِي دَاوٗد عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ قَالَ ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ اَوْ اُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ، قَالَ فَقَالَ صَوْمُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ صَوْمُ الدَّهْرِ قَالَ وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ فَقَالَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ قَالَ وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ قَالَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ. (۳)

ترجمہ: ''حضور اکرم ﷺ سے ایک روز روزہ رکھنے اور ایک روز چھوڑنے

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصیام باب صیام ایام التشریق

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب صوم القدر

marfat.com

(۳) صحیح مسلم کتاب الصوم باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام

کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا: یہ میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، سوموار کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ میں اس میں پیدا ہوا اور اسی دن مبعوث ہوا یا اس روز مجھ پر وحی نازل کی گئی، کہا پھر فرمایا، ہر ماہ کے تین روزے اور رمضان سے رمضان تک، سال بھر کا روزہ ہے، کہا یوم عرفہ کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس سے گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، آپ سے عاشوراء کے روزہ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا اس روزہ سے گزرے ہوئے سال کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

روزہ، عبادات میں منفرد شان کا حامل ہے، اس سے زندگی میں توازن، جسم میں پاکیزگی، ارادوں میں پختگی۔ اعمال میں لمحہ لمحہ کی اہمیت، یقین کی دولت اور تقوی شناسی کا جوہر پیدا ہوتا ہے اسلئے مختلف مناسبات سے اس پر مداومت کی ترغیب دی گئی، رمضان المبارک تو مکمل اس فرض کی ادائیگی کے لئے وقف ہے، شعبان کو روزوں کے ساتھ اک گونہ مناسبت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس مہینے میں اکثر دنوں کا روزہ رکھتے رہے، شوال کے چھ روزے رمضان کے ساتھ مل کر سال بھر کے روزوں کا اجر بنے، محرم میں روزہ رکھنے کو پسند کیا گیا، عاشوراء کو تو خصوصی طور پر روزہ کے لئے مقرر کیا گیا، رجب کے روزوں کے لئے ترغیب احادیث میں موجود ہے، ذوالحجہ کے نو روزوں پر تاکید ہوئی، پھر ہر ماہ کے تین روزے ملت اسلامیہ کے اہل ذوق کے ہاں اطاعت رسول ﷺ کے مظہر بنے۔ پیر کے روزے کو ایسی نسبت ملی کہ مؤمن کا دل فریفتہ ہوا، ولادت و بعثت کا حوالہ دے کر قلب مؤمن کو تحریک دی گئی، جمعرات کے روزے کا ذکر ہوا، ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کو صوم داؤد علیہ السلام قرار دیا گیا، غور کیا جائے تو بہر طور یہ ترغیب دی گئی کہ مؤمن کی زندگی، بار بار تقویٰ شناسی کی تربیت سے گزرے، اس سے روزہ کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، یہ عمومی حکم اور یہ ہر لمحہ ترغیب، قلب مومن کو روزہ کے لئے تیار کرنے کا ذریعہ ہے، مسلسل روزوں کو پذیرائی

marfat.com

حاصل نہ ہوئی کہ کاروبار حیات متاثر نہ ہوں اور حقوق کی ادائیگی میں خلل نہ پڑے، اس بار بار کی تاکید کے ساتھ چند ایام کو حکماً اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا مثلاً:

۱۔ عیدالفطر

۲۔ عیدالاضحیٰ۔ کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ صِیَامِ یَوْمَیْنِ یَوْمُ الْفِطْرِ وَیَوْمُ الْاَضْحٰی.(۱)

۳۔ ایام التشریق یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجۃ جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمان رسول ﷺ نقل کیا گیا۔

بعض روایات میں ان پانچ دنوں کا واضح ذکر بھی ہے، ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

## جمعۃ المبارک کا روزہ

جمعۃ المبارک کو روزہ رکھنے کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ پہلے یا بعد میں روزہ رکھا جائے یعنی صرف جمعہ کا روزہ نہ ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَایَصُوْمُ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلاَّ اَنْ یَّصُوْمَ قَبْلَهٗ بِیَوْمٍ اَوْبَعْدَهٗ .(۲)

ترجمہ: تم میں سے کوئی جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے یا بعد میں ایک دن روزہ رکھے۔ جمعۃ المبارک مؤمنوں کے لئے بمنزلہ عید ہے اس لئے صرف اس کا روزہ نہ رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو توفیق دے کہ وہ روزہ رکھے، رمضان المبارک میں روزہ کی فرضیت پر بہر حال عمل پیرا رہے اور دیگر ایام میں اصلاح نفس اور تطہیر باطن کے لئے اس نسخۂ شفا سے ضرور فیض حاصل کرے آمین۔

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب فی صوم العیدین

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب النھی ان یخص یوم الجمعہ بصوم

marfat.com

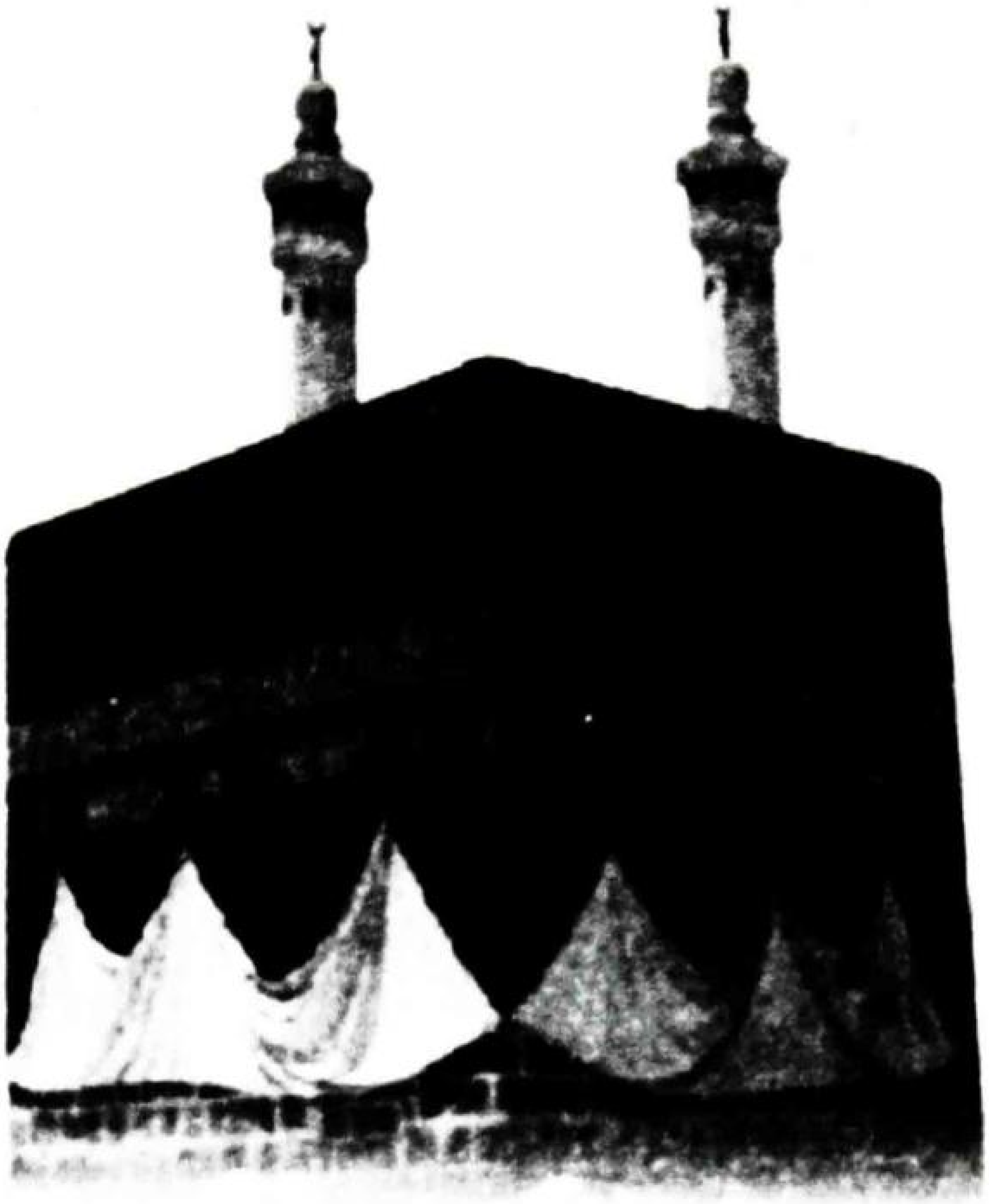

## ارکان اسلام

# حج

marfat.com

# حج

حج ارکان اسلام میں سے پانچواں رکن ہے۔ یہ دیگر ارکان سے اس لئے ممتاز ہے کہ اس میں بے پناہ وارفتگی، انتہائی عقیدت، ہمہ جہت شرکت اور پر خلوص عجز و تذلّل ہے، جس میں خالق و مالک کی رضا چاہنے کا بھرپور اظہار ہوتا ہے، عقیدت کے اس مظہر میں فرد ہی شریک نہیں ہوتا بلکہ اس میں اجتماعی شرکت کا وقار بھی شامل ہوتا ہے، اس میں اجتماعیت کی شان اور وحدت ملت کی عملی تعبیر کے علاوہ متعدد سماجی، معاشرتی اور معاشی مصالح ہیں، یہی وجہ ہے کہ حج کو جامع العبادات کہا جاتا ہے، حج کا تاریخی پس منظر، مومنانہ جمال کا حامل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو خلیل اللہ، اول المسلمین اور جدِ پیغمبراں ہیں، کی مسلسل قربانیوں اور عمر بھر کی حسنات کا ثمرہ ہے۔ تاریخ اطاعت کے اوراق میں ایک منفرد، یکتا اور ہر لحاظ سے لائق اتباع یہ روایت ہمیشہ سے اطاعت گزاروں کو دعوت فکر و عمل دیتی آ رہی ہے، یہ صدیوں پہلے کی بات ہے کہ ایک وجود جو وفا کا پیکر، استقامت کا کوہ گراں، اطاعت کیشیوں کا زندہ اسوہ تھا، صبر و رضا کی تابناک روایت رقم کر رہا تھا، عبد، عبدیت کی معراج پر تھا کہ اظہار انقیاد میں لمحہ بھر کا توقف بھی نہ تھا، حکم اور تعمیل حکم کا منظر ہی ایسا تھا کہ خود حکم دینے والے نے اعلان فرما دیا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرة:۱۳۱)

ترجمہ: ''جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا، جھک جاؤ، عرض کیا: میں جہانوں کے پروردگار کے لئے جھک گیا''۔

اطاعت شعاری کا ذوق صرف ایک فرد تک محدود نہ رہا، آنے والی نسلوں کو اسی اطاعت کی نصیحت کی جاتی رہی کہ یاد رکھنا

marfat.com

فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ٥ (البقرہ: ۱۳۲)

ترجمہ: ''پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم سب جھک جانے والوں میں شامل ہو۔''

تسلیم و رضا کا یہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ کو محیط ہے، نظریاتی خام خیالی کا ماحول ہو یا ابلیسی جبر کا گھیرا، قرب و جوار میں بسنے والوں کی کم فہمی ہو یا عزت نفس کو مجروح کرنے کا سماں، آپ کی مخلصانہ روش نے شرک کا ہر دائرہ توڑا اور نافرمانی کی ہر قوت کو زیر کیا، کسی مشکل گھڑی میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور کسی خوف سے بھی ارادوں میں لرزش پیدا نہ ہوئی، یہی وہ استقامت تھی کہ خالق کائنات نے محبت بھرا اعلان کیا۔:

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (اَلصّٰٓفّٰت: ۱۰۹)

سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر۔

نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے پروردگار عالم نے فرمایا تھا:

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا٥ (مریم: ۴۱)

ترجمہ: ''اور آپ کتاب میں سے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کریں۔ بے شک آپ بہت سچے نبی تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب زندگی میں، راہ حق کے مسافر کے لئے اس قدر روشنی ہے کہ کوئی الہامی دین خواہ اس کی موجودہ شکل بہت بگڑ بھی چکی ہو، صرف نظر نہیں کر سکا، قرآن مجید میں تو آپ کا تذکرہ تفصیل سے بھی ہے اور مکمل احترام سے بھی، سورۃ الانعام میں اثبات توحید کے لئے آپ کا طریق دعوت، تحقیق و جستجو کے لئے اب بھی ایک مثال ہے، ماحول بت پرستانہ ہے، سورج، چاند، ستارے روشنی کے نشان ہی نہیں معبود قرار دیئے جا چکے ہیں، آپ نے تحقیقی تدریج کو بھی پیش

marfat.com

نظر رکھا اور رات کا انتظار کیا کہ گفتگو بتدریج آگے بڑھے جس سے ہوش و عقل کو تلاش حق کی سہولت حاصل رہے، قرآن مجید کا اس حوالے سے متن دیکھئے فرمایا گیا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ o فَلَمَّا رَاَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ج فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ o فَلَمَّا رَاَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِئٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ o اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:۷۵تا۷۹)

ترجمہ: ”جب ان پر رات چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارا دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے، جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا، پھر جب انہوں نے چمکتا ہوا چاند دیکھا: کہا یہ میرا رب ہے، جب وہ ڈوب گیا تو کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھٹکی ہوئی قوم میں سے ہوتا، پھر جب انہوں نے چمکتا ہوا سورج دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے یہ تو بڑا ہے، جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم جن کو تم شریک کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، بلاشبہ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، میں صرف اس کا ہوا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں“۔

توحید کی دعوت اور مظاہر قدرت کو معبود بنانے والوں کے لئے راستی کا پیغام کس حکمت سے دیا گیا کہ کسی کے پاس اس کا جواب نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ آپ برملا اپنے گھر والوں کو اس پر متنبہ کر رہے تھے اور اپنے اس شعور کا کھل کر اظہار کر رہے تھے جو ان کو خالق و مخلوق کے حوالے سے عطا ہوا تھا، آپ نے واضح کر دیا تھا کہ

marfat.com

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ (مریم:۴۴)

"اے میرے باپ! شیطان کی پوجا نہ کریں، بے شک شیطان رحمان کی نافرمانی کرنے والا ہے"۔

یہ تو گھر کی بات ہے، مشرکانہ معاشرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان ویقین کی ایسی قوت کا اظہار کیا کہ تاریخ کا طالب علم لرزنے لگتا ہے۔ قلب سلیم کے پیکرِ استقامت نے اس اجتماعی دعوت کو رد کر دیا جب آپ کو اپنی حرکات میں شریک کرنے کے لئے آپ ہی کی قوم کے افراد آئے تھے، بے زاری کا برملا اظہار رہوا تو وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے نکل گئے، تنہائی کا یہ لمحہ غنیمت جانا، بت خانے میں گئے، ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ (الصّٰفّٰت: ۹۳) یعنی سیدھے ہاتھ کی ضرب سے معبودان باطل کو پاش پاش کر دیا، ان ریزہ ریزہ ہو جانے والے پتھروں کو معبود ماننے والے لوٹ کر آئے تو بت خانہ، وحشت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ کون تھا جو ان سب کو پامال کر گیا، فوراً خیال آیا وہی شخص ہوگا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہتے ہیں، صداقت قربان ہو رہی تھی کہ بت پرستوں کو بھی بت شکن کی پہچان تھی، پھر کیا تھا جہان بت پرستی میں کہرام بپا ہوا اور حکمران قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔

قرآن مجید نے اس حکمتِ دعوت کا بھی حوالہ دیا جو وقت کے جابر حکمران کے سامنے ظاہر ہوئی۔ طاقت کے خمار میں مدہوش حکمران خدائی کا دعویٰ کرنے لگا تھا، سوچئے کیسا خدا تھا کہ اک عبد صادق کے سامنے سرنگوں ہو گیا، اس واقعہ کو قرآن مجید کی مقدس آیات میں پڑھئے، ارشاد ہوا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

marfat.com

فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (البقرہ: ۲۵۸)

ترجمہ: ”کیا آپ (ﷺ) نے اسے دیکھا نہیں جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ان کے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک دے دیا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، کہنے لگا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ، مشرق سے سورج نکال لاتا ہے تو تو مغرب سے نکال لا، پھر تو کفر کرنے والے کے ہوش اُڑ گئے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا“۔

خالق کائنات کی قدرت و عظمت کا اظہار کس خوبصورتی اور حکمت سے ہوا کہ طاقت و قوت کا خمار ہوا ہوا۔ مبہوت ہو کر پسپا ہوا، جب کفر کی قوت ہر جانب سے بے توفیق ہوئی تو وہ مرحلہ آیا جو ہر شکست خوردہ ذہنیت کا آخری حربہ ہوتا ہے، قتل کر دو کہ بار بار کی ہزیمت سے بچا جا سکے۔ فیصلہ تو ہو گیا مگر کیسے، یہ بھی ذہنی دیوالیہ پن کا اظہار تھا، آگ جلاؤ کہ چار جانب کو گھیر لے۔ دور سے اندر پھینک دو کہ جلانے والوں کو بھی قریب آنے کا حوصلہ نہ تھا، اس لئے فیصلہ ہوا کہ

قَالُوا ابْنُوْا لَہٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْہُ فِی الْجَحِیْمِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۷)

ترجمہ: ”انہوں نے کہا: ان کے لیے ایک عمارت بناؤ اور ان کو دہکتی آگ میں پھینک دو“۔

سورۃ الانبیاء میں مزید وضاحت ہوئی کہ

قَالُوْا حَرِّقُوْہُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِہَتَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۶۸)

ترجمہ: ”انہوں نے کہا: ان کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کر سکتے ہو“۔

marfat.com

جلا دو، آگ کی نذر کر دو، یہ اس لئے کہ معبودان باطل کی جھوٹی ساکھ قائم رہ

سکے، حق کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ اگر اس کا کوئی نمائندہ بھی باقی ہے تو ان جھوٹے خداؤں کی بے ثباتی عیاں ہے، لیکن کیا یہ تدبیریں کامیاب ہوتی ہیں؟ باطل پرستوں کو معبود برحق کی قوت کا اندازہ نہیں ہوتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے والوں کا بھی یہی حال تھا، بظاہر تمام تیاری ہوگئی، الاؤ جلا دیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا گیا مگر نتیجہ کیا نکلا، قرآن مجید کا ارشاد سنئے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (الانبیاء ۶۹، ۷۰)

ترجمہ: ''ہم نے کہا: اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم (علیہ السلام) پر، انہوں نے آپ کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا، تو ہم نے ان کو خسارہ پانے والا بنا دیا۔''

ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے یہ وہ گوشے تھے جن میں کفر سے نبرد آزمائی، شرک سے معرکہ آرائی اور خدائی کے دعویٰ کرنے والوں سے کھلی جنگ تھی، ایک وجود جو ہر لحاظ سے محترم تھا، مسلسل آزمائشوں سے گزرا، لیکن یہ ایک رخ تھا، یہ اگر نبرد آزمائی کے مراحل تھے تو ان کے ساتھ اطاعت وانقیاد کے سلسلے بھی تھے جو بظاہر بہت مشکل تھے مگر آپ نے پوری استقامت سے ان کو بھی طے کیا، گھر چھوڑا، گھر والوں سے الگ ہوئے، شہر سے ہجرت کی، ملک تک چھوڑا مگر ہر قدم پر یہ یقین حاصل رہا کہ:

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۹)

ترجمہ: ''اور فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہی میری راہنمائی فرمائے گا''۔

راہ حق کے ہر مسافر کو مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مخالفت کی وادی سے گزرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سفر سعادت میں پوری استقامت سے شامل رہے، اب اس استقامت کی توسیع چاہیے تاکہ حسنات کی دنیا آباد رہے اس

marfat.com

لئے اپنے خالق کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے، دعا فرمائی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (اَلصّٰفّٰت:۱۰۰)

ترجمہ:"اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے ایک صالح عطا فرمادے"۔

دعا خلوص کا مظہر تھی، جو مانگا گیا تھا اس میں بھی صالحیت کا وقار تھا اس لئے قبولیت کا لمحہ قریب تر تھا، ارشا ہوا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ (اَلصّٰفّٰت:۱۰۱)

ترجمہ:"پس ہم نے انہیں ایک صاحب حلم بیٹے کی بشارت دی"۔

بڑھاپے میں ایک فرزند کی بشارت ہی بہت بڑا انعام تھا مگر قدرت تو اس سے بڑھ کر مائل بہ کرم تھی۔ فرزند کے کردار کی بھی وضاحت کردی گئی کہ آنے والا حلم و بردباری کا پیکر ہوگا، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ایسا ہی ہوا، صاحب عزیمت کے ہاں صاحب عزم ہی آیا، ایک باپ کے لئے اس سے بڑھ کر اور خوشی کیا ہوگی کہ مایوسی کے عالم میں امید کی کرن پھوٹ پڑے، جب دامن امید بھر جائے تو گھرانے خوشیوں کے مرکز بن جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر بھی مہکنے لگا کہ ایک خوبصورت نونہال ماحول کی تلخیوں کو مسرتوں میں بدلنے کا ذریعہ ثابت ہوا تھا مگر یہ لمحات بہت مختصر تھے کہ ابھی امتحان کا ایک اور در کھلنے والا تھا، صبر و رضا کے پیکر عظیم کو حکم ملا کہ اس لخت جگر کو ایک بے آباد اور وحشت خیز وادی میں چھوڑ دے، یہ مشکل مرحلہ تھا مگر ان کے لئے نہیں جو ابتدائے حیات سے ہی امتحانوں سے گزر رہے تھے، تعمیل ہوئی، صحرا میں ماں بیٹے کو چھوڑا اور اپنے پروردگار کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ یوں لب کشا ہوئے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ

marfat.com

وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراہیم:۳۷)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں ٹھہرا دیا ہے جو کھیتی باڑی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے قریب ہے، اے میرے رب! اس لئے کہ یہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا کر، تا کہ یہ تیرا شکر ادا کریں''۔

تعمیل حکم ہوئی، نیک تمناؤں کا اظہار بھی ہوا اور بے آباد وادی کے مستقبل کی نشاندہی بھی ہوگئی، دعا مانگی اور ماں بیٹے کو لق و دق صحرا میں چھوڑ کر واپس چلے گئے، یہ ایثار و قربانی کی انوکھی داستان تھی کہ ایک بوڑھا باپ اپنے بڑھاپے کے واحد سہارے کو صحرا کی تند و تیز لہروں کی نذر کر رہا تھا، وہاں کیا تھا؟ پتھر وہ بھی جھلسے ہوئے، تیز ہوائیں وہ بھی آتش ریز، صحرا کا دامن وہ بھی درندہ صفت اور ہلاکت خیز، مگر وفا شعاروں کے مزاج ہی الگ ہوتے ہیں، وہ مشکلات و مصائب کو خاطر میں نہیں لاتے، ان کا مقصود تو رضاء خالق اور طلب حق ہوتا ہے، آج حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو تپتے صحرا پر اطاعت شعاری کا نقش دوام ثبت کرنا تھا جو انہوں نے بڑی استقامت سے ثبت کر دیا، آج ایمان کی حرارت، آفتاب کی تمازت پر غالب آئی تھی کہ صبر و رضا کا پیکر عظیم اپنا اثاثۂ حیات تعمیل فرمان کی نذر کر کے صبر کی رداء اوڑھے واپس روانہ ہو رہا تھا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کا معصوم صاحبزادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صحرا کے مسند نشین ہو گئے تھے اور اس بے آب و گیاہ وادی میں استواری ایمان کا درخشندہ حوالہ بن کر ''الا اللہ'' کے جاودانی نقش کی آبیاری کرنے لگے تھے، پیاس کی شدت رنگ لائی، ننھا معصوم پانی طلب کرنے لگا تو ماماتا بے چین ہوگئی، ادھر ادھر نظر دوڑائی، صحرا تو مدت سے قطرہ آب کو ترس رہا تھا، اٹھیں کبھی کوہ صفا پر چڑھیں کہ کہیں

marfat.com

پانی کا کوئی نشان مل جائے تو کبھی کوہ مروہ کا رخ کیا۔ آنے جانے کے سات چکر اسی بے چینی کے مظہر تھے، مایوس ہوئیں، واپس لوٹیں کہ لختِ جگر کی حالت دیکھ سکیں مگر وہاں تو عجب منظر تھا۔ معصوم صاحبزادے کی ایڑیوں سے چشمہ ابل رہا تھا، مامتا کو اس رحمت پروردگار پر سکون آیا، پانی کی حفاظت کرنے لگیں، مورخ کا قلم دنگ ہے کہ جہاں ایک لمحہ پہلے ہلاکت خیز سماں تھا وہاں یہ چشمۂ رحمت کہاں سے آیا؟ جہاں بے توفیق پتھر تھے کہ ان پر شبنم کے قطروں کو بھی پذیرائی حاصل نہ تھی، وہاں آب حیات کے فوارے کیسے اچھلے؟ اسباب وعلل پر تکیہ کرنے والے حیرت میں ہیں مگر معصوم اسماعیل (علیہ السلام) کے قدموں پر رحمتیں نچھاور ہو رہی ہیں، نبی معصوم کے قدموں کی برکتوں کا اندازہ کیجئے اور ان کی عظمتوں کو محبت وعقیدت کا سلام پیش کیجئے۔

زمزم کا چشمہ ابلا تو پتھروں کی پیاس بجھی، سبزہ سر اٹھانے لگا، زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے، مرغانِ خوش نوا نے ادھر کا رخ کیا، عرب کے صحرا میں بھٹکنے والے بادیہ نشینوں نے ہوا میں خنکی محسوس کی اس لئے انہوں نے بھی ادھر بڑھنا مناسب جانا، حاضر ہوئے تو حیران رہ گئے، ایک عورت تن تنہا، صرف ایک معصوم گود میں مگر نہ خوف نہ غم، طمانیت ہر پہلو ہویدا، درخواست گزار ہوئے، چشمے سے سیرابی کی خیرات مانگی، یہاں انکار نہ تھا کہ فیض بخشی مزاج میں تھی، خیرات بٹنے لگی، آبادی بڑھنے لگی، یوں ایک خیمہ بستی آباد ہوگئی۔ معصوم اسماعیل (علیہ السلام) ماں کی محبتوں میں بچپن سے لڑکپن کی طرف بڑھنے لگے، احترام کی فضا تھی اور کیف کے دن مگر ابھی ایک اور امتحان باقی تھا جو شاید سب سے مشکل تھا۔ اولاد کا امتحان، اکلوتا بیٹا جو ہاتھ اٹھا کر رب کریم سے مانگا تھا، باپ کے امتحان کی آخری منزل بن رہا تھا، مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے، بدلا ہوا منظر سہانا تھا۔ جدائی کے صبر آزما لمحے، وصال کے کیف میں بدل گئے تھے، جسے گود میں چھوڑ کر گئے تھے وہ لڑکپن کے جمال سے آراستہ تھا۔ اسی

marfat.com

خوشی و مسرت میں نیند کی آغوش میں چلے گئے، سوئے ہی تھے کہ امتحان کا ایک اور در کھلا، قربانی کا نقشہ دیکھا، کہا جاتا ہے تین روز یہی اشارے ہوتے رہے تمثیل کا مفہوم جان گئے، بیٹے کی گردن پر چھری رکھ کر اپنے عزم کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہو گئے مگر نونہال کا عزم بھی تو جاننا ضروری تھا اس لئے بلایا اور خواب کے اشاروں کے حوالے سے رائے چاہی، کیا ہوا، قرآن مجید کی زبان سے سنئے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (الصّٰفّٰت:١٠٢)

ترجمہ: ''پس جب وہ ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچا تو کہا: اے میرے بیٹے میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو دیکھ تیرا کیا خیال ہے''؟

ساتھ چلنے کے قابل ہوئے تھے کہ ایک خواب کا ذکر کیا، یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے، یہ بھی نہ فرمایا کہ فرشتہ کہنے آیا تھا۔ ایک خواب ہے جس میں ایک عمل ہوتا دکھائی دیا ہے، صاحبزادے کے سامنے اصل صورت رکھ دی اور رائے مانگی، کیا خیال ہے؟ کیا رائے ہے؟ باپ کو تو یقین تھا کہ یہ حکم ہے کہ نبی کا خواب عام انسانوں کی بیداری سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے مگر بیٹے کا بھی تو عزم درکار تھا؟ جواب کیا تھا؟ حوصلہ کس قدر تھا؟ پڑھئے اور نونہال کی نظر کی استقامت دیکھئے، عرض کرنے لگے:

قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:١٠٢)

ترجمہ: ''اے میرے ابا جان کر گزریئے جس کا حکم دیا گیا، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔ خواب میں اشارہ نگاہ معصوم میں حکم ربانی تھا۔ اس لئے رضائے رب کے لئے فوراً آمادہ ہوئے۔ باپ اور بیٹا یوں تیار ہوئے کہ اطاعت کی رفعت قربان ہوئی، [illegible] چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا جو

marfat.com

بقائے دوام کا حامل ٹھہرا، بوڑھا باپ، اکلوتے صاحبزادے کی گردن پر چھری رکھ رہا ہے، اس لئے کہ ان کا مقصد حیات ہی یہ تھا کہ

اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (البقرۃ:۱۳۱)

''میں عالمین کے رب کے حضور جھک گیا ہوں۔''

خالق کائنات جو رحیم و کریم خالق ہے، کو وفا شعاری کا یہ منظر اس قدر پسند آیا کہ فرمان حق کیلئے کسی پیغام رساں کا واسطہ بھی نہ رہا، خود رب جہاں پکارا:

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ ٥ وَنَادَیۡنٰهُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ٥ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ (اَلصّٰفّٰت:۱۰۳تا۱۰۵)

ترجمہ: ''پس جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس (یعنی باپ) نے اس (یعنی بیٹے) کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) بلاشبہ تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم اسی طرح نیک اعمال کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں''۔

اطاعت کی معراج دیکھئے! خواب کا اشارہ، حکم صریح کا وقار پا گیا۔ یہ سر جھکانے کی وہ منزل تھی جہاں دوئی کا تصور بھی مٹ جاتا ہے اور عبد و معبود کے درمیان حجابات نہیں رہتے۔ قرب کی یہ منزل بڑی آزمائشوں کی حامل ہوتی ہے، شیطان اور شیطانی قوتیں کوشش کرتی رہتی ہیں کہ بنی آدم ان رفعتوں کو نہ پالے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، شیطان اپنے مکر و فریب کے جال بچھائے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی مامتا کو ورغلانے پر کمر بستہ ہوا، بیٹا اور وہ بھی اکلوتا، اس کے ساتھ اس کا باپ ایسا سلوک کرنے والا ہو تو مامتا کے کرب کو آواز دی جا سکتی ہے مگر شیطان اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا اس لئے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی نیاز مندی اس قدر پختہ تھی کہ مکر و فریب کی کوئی چال بھی برگشتہ نہ کر سکی، ٹھکرا اٹھائے اور شیطان رجیم کو

marfat.com

دے مارے، ناکام ہوا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تعاقب کرنے لگا کہ ابھی نوعمر ہیں اوران ایام میں جینے کی خواہش بھی جوان ہوتی ہے اور پھر یہ وہی باپ ہے جو شیرخوارگی میں بگولوں کی نذر کر گیا تھا، قسمت سے زندگی برقرار رہی تو پھراس کو چھین لینے کا پروگرام، حالات سازگار بھی تھے اور دلائل مضبوط بھی۔ مگر نگاہ معصوم، ہزار پردوں کے باوجود شیطانی وسوسوں کو پہچان رہی تھی، وہی سلوک ہوا جو مادر مہربان نے کیا تھا، خفت اٹھا کر بھی بدمزہ نہ ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ہولیا، اے عظیم القدر باپ! یہ اکلوتا ہے، نسل ابراہیمی کا وارث ہے اور پھر حکم بھی تو خواب ہے، فرشتہ تو نہیں آیا، حملہ شدید تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت کیشی کے سامنے پادر ہوا ہو گیا، پتھر دے مارے کہ شیطانی قوتیں اسی کی مستحق ہوتی ہیں ''رمی جمار'' کا سارا عمل اسی داستان استقامت کی یادگار ہے، اپنے رب کے سامنے باپ بھی حاضر تھا اور بیٹا بھی، دونوں سرتسلیم خم کئے ہوئے تھے، یہ اطاعت کی انوکھی کہانی تھی کہ امتحان کا نازک مرحلہ تھا، رب قدیر نے وفا شعاروں کی وفا کو دوام بخشا اور

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اَلصّٰفّٰت: ۱۰۷ تا ۱۱۱)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کا فدیہ ایک عظیم قربانی سے ادا کر دیا، اور ہم نے اس کو آنے والوں پر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر، ہم اسی طرح حسن عمل والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو لمحہ دوام کی سرافرازی بخشی گئی کہ آنے والی نسلیں اس کی مکلف قرار دی گئیں، ہمیشہ سلام ہو اس اطاعت شعار مرد مومن

marfat.com

پر، عمل جب حسن عمل کی عظمت پالیتا ہے تو یونہی اس کو نوازا جاتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی، امتحانات اور آزمائشوں کا نقطہ عروج تھا کہ جان، مال، اہل خانہ، وطن اور اہل وطن، سب انسانی وجود پر اپنی گرفت رکھتے ہیں مگر اولاد کو میدان آزمائش میں ایک امتیاز حاصل ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہر قربانی کی آزمائش سے سرخرو نکلے تو وہ لمحہ آیا جس کے لئے یہ سب امتحان ہو رہے تھے، دو محترم وجود اس منزلت کے اہل ٹھہرے تھے کہ ان کے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا جائے جو سب کے لئے قبلہ بنے، کعبۃ اللہ کو پھر سے آباد ہونا تھا، کون اتنا بلند سمجھا گیا کہ ہاتھ اس کے لگیں مگر گھر بیت اللہ کہلائے۔ قدرت کا فیصلہ ان وفا کے پیکروں کے حق میں تھا کہ ان میں سے ایک دنیا میں آنے سے بڑھاپے تک یوں آیا تھا کہ اس نے عملاً اپنی معصومت ثابت کر دی تھی اور دوسرا تو ابھی معصومیت کی دہلیز پر تھا، یہ بت شکن ہاتھ اور یہ سراپا معصومیت کے علمبردار ہاتھ اس قابل ٹھہرے تھے کہ مرکز توحید کی پھر سے بنیادیں اٹھائیں، کس قدر حسین لمحہ تھا کہ کلام الٰہی نے اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (البقرة: ۱۲۷)

ترجمہ: ''اور یاد کیجئے جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما لے، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔''

کعبۃ اللہ کی بنیادیں بھی اٹھائی جا رہی تھیں اور شہر مکہ مکرمہ کے لئے امن، رزق اور سلامتی کی دعائیں بھی ہو رہی تھیں، دعاؤں کی عظمت کی قدر تو سر جھکانے والے ہی جانتے ہیں، سر جھکا رہے تو برکات کا نزول ہوتا رہتا ہے اس لئے قبولیت کے

marfat.com

اس لمحہ میں عرض کیا:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ .

(البقرہ:۱۲۹)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار رکھ اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت پیدا فرما جو تیرے سامنے جھکنے والی ہو۔''

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اندر کے ارمان، دعاؤں کی صورت میں اچھل اچھل کر لبوں کو چھو رہے تھے، دعا جب اپنے عروج پر آئی تو عمر بھر کی تمناؤں کا حاصل، طویل قربانیوں کا ثمر اپنے پروردگار سے مانگ لیا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَيُزَکِّيْهِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ○ (البقرہ:۱۲۹)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ان میں یعنی امت مسلمہ میں انہی میں سے ایک رسول گرامی مبعوث فرمادے جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ فرمائے، بے شک تو غلبے والا حکمت والا ہے''۔

یہ دعائیں اس لمحے مانگی جارہی تھیں جو قبولیت کا لمحہ تھا، بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ ایک ایک دعا، معاشرتی حقیقت بن کر سامنے آئی۔ کعبۃ اللہ کے والی سے دعا عرض کی گئی تھی، پذیرائی یوں ہوئی کہ ارشاد ہوا:

جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ:۹۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرمت والا گھر بنا دیا کہ لوگوں کے لئے بقا کا سبب ہے''۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر ہوگئی، برکات وحسنات کی دعائیں بھی ہوئیں، اب اس کو مرکز اسلام بنانا تھا، توحید کے متوالوں کو کہیں سے بلانا تھا، یہ کیسے ہوا، فیصلہ ہوا کہ

marfat.com

جن کے ہاتھوں تعمیر ہوئی وہی اس کو آباد کرنے کا اعلان بھی کریں، ارشاد ہوا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ٥ (الحج:٢٧)

ترجمہ: "اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر، وہ چلے آئیں ہر دور دراز گہری راہوں سے"۔

دوریاں کس قدر ہوں، راسے کتنے گہرے ہوں، بس ایک آواز دے دیجئے۔ اعلان کر دیا گیا مگر حرم کے قریب ایک نیم آباد علاقے کی صدا کو سنا سب نے، اگرچہ بہت سارے ابھی شکم مادر میں تھے، اعلان کی عظمت دیکھئے۔ لوگ اس بلاوے پر گروہ در گروہ آئیں گے، پیدل چلتے ہوئے بھی، نحیف و نزار سواریوں پر بھی، آنے والے عرب ہی نہ ہوں گے کہ جزیرۂ عرب سے چلے آئے ہیں، نہیں نہیں آنے والے تو دور دراز سے آئیں گے، گہری وادیوں سے ہوتے ہوئے، بلند ترین پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے، یہ اعزاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ آپ دعوت حج کے نقیب بنے، لوگ مسلسل آتے رہے دعا اپنا اثر دکھاتی رہی، توحید کے زمزمے بھولنے بھی لگے مگر حرم کی جانب سفر جاری رہا۔ آوازہ خلیل اللہ علیہ السلام دلوں پر دستک دیتا رہا اگرچہ باطل نظریات کی کارفرمائی گھمبیر ہوتی گئی، اجتماع تو قائم رہا مگر یہ توحید کے نغموں سے محروم ہو گیا، یہ سلسلہ یونہی جاری تھا کہ دین حنیف کے علمبردار، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر نسبت رکھنے والے رحمت عالمین ﷺ، حرم کے محافظ بن کر تشریف لائے، ہدایت کا آخری اور دائمی پیغام قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا، اصلاح ہوئی اگرچہ مکی دور میں اس کی رفتار مدھم رہی، مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی تو ابتداً غزوات کی مصروفیت نے ہر لمحہ مشغول رکھا، آٹھ ہجری کو مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حالات سازگار ہوئے۔ نو ہجری میں حج کی فرضیت کا حکم آیا:

marfat.com

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو بیت اللہ تک جانے کے سفر کی استطاعت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''۔

لِلّٰہِ ،یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ،اس کی رضا کے لئے ،اس کے حکم کی تعمیل کے لئے ، للہ کہہ کر حج کے اجتماع کو عظمت عطا کردی پھر حج کی فرضیت کو استطاعت سے مربوط کر دیا گیا، استطاعت یعنی بیت اللہ کے سفر کی قوت ،اس سے کون سی قوت مراد ہے، علماء ومفسرین نے چند توجیہات کی ہیں، بعض کے نزدیک اس سے مالی استطاعت مراد ہے کہ حج پر جانے کے لئے مالی وسائل موجود ہوں تو حج فرض ہے، بعض اس سے بدنی استطاعت مراد لیتے ہیں کہ حج پر جانے والا صحت مند ہو اور مناسک حج ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ایک رائے جو زیادہ قابل عمل ہے یہ ہے کہ استطاعت مالی بھی ہو اور بدنی بھی، اتنی مالی استطاعت ہو کہ سواری کا انتظام ہو سکے اور جسم میں اتنی قوت ہو کہ حج کے مناسک ادا کر سکے۔صاحب استطاعت مسلمان پر حج فرض ہوا، اس فرضیت کے لئے کون سی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کی اجمالی وضاحت یہ ہے:۔

## حج کی فرضیت

حج ایک عبادت ہے اس عبادت کی فرضیت کا انحصار چند شرائط پر ہے حج اس انسان پر فرض ہے جو:

ا۔ مسلمان ہو کہ وہی عبادت کا مکلف ہے، اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

marfat.com

۲۔ بالغ ہو کہ نابالغ پر فرض نہیں، نابالغ نے حج کیا تو یہ باعث اجر ہے لیکن اگر بالغ ہونے پر حج فرض ہوا تو اس کا قائم مقام نہیں ہوگا، دوبارہ کرنا ہوگا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مقام روحاء پر ایک عورت نے اپنا بچہ پیش کیا اور سوال کیا کہ کیا اس کے لئے حج ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نَعَمْ وَلَکِ اَجْرٌ ہاں اور تجھے اس کا اجر ملے گا۔(۱)

۳۔ عاقل ہو کہ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے کیلئے عقل وشعور شرط ہے اس لئے مجنون یا دیوانہ پر حج نہیں۔

۴۔ تندرست ہو کہ حج ایک مسلسل محنت ہے۔ یہ تو یادگار ہی جواں ہمتی کی ہے، اس لئے بیمار، مریض، لاغر، اپاہج پر فرض نہیں، یہ ضرور یاد رہے کہ مرض یا عذر کا ہونا شرط ہے، بہانہ نہ چاہئے کہ بہانہ سازی دنیا والوں کو تو فریب دے سکتی ہے مگر علیم وخبیر خالق ومالک سے کچھ مخفی نہیں۔

۵۔ آزاد ہو کہ غلام یا باندی پر حج فرض نہیں۔

۶۔ دارالحرب میں نہ ہو کہ جو مسلمان دارالحرب میں ہے اور حالات اس کو فرض کی ادائیگی کا موقعہ نہیں دے رہے تو وہ معذور ہے، عصر حاضر کا ایک مسئلہ حکومتوں کی طرف سے اجازت کا بھی ہے، کبھی ایسی حکومت ہے جو فرائض میں معاون نہیں کہ مسلمان نہیں اور کبھی مسلم حکومت ہے مگر انتظام کے اسباب کافی نہیں کبھی زر مبادلہ کی کمی حائل ہے اس لئے محدود تعداد کو اجازت ہے، کبھی حرمین کی حکومت انتظامات کے حوالے سے کم تعداد کو اجازت دے رہی ہے، کبھی تعداد پر پابندی تو کبھی قرعہ اندازی کی قید، ان حالات میں بعض اوقات استطاعت اور خواہش کے باوجود سفر حج ممکن نہیں ہوتا،

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الصبی یحج

marfat.com

اس سلسلے میں حکومتوں کو زیادہ تعاون کرنا چاہئے کہ حج فرض ہے اور فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ مناسب نہیں ہے، کیا معلوم بعد میں صحت، استطاعت یا زندگی وفا نہ کرے، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس قسم کی کوئی رکاوٹ درپیش ہے تو حسرت کے باوجود اس رکاوٹ کو کسی غیر قانونی طریق سے عبور کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے کہ اس سے معاشرتی اضطراب پیدا ہوتا ہے جو کسی طور پسندیدہ عمل نہیں ہے، یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ انسانی جان کی حرمت کا خیال بہت ضروری ہے اگر حج کا سفر محفوظ نہیں، راستے میں امن نہیں، درمیان میں کوئی معاند حکومت یا گروہ ہے، کسی زمینی یا آسمانی آفت کا سامنا ہے تو حج کا ارادہ ملتوی کیا جا سکتا ہے کہ حالات موافق نہیں ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ملت اسلامیہ ایسی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس اہم رکن کی بجا آوری ممکن رہے۔

۷۔ صاحب استطاعت ہو، کہ قرآن مجید نے فرضیت حج کو استطاعت کے ساتھ مربوط کیا ہے، اس لئے حج اس پر فرض ہے جس کے پاس زاد سفر موجود ہو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ مَايُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ: اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ(۱)

ترجمہ: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، عرض کیا: یارسول اللہ! کس سے حج فرض ہوتا ہے۔ فرمایا: زاد سفر اور سواری۔ معلوم ہوا کہ اتنا سرمایہ ہونا چاہئے کہ سفر کے انتظامات بھی ہو سکیں اور سفر میں درپیش ضرورتوں کی کفالت بھی ہو جائے، سواری بھی وہ جو منزل تک پہنچانے کی قوت رکھتی ہو، یہ حالات کے تناظر میں اپنی

(۱) سنن الترمذی ابواب المناسک باب ماجاء فی ایجاب الحج بالزاد والراحلة

marfat.com

نوعیت میں مختلف ہوسکتی ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ زاد سفر کے علاوہ اتنی دولت ہو کہ وہ شخص جو خاندان کا کفیل ہے، ایام حج کے دوران میں زیر کفالت افراد کی معاشی کفالت کا اہتمام بھی کر سکے، خاندان کو مفلسی کی زد پر چھوڑ دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

۸۔ حج کے مہینوں میں استطاعت حج رکھتا ہو، اگر وہ حج کے مہینوں میں استطاعت نہیں پاتا اگرچہ دوسرے مہینوں میں استطاعت رکھتا تھا تو حج فرض نہیں ہوا، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (البقرہ: ۱۹۷)

ترجمہ: ''حج کے مہینے معلوم ہیں، پس جو، ان میں حج کا ارادہ کر لے تو وہ حج کے دوران میں نہ بے حیائی کا عمل کرے، نہ نافرمانی کا اور نہ ہی جھگڑا کرے، اور تم جو بھی بھلائی کا کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور زاد سفر تیار کرو، بے شک بہتر زاد سفر اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور اے عقل والو، مجھ ہی سے ڈرتے رہو''۔

واضح کر دیا گیا کہ حج کے مہینے مقرر ہیں، یہ نمایاں ہیں اس لئے ان مہینوں میں اخلاقی بے راہ روی، بے حیائی، عملی نافرمانی کہ احکام کی مخالفت ہو اور باہمی جھگڑا یا فساد نہ ہونا چاہئے، اگر ایسے کسی گناہ کا ارتکاب کیا گیا تو یہ عمل خیر نہ ہوگا اور یہ یقین چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، حج کے لئے زاد سفر تیار کرنے کا حکم دیا گیا کہ جاہلی دور میں عرب، زاد سفر کو توکل کے خلاف جانتے تھے اس لئے اس خود ساختہ تصور توکل کی نفی کر دی گئی، ہاں یہ ضرور سمجھا دیا گیا کہ سفر حج میں سب سے بڑا زاد سفر تقویٰ ہے اس لئے تقویٰ کی پناہ میں رہو، عقلمند ہو تو تعمیل حکم میں بے باک دکھاؤ اور خوف الٰہی سے

marfat.com

سفر طے کرو، معلوم ہوا کہ فرضیت حج کا تعلق مقرر مہینوں کے ساتھ ہے، یہ کون سے مہینے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے واضح فرمایا اَشْھُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَۃِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ ''حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ .

مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ لَّا یُحْرَمَ بِالْحَجِّ اِلَّا فِیْ اَشْھُرِ الْحَجِّ ''سنت یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے سوا حج کا احرام نہ باندھا جائے''۔(۱)

یہ بھی یاد رہے کہ حج کے مناسک ادا کرنے کے بھی اوقات مقررہ ہیں اور ان کے مقامات بھی متعین ہیں مثلاً یہ کہ وقوف عرفات نو ذوالحجہ کے زوال کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طواف، مسجد حرام میں ہوسکتا ہے خواہ مسجد کس قدر بھی وسیع ہو جائے، وقوف عرفات، میدان عرفات میں اور وقوف مزدلفہ، مزدلفہ میں، رمی منیٰ میں جمرات پر۔

حج کا اہم رکن وقوف عرفات ہے کہ اس کے بغیر حج نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر تھے کہ لوگوں نے حج کے بارے میں سوال کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَجُّ عَرَفَۃُ فَمَنْ اَدْرَکَ لَیْلَۃَ عَرَفَۃَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ لَیْلَۃِ جَمْعٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّہٗ (۲)

ترجمہ: ''حج وقوف عرفات ہے جس نے طلوع فجر سے پہلے عرفات کی رات پالی تو اس نے حج پورا کرلیا''۔

## فرضیت حج کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات

۱۔ حج کی فرضیت کا حکم آیا تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم سنایا، اسی فرضیت کے حوالے سے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا، حضرت

---

(۱) صحیح البخاری باب قول اللہ تعالیٰ الحج اشہر معلومات

(۲) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب فرض الوقوف بعرفۃ

marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

**خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ: اَكُلَّ عَامٍ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَآئِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ (۱)**

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم حج کرو، ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر سال؟ رسول اللہ ﷺ چپ رہے حتیٰ کہ اس نے یہ تین بار کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر میں ”ہاں“ کہہ دیتا تو فرض ہوتا اور تم استطاعت نہ پاتے، پھر فرمایا: جو میں چھوڑ دوں تو تم مجھ سے اس بارے میں سوال نہ کرو کیونکہ تم سے پہلی قومیں، سوالوں کی کثرت اور ان کے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے اختلاف کی بنا پر ہلاک ہو گئیں پس جو میں تم کو حکم دوں تو اس پر عمل کرو جتنا عمل کر سکتے ہو اور جب میں کسی شے سے تم کو روکا کروں تو تم اسے چھوڑ دیا کرو“۔

یہ سوال کرنے والا کون تھا اس کی تصریح سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہو گئی کہ وہ الاقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے، روایت ہے:

☆ **قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْحَجُّ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَوْمَرَّةً وَّاحِدَةً قَالَ: بَلْ مَرَّةً وَّاحِدَةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ (۲)**

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر

marfat.com

(۲) سنن ابی داؤد اول کتاب المناسک

ترجمہ: ''عرض کیا یارسول اللہ ﷺ، حج ہر سال فرض ہے یا ایک ہی مرتبہ؟ فرمایا: ایک ہی مرتبہ، جو زیادہ کرے تو وہ نفل ہے''۔

رحمت عالمین ﷺ نے خود ایک ہی حج فرمایا، یہ آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ حج نو ہجری میں فرض ہو گیا تھا، نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کا حکم دیا اور مدینہ منورہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی قیادت میں ایک قافلہ حج روانہ بھی فرمایا، خود مدینہ منورہ رہے، یہ عین ممکن تھا کہ آپ ﷺ اس حج میں شریک ہوتے مگر ایسا نہیں کیا گیا، نبی اکرم ﷺ اگلے سال یعنی دس ہجری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک عظیم اور تاریخی قافلے کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے، یہی حج تاریخ اسلام میں حجۃ الوداع کہلاتا ہے، اس میں کیا حکمت تھی؟ اس پر کوئی حتمی رائے تو نہیں دی جا سکتی مگر اس طرز عمل نے اُس صاحب ایمان کو بڑا سہارا دیا جو اپنی پوری زندگی محنت کرتا ہے اور کچھ پس انداز کرتا رہتا ہے کہ وہ کسی طور ایک حج کرنے کے قابل ہو جائے، ایسے مخلص مومنوں کو یہ اطمینان تو حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کے آقا و مولا ﷺ نے بھی ایک حج کیا تھا، اس لئے کوئی سرمایہ دار جو بار بار یہ سعادت پاتا ہے اس پر فخر نہیں جتا سکتا۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْیَتَعَجَّلْ (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حج کا ارادہ کرے تو اسے جلدی کرنا چاہئے۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْیَتَعَجَّلْ فَاِنَّہٗ قَدْ یَمْرَضُ

---

(۱) سنن اَبی داؤد کتاب المناسک

marfat.com

اَلْمَرِيْضُ وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ .(۱)

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ جلدی کرے کیونکہ کوئی مریض ہو سکتا ہے یا کوئی بہکا سکتا ہے اور کوئی حاجت حائل ہو سکتی ہے۔"

انسان اپنے حالات سے باخبر ہونے اور کافی حد تک حالات پر قابو رکھنے کے باوجود یہ یقین نہیں پاتا کہ حالات کا دھارا کب اور کیونکر تبدیل ہو جائے اس لئے حج جب فرض ہو جائے تو تاخیر مناسب نہیں ہے، ممکن ہے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جو سفر سے مانع ہو یا استطاعت مالی کی سہولت باقی نہ رہے یا کوئی رکاوٹ جو سفر حج کو اختیار کرنے سے روک دے، معاشرتی مسائل، سماجی اضطراب اور سیاست مدن کا انقلاب کئی رخ لے سکتا ہے۔ اس لئے عاید ہونے والا فرض بلا تاخیر ادا ہونا چاہئے، حج کے وجوب کے بعد تعجیل کا حکم دیا گیا کہ ادئیگی میں کسی بہانے تاخیر نہ چاہئے، سب سے بڑی بات کہ انسان کی عمر بھی بھروسے کے قابل نہیں ہے۔

فرضیت حج کی ادئیگی کی تاکید کے ساتھ ان صاحب استطاعت افراد کو زبردست تنبیہ بھی کی گئی ہے جو یہ فرض ادا نہیں کرتے۔

## ۴۔ حج کی توفیق مگر عدم تعمیل پر وعید

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الخروج الی الحج

(۲) سنن الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی تغلیظ فی ترک الحج

marfat.com

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو زادِ سفر اور سواری کا مالک ہے کہ وہ اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہ کیا تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمادیا ہے ''اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے خانہ کعبہ کا حج لازم ہے جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتا ہے''۔ وعید یہ ہے کہ فرمایا: مسلمانوں کے گروہ میں رہتے ہوئے مرے یا یہودی و عیسائی ہو کر دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں، یہ اس لئے کہ اس نے ان کی طرح حج کی فرضیت سے انکار کیا اور یہ کہ امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد و نظریات سے انحراف کا مرتکب ہوا۔

## ۵۔ حج کی فضیلت واہمیت

رسول اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر حج، ارکان حج اور مقام حج کے حوالے سے بعض ارشاد فرمائے جن سے اس فریضہ کی عظمت و فضیلت کا احساس ہوتا ہے اور نگاہ رسالت میں بھی اس کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے، چند ارشادات یہ ہیں:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ جِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ ۔(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا، کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، کہا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، کیا گیا پھر فرمایا: مبرور حج یعنی ایسا حج جو نیکی کے حصول کی خاطر کیا گیا اور مقبول ہوا۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب مناسک الحج باب فضل الحج المبرور

marfat.com

عَنْ عَآئِشَةَ رِضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھَا قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ نَرَیٰ الْجِھَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَانُجَاھِدُ قَالَ: لَا لٰکِنَّ اَفْضَلُ الْجِھَادِ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ. (۱)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم جہاد کو افضل عمل سمجھتے ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ فرمایا: نہیں (عورتوں کے لئے) افضل جہاد حج مبرور ہے۔

عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزور کا جہاد، حج وعمرہ ہی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ جِھَادُ الْکَبِیْرِ وَالصَّغِیْرِ وَالضَّعِیْفِ وَالْمَرْاَۃِ اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَۃُ. (۲)

ترجمہ: بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہی ہے۔

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے

اَلْحَجُّ جِھَادٌ وَالْعُمْرَۃُ تَطَوُّعٌ (۳)

ترجمہ: حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَھُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّۃَ (۴)

ترجمہ: ”عمرہ سے عمرہ تک کفارہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اور حج مبرور کی جزاء صرف اور صرف جنت ہے۔“

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الحج باب فضل الحج المبرور

(۲) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب فضل الحج

(۳) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب العمرۃ

marfat.com

(۴) صحیح البخاری کتاب الحج باب وجوب العمرۃ

حج اگر خلوص نیت سے ہو، اس میں دنیاوی مفاد یا نمود و نمائش شامل نہ ہو، اسے ایک فرض سمجھ کر اسی تقدس کے ساتھ ادا کیا جائے جیسا کہ فرائض ادا کرنے کا حق ہے تو جنت اس کا بدلہ ہے یعنی ایسا حج کرنے والا جنت کا حقدار ٹھہرتا ہے، یہی وہ حج ہے جس کی ادائیگی پر زور دیا گیا اور یہی وہ جزا ہے جس کے لئے ساری محنت کی جاتی ہے۔

☆ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تَابِعُوْا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَیْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ. (۱)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ ادا کرو اس طرح کہ حج کر لو تو عمرہ ادا کرو، عمرہ کر چکو تو حج کرو، کیونکہ حج اور عمرہ تنگ دستی اور گناہوں کو یوں مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی، لوہے، سونے اور چاندی کا کھوٹ نکال دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔''

حج اور عمرہ جب ایمانی قوت اور اطاعت و بندگی کا مظہر بنتے ہیں تو انسان کے وجود پر ان کی برکات نازل ہونے لگتی ہیں، گناہ دھلنے لگتے ہیں، شعور اطاعت اس قدر مستحکم ہوتا ہے کہ کسی اور کی احتیاج ہی نہیں رہتی۔ ایسا حج ہو جائے تو نجات مقدر ہے، ایسا حج کرنے والا جنت کا حقدار بنتا ہے۔

☆ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَجُّ جِهَادُ کُلِّ ضَعِیْفٍ (۲)

ترجمہ: ''حج ہر کمزور کا جہاد ہے''۔ جہاد قوت وجذبہ کا ایک فعالی اظہار ہے، جو ایسا نہ کر سکے تو اس کو حج کے مناسک ادا کرنا چاہئیں کہ یہ بھی ایک سطح کا جہاد ہے، مسلسل

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرۃ

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الحج جہاد النساء

marfat.com

محنت، پیہم انہماک اور لگاتار مناسک، اس لئے حج کو جہاد اصغر بھی کہا جاتا ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ (١)

ترجمہ: ''جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کیا کہ کوئی بے حیائی نہ کی اور کوئی نافرمانی نہ کی تو وہ حج سے لوٹا اس طرح پاک و طاہر جیسے اس روز تھا جبکہ اس کو اس کی ماں نے جنم دیا تھا''۔

معلوم ہوا کہ آداب و احکام کے مطابق حج کرنے والا تمام گناہوں اور لغزشوں سے پاک ہو جاتا ہے یعنی حج سابقہ خطاؤں کے لئے کفارہ ہے۔

## مکہ مکرمہ کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر یہ احکام ارشاد فرمائے:

لَاهِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتْحَ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِىْ وَلَمْ يُحَلَّ لِىْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَايُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَايُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهُ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَايُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخَرَ فَاِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخَرَ. (٢)

---

(١) صحیح البخاری کتاب الحج باب فضل الحج والعمرۃ

marfat.com

(٢) صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم مکۃ

ترجمہ: ''اب ہجرت نہیں مگر جہاد اور خلوص نیت اور جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو نکلو اور فرمایا: فتح کے دن یعنی فتح مکہ کے روز، بے شک یہ شہر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس روز سے حرمت والا بنایا جس روز آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا پس یہ شہر اللہ تعالیٰ کی عطا کی گئی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لئے حرمت والا ہے، اور یقیناً اس میں مجھ سے قبل کسی کے لئے جنگ حلال نہ ہوئی اور میرے لئے بھی دن کی ایک گھڑی ہی حلال ہوئی، پس یہ اللہ کی عطا کی گئی حرمت کی بنا پر قیامت تک کے لئے حرمت والا ہے، اس کا کانٹا بھی نہ کاٹا جائے، نہ اس کے شکار کو ڈرایا جائے، اور نہ اس پر گری ہوئی کسی چیز کو کوئی اٹھائے سوائے اس شخص کے جو اس کا اعلان کرے، نہ ہی اس کی گھاس کاٹی جائے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! سوائے اذخر کے کیونکہ یہ لوہاروں (کی بھٹیوں) کے لئے ہے اور ان کے گھروں کے لئے استعمال ہوتی ہے تو فرمایا ہاں سوائے اذخر کے''۔

فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا کہ اب قیامت تک کے لئے مکہ مکرمہ دار امن و سلامتی بنا، یہ ضرور ہے کہ جب جہاد کے کسی سلسلے میں قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے نکلنا لازم ہے کہ جہاد باقی ہے، نیت خیر اور برائی سے ہٹ جانے کا عمل بھی ذہنی و نظریاتی ہجرت ہے، یہ برقرار ہے، چند لمحوں کے لئے فتح مکہ کے روز قتال کی اجازت ہوئی مگر پھر حرمت کا اعلان ہوا اور اب ہمیشہ کے لئے مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین حرمت والی ہے، اس قدر حرمت کہ درخت یا اس کا کانٹا بھی نہ کاٹا جائے، حرم کی حدود میں کسی شکار کے قابل جانور یا پرندہ کو شکار نہ کیا جائے بلکہ ہراساں بھی نہ کیا جائے، گری ہوئی کسی چیز کو نہ اٹھایا جائے ہاں وہ اٹھائے جو اس کی حفاظت کرے، مسلسل اعلان کرے اور مالک تک پہنچائے، گھاس تک نہ کاٹی جائے، اس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک گھاس جسے اذخر کہتے تھے کی اجازت چاہی

marfat.com

جود ے دی گئی، وجہ یہ تھی کا یہ گھاس خشک ہوکر بھٹیوں میں استعمال ہوتی تھی اور گھروں کی چھتوں پر ڈالی جاتی تھی۔

یہی روایت سنن ابی داؤد، کتاب المناسک باب تحریم مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمان رسول ﷺ روایت ہوا کہ آپ نے فرمایا:

لَا يُحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السَّلَاحَ. (۱)

ترجمہ: ''کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں اسلحہ اٹھائے رہے''۔

## عمرہ

حج فرض ہے کہ ارکان اسلام کا حصہ ہے اور یہ مخصوص ایام ہی میں ادا کیا جاتا ہے، ایام حج آٹھ ذوالحجۃ سے تیرہ ذوالحجۃ تک ہیں، ان ایام میں حج کرنے والا مناسک حج ادا کرتا ہے مگر جو شخص ان ایام کے علاوہ حرم میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے عمرہ ہے، عمرہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرة۱۹۶)

ترجمہ: ''اور مکمل کرو حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر''۔

عمرہ کی فضیلت اور شرف کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ تُكَفِّرُ مَابَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب النہی عن حمل السلاح بمکۃ

marfat.com

(۲) سنن الترمذی ابواب المناسک باب ماجاء فی فضل العمرۃ

ترجمہ:"عمرہ سے عمرہ کفارہ ہے جوان کے درمیان ہے اور حج مبرور کی جزا صرف اور صرف جنت ہے"۔

رمضان المبارک میں عمرہ ادا کیا جائے تو یہ حج کی طرح اجر کا باعث بنتا ہے، ام معقل رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

عُمْرَةٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.(۱)

ترجمہ:" رمضان المبارک میں عمرہ حج کے برابر ہے، یعنی ویسا ہی ثواب کا موجب ہے"۔

عمرہ کی اہمیت کا اندازہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے ان گوشوں سے لگایا جا سکتا ہے جن میں آپ کا اشتیاق نمایاں ہے، نبی اکرم ﷺ نے حج کی فرضیت کے حکم کے بعد ایک حج کیا جو حجۃ الوداع کہلایا مگر کہا جاتا ہے کہ ہجرت سے قبل بھی آپ ﷺ نے دو حج کیے تھے جیسا کہ حضرت سفیان سے روایت ہے کہ

قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلٰثَ حَجَّاتٍ حَجَّتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّهَاجِرَ وَحَجَّةً بَعْدَ مَاهَاجَرَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَقَرَنَ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةً.(۲)

ترجمہ:"فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین حج کیے، دو حج ہجرت سے قبل اور ایک حج ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے اور قران حج کیا یعنی حج کے ساتھ عمرہ ملایا"۔

ظاہر ہے کہ ہجرت سے قبل حج، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو طریق حج مقرر تھا اسی کے مطابق ہوا ہوگا، بہر حال ہجرت کے بعد، فرضیت حج کے حکم کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک حج ادا فرمایا البتہ عمرے چار کیے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی عمرۃ فی رمضان

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب حجۃ رسول اللہ ﷺ

marfat.com

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَمَرَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِيْ ذِيْ الْقَعْدَةِ اِلاَّ الَّتِيْ مَعَ حَجَّتِهٖ : عُمْرَةَ مِنَ الْحُدَيْبِيَّةِ اَوْزَمَنِ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةَ مِنْ جَعْرَانَةَ حَيْثُ قَسَّمَ غَنَآئِمَ حُنَيْنٍ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَة مَعَ حَجَّتِهٖ(۱)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور سب ذوالقعدہ میں کئے، سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا، ایک عمرۃ حدیبیہ سے یا حدیبیہ میں قیام کے زمانے میں جو ذوالقعدہ میں ہوا، دوسرا اگلے سال ذوالقعدہ میں (اسے عمرۃ القضا کہتے ہیں) تیسرا جعرانہ سے جہاں آپ نے حنین میں حاصل ہونے والا مال غنیمت تقسیم فرمایا اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ''۔

صحیح بخاری باب کم اعتمر النبی ﷺ میں اسی نوعیت کی احادیث موجود ہیں۔

## احرام

حج یا عمرہ کے لئے آنے والوں پر لازم ہے کہ وہ حج کا لباس پہنیں جسے احرام کہا جاتا ہے کہ اس کے پہن لینے سے کئی اعمال جو پہلے جائز اور مشروع تھے ترک کرنا ہوتے ہیں، حج کا یہ لباس مرکز اسلام جو درو حدت ہے کے قریب آنے والوں پر لازم ہے اس لئے کہ اب یک رنگی درکار ہے، مکمل خود سپردگی مطلوب ہے، لباس جو تہذیب، ثقافت، روایت اور علاقے کا عکاس ہوتا ہے اور مخصوص تمدن کا مظہر کہا جاتا ہے اتار دیا جاتا ہے کہ سب ایک ایسے دربار میں حاضر ہونے والے ہیں جہاں ان امتیازات کی کوئی حیثیت نہیں ہے، دو ان سلی چادریں جن پر نہ رنگ ہو نہ نقش و نگار کہ مکمل سفید پوشی مطلوب ہے، ایک چادر تہہ بند کے طور پر کہ ستر کا چھپانا اسلام کے بنیادی احکام

---

marfat.com

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب عدد عمر النبی ﷺ وزمانہن

میں سے ہے، دوسری چادر اوڑھنے کے لئے مگر اس طور کہ سر پر نہ آئے عاجزی اور درویش منشی کا واضح اظہار کہ یہ شان و شوکت اور تمیز من وتو کا وقت نہیں، ہاں عورت کو وہی کپڑے پہننا چاہئیں جو معمول کے مطابق ہوں، سفید ہوں تو بہتر ہیں، سر پر مضبوطی سے کسا ہوا رومال کہ بال کھلے نہ رہیں، چہرے پر نقاب نہ ہو، ہاتھ پاؤں بھی کھلے ہوں مگر باقی جسم مکمل چھپا ہو تا کہ اسلام کے تصور شرم وحیا کا نمونہ رہے۔ احرام باندھنے سے قبل مسواک کی جائے کہ سنت ہے، غسل کیا جائے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے طواف سے قبل غسل فرمایا (۱) احرام باندھ کر دو رکعت پڑھیں اور حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے بلند آواز سے تلبیہ کہیں اور پھر احرام کے تقدس کا ہر طرح خیال رکھیں۔ احرام میں کن کن چیزوں اور کس قسم کے لباس سے روک دیا گیا ہے، ان کا بیان کتاب احادیث میں بڑا واضح ہے مثلاً:

☆ حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

مَایَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَایَلْبَسُ الْقَمِیْصَ وَلَا الْعَمَآئِمَ وَلَا السَّرَاوِیْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَاالْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا یَجِدُ نَعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسْ خُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْھُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّیَابِ شَیْئًا مَسَّہٗ زَعْفَرَانٌ اَوْوَرْسٌ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ یَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَاْسَہٗ وَلَا یَتَرَجَّلُ وَلَا یَحُکُّ جَسَدَہٗ وَیُلْقِی الْقَمْلَ مِنْ رَاْسِہٖ وَجَسَدِہٖ فِی الْاَرْضِ۔ (۲)

''محرم یعنی احرام پہنا ہوا شخص کیا پہنے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ قمیص، پگڑی، پاجامے، ٹوپیاں اور موزے نہ پہنے مگر وہ شخص جسے جوتے نہ ملیں تو وہ موزے

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب المحرم یغتسل

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب مالایلبس المحرم من الثیاب

marfat.com

پہن لے اس طرح کہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے انہیں کاٹ دے اور کوئی ایسا لباس نہ پہنے جس پر زعفران یا ورس لگا ہو (ورس خوشبو دار زردی نما نباتات ہے) ابو عبد اللہ نے کہا: محرم کو چاہئے کہ نہ سر دھوئے نہ کنگھی کرے اور نہ اپنے جسم کو رگڑے اور نہ اپنے سر اور جسم سے زمین میں جوئیں پھینکے۔"

اسی کی مثل حدیث سنن الترمذی میں بھی ہے، اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:

وَلَا تَنتَقِبُ الْمَرأةُ الْحَرامُ وَلَاتَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ .(۱)

ترجمہ: "اور احرام کی حالت میں عورت نقاب نہ لے اور دستانے بھی نہ پہنے۔"

احرام سے پہلے خوشبو لگائی گئی ہو تو اس میں حرج نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِيَدِى لِحَرْمِهٖ حِيْنَ اَحْرَمَ وَلِحِلِّهٖ حِيْنَ حَلَّ قَبْلَ اَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ (۲)

ترجمہ: "میں نے خود اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی احرام باندھنے سے پہلے اور احرام کھولنے کے بعد مگر طواف کرنے سے پہلے"۔ اس کے ساتھ یہ حدیث بھی پیش نظر رہے کہ

رسول اکرم ﷺ جعرانہ میں تھے تو ایک شخص عمرہ کے لئے آیا، اس نے جبہ پہنا ہوا تھا جو خوشبو سے لتھڑا ہوا تھا، اس بارے میں سوال ہوا تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

اَمَّا الطِّيْبُ الَّذِىْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اِصْنَعْ فِىْ عُمْرَتِكَ مَاتَصْنَعُ فِىْ حَجِّكَ (۳)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء مالا یحق للمحرم لبسہ

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب الطیب قبل الاحرام

(۳) صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان تحریم الطیب علیہ

marfat.com

ترجمہ: ''خوشبو کو تو تین مرتبہ دھو ڈالو اور جبہ اتار دو پھر عمرہ میں بھی وہی کرو جو تم حج میں کرتے ہو۔''

یہ سوال کہ کیا محرم شکار کر سکتا ہے؟ تو اس کا حکم واضح ہے کہ جب گھاس کاٹنے کی اجازت نہیں تو شکار کی کس طرح اجازت ہوگی، وہاں اس کا دوسرا پہلو کہ کیا محرم کسی اور کا شکار کھا سکتا ہے تو اس کا جواز حدیث سے ثابت ہے۔ جو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حلال ہے اس سے کھاؤ مگر یہ بھی واضح کر دیا کہ محرم نے شکار نہ کیا ہو اور نہ محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو یعنی کسی سے محرم نے اجرت پر یا صرف درخواست پر شکار کرایا ہو، یہ بھی فرمایا کہ محرم نے شکار میں مدد کے طور پر کوئی اشارہ بھی نہ کیا ہو۔ (۱)

معلوم ہوا کہ شکار میں عملاً شریک ہونا، کسی کو اس کے لئے تیار کرنا، کسی شکار کرنے والے کی مدد کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کسی نے اپنے لئے شکار کیا ہے اور وہ احرام میں نہ تھا تو اگر وہ کبھی پیش کر دے تو لے لینا جائز ہے۔ یہ تمام احکام ارشادِ الٰہی کی تعمیل میں اس حکم کی روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لئے نافذ کئے گئے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ۹۶)

ترجمہ: ''اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا جب تک تم احرام میں ہو۔''

احرام میں ان پابندیوں کا مقصد یہ ہے کہ محرم کے رویے ایک نظم میں آ جائیں، خوشبو، تیل، خضاب سے اجتناب، حجامت بلکہ ناخن تراشنے کی ممانعت، شکار کرنے یا اس میں معاون بننے سے پرہیز حتیٰ کہ گھاس کاٹنے سے بھی بچے رہنا، یہ سب احکام دراصل ایک ضبط طاری کرنے کے ذریعے ہیں، دنیا سے، دنیاداری سے زیب و زینت سے انسانی جذبوں سے علیٰحدگی ایک مشق ہے، احرام باندھے ہوئے

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم الصید الماکول البری

marfat.com

مومن الٰہی لشکر کا ایک جاں نثار سپاہی ہوتا ہے، ایسا سپاہی جو صرف اپنے خالق و مالک کی رضا کے لئے جیتا ہے، وہ بھری دنیا سے منہ موڑ کر ایک کا ہونے کا اعلان کرتا ہے، حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھنے کا عمل چند ایام کا ہی ہے مگر اس سے پاکیزگی، طہارت، تزکیہ نفس اور محاسبۂ ذات کا میلان ہمیشہ کے لئے پیدا ہوتا ہے۔

حالت احرام میں شکار کی حرمت ہے مگر چند جانور یا پرندے ایسے بھی ہیں جن کو مار دینے کا حکم ہے کہ یہ انسانی جان کے لئے ضرر رساں ہیں، ان کو فواسق کہا گیا، ان کی تفصیل یہ ہے:

## خَمْسُ فَوَاسِق

عَنْ عَائشة رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ: خَمسٌ فَواسِقَ یُقْتَلْنَ فِی الحِلِّ وَالحَرَمِ: الحیةُ والْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَۃُ وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ والْحَدیًا (۱)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: پانچ فاسق ہیں ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ حرم میں ہوں یا حرم سے خارج میں ہوں۔ سانپ، کوا جس کا سینہ اور پشت سفید ہو، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل“۔

سنن النسائی کی روایت میں گرگٹ کے مارنے کی بھی اجازت ہے۔ (۲)

ایک روایت میں سانپ کا ذکر ہے، بعض علماء نے کاٹنے والے کتے سے ہر موذی جانور بھی مراد لیا ہے کہ یہ عربی زبان میں رائج ہے۔ احرام میں اعمال کی تحدید ہو جاتی ہے، یہ پابندی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب ماندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب

marfat.com

## میقات

میقات وہ مقامات یا منازل ہیں جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے، ان مقامات سے احرام کے بغیر گزرنا ممنوع ہے، احرام حج اور عمرہ کے لئے لازم ہے، احرام کی ان کے لئے حیثیت ایسے ہی ہے جیسے نماز کے لئے تکبیر تحریمہ، جس طرح تکبیر کہتے ہی نماز کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں اسی طرح احرام باندھتے ہی حج یا عمرہ کے احکام شروع ہو جاتے ہیں۔

احرام باندھنے کے لئے میقات کا تعین نبی اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا، حرم کی حاضری کے لئے چونکہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اہل ایمان کو آنا ہے اور ہر جانب سے قافلوں نے حرم پاک کا رخ کرنا ہے اس لئے مختلف میقات مقرر کر دیئے گئے، زائرین کے لئے یہ بڑی سہولت ہے کہ جو گردہ مقرر کر دیا گیا، اس تعین میں معیار کیا رکھا گیا اس کو محبوب کائنات ﷺ اور رب کائنات جل وعلا ہی بہتر جانتے ہیں، مومن پر تو اطاعت واجب ہے، میقات کا تعین فرماتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہُ عَنہما قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَقَّتَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَا الْحُلَیْفَۃِ وَلِاَھْلِ الشَّامِ الْجُحْفَۃَ وَلِاَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ ھُنَّ لَھُنَّ وَلِمَنْ اَتٰی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِھِنَّ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ وَمَنْ کَانَ دُوْنَ ذٰلِکَ فَمِنْ حَیْثُ اَنْشَاَ حَتّٰی اَھْلُ مَکَّۃَ مِنْ مَکَّۃَ ۔(۱)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذو الحلیفہ ، شامیوں کے لئے الجحفۃ ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات بنایا، یہ ان شہروں کے لئے بھی

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب مُھَلِّ اھل مکۃ للحج والعمرۃ

marfat.com

میقات ہیں اوران کے لئے بھی جوان کے علاوہ ان اطراف سے آتے ہیں، جو حج کرنا چاہے یا عمرہ اور جوان میقات سے ادھر یعنی اندر ہیں توان کے لئے وہی مقام جہاں سے انہوں نے سفر شروع کیا حتیٰ کہ مکہ والوں کے لئے مکہ ہی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بصرہ اور کوفہ کے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لئے قرن المنازل کو مقرر کیا ہے اور وہ ہمارے راستے سے ہٹ کر ہے اور یہ سفر ہم پر گراں ہے، فرمایا اس کے محاذ میں اپنے راستے میں کسی مقام کو دیکھ لو۔ پس آپ نے ان کے لئے ذات عرق کو مقرر فرما دیا۔(۱)

ان ارشادات کے مطابق پانچ میقات مقرر ہو گئے اور یہ سہولت بھی مل گئی کہ جو، ان میقات سے نہیں گزرتا تو ان کے محاذ کو پیش نظر رکھے۔ میقات یہ ہیں۔:

۱۔ **ذُو الْحُلَيْفَة**: جسے بئر علی (رضی اللہ عنہ) بھی کہا جاتا ہے، مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی ہے، مدینہ منورہ اور اس علاقے یا قرب و جوار سے آنے والے یہاں سے احرام باندھتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ سے بعید ترین میقات ہے، رسول اکرم ﷺ نے یہیں سے احرام باندھا تھا۔

۲۔ **اَلْجُحْفَة**: مکہ مکرمہ سے تقریباً دو سو کیلومیٹر جانب شمال ایک بستی تھی جس کا اب وجود نہیں، اس کے قریب رابغ کی بستی ہے جہاں، مصر، شام، لیبیا بلکہ یورپ سے آنے والے احرام باندھتے ہیں۔

۳۔ **قَرْنُ الْمَنَازِل**: طائف کے قریب ہے اور اہل نجد کے لئے میقات ہے۔

۴۔ **يَلَمْلَم**: تہامہ کے علاقہ کی ایک پہاڑی ہے جو یمن والوں کے لئے احرام باندھنے کا مقام ہے، برصغیر کے زائرین بھی یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب ذات عرق لاہل عراق

۵۔ ذَاتِ عِرق: کو عراق اور عراق کی جانب سے آنے والوں کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے۔

یہ خیال رہے کہ یہ میقات تعین کے لئے ہیں، ضروری نہیں کہ ان مقامات سے ہی گزرا جائے، یہ تو حد بندیاں ہیں، ان کے فاصلوں اور اطراف کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

## تَلْبِيَة

تلبیہ، حج کا شعار ہے، یہ ترانۂ وحدت ہے، یہ احرام باندھتے ہی زبان پر آ جانا چاہئے کہ اس سے حاضری کا ذوق اور پکار کا سلیقہ آتا ہے، جب دنیا کا عمومی لباس اتار دیا، احرام پہن کر سلک وحدت میں شامل ہو گئے، تو زبان کو بھی حمد آشنا ہو جانا چاہئے۔ یہ ایک والہانہ پکار ہے، عبدیت کے جذیوں کا اظہار ہے، تلبیہ کے کلمات جو تعلیم کیے گئے یہ ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تلبیہ یوں تھا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (۱)

ترجمہ: ''میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تمام حمد، تمام نعمت اور تمام حکومت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں''۔

یہ کلمات دل کے ترجمان بن جائیں تو حج ساری زندگی کے گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن جاتا ہے، زبان سے یہ اعلان ہو کہ تمام حمد تیرے لئے اور دل ہر لمحہ اس حمد کی تصدیق کرتا رہے اور کسی غیر کے لئے نہ دھڑکے، زبان اس کی نعمتوں کا اقرار کرے اور دل ان نعمتوں پر صابر و شاکر رہے، حکومت اسی کی ہے، یہ صرف کھوکھلا

---

marfat.com

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب التلبیۃ وصفتہا ووقتہا

اعلان نہ ہو، دل کی ایک ایک دھڑکن اس کی تصدیق کرے تیرا کوئی شریک نہیں ایک آواز ہی نہ ہو قلب ونظر کا یقین وایمان ہو، جب حج کا فریضہ انجام دینے والا، زبان ودل کے فاصلے مٹا کر قول وفعل کی یکجائی کا مظہر بن جائے تو وہ ذات لاشریک کے کرم کے ہالے میں آجاتا ہے، دوری باقی نہیں رہتی، یک آواز، یک رنگ ہونے والے کو دریائے وحدت کی شناوری کا سلیقہ آجاتا ہے تو پھر انگ انگ لبیک، لبیک پکارنے لگتا ہے، یہی وہ حج ہے جو زندگی کو نیا آہنگ دیتا ہے، ماضی کا غبار دھل جاتا ہے اور حج کرنے والا یوں واپس لوٹتا ہے کہ آج ہی دنیا میں آیا ہے، پاک، پوتر، طیب وطاہر۔ اسی لئے اسی ترانۂ وحدت کو بلند آواز سے ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

☆ حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جَآءَنِی جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ مُرْ اَصْحَابَکَ فَلْیَرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِیَةِ فَاِنَّهَا مِنْ شِعَارِ الْحَجِّ (۱)

ترجمہ: ”جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا اے محمد ﷺ اپنے اصحاب کو حکم دیجئے کہ وہ تلبیہ کے ساتھ اپنی آوازوں کو بلند کریں کیونکہ تلبیہ حج کا شعار ہے۔“

☆ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا۔

اَیُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ : اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ (۲)

ترجمہ: ”کون سا حج افضل ہے؟ فرمایا: تلبیہ کو بلند آواز سے کہنا اور قربانی کا خون بہانا“۔

معلوم ہوا کہ تلبیہ بلند آواز سے کہا جانا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب رفع الصوت بالتلبیة

marfat.com

(۲) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی فضل التلبیة

وکبریائی کا اعلان ہے، یہ اعلان کس قدر اثر انداز ہے کہ حضرت ساعد الساعدی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" جب کوئی لبیک کہنے والا لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں تمام حجر، شجر اور مٹی بھی اس کے ساتھ لبیک پکارنے لگتے ہیں۔(۱)

یہ حمد، یہ پکار کب تک جاری رہنی چاہئے اس کی وضاحت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

رَدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ جَمْعٍ اِلٰی مِنٰی فَلَمْ یَزَلْ یُلَبِّی حَتّٰی رَمٰی جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ(۲)

ترجمہ:"میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار تھا، عرفات سے منیٰ تک، آپ ﷺ مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ جمرہ عقبہ کی رمی ہوگئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلی کنکری مارنے پر ہی تلبیہ کہنا بند کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ عمرہ کرنے والا استلام حجر اسود تک تلبیہ کہتا رہے(۳) حقیقت یہ ہے کہ تلبیہ کی صدا ہی حج کے اجتماع کو وارفتگی کا ماحول عطا کرتی ہے۔

احرام باندھ لیا اور اب حرم میں داخل ہونا ہے، عقیدت و محبت کے ساتھ احرام کی پابندیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور قدم قدم پر شریعت مطہرہ کے احکام کی پاسداری کرتے ہوئے کہ اب وہ ایسے مقام پر حاضر ہے، جس کو نبی رحمت ﷺ نے ہر قسم کے شرک و کفر سے محفوظ فرمانے کا اعلان فرما دیا تھا، حجۃ الوداع کے لئے تشریف لانے سے قبل ۹ ہجری کے حج میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب الحج باب التلبیہ

(۱) سنن ترمذی ابواب الحج باب ما جاء متی یقطع التلبیۃ فی الحج

marfat.com

(۳) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب حتی متی یقطع المعتمر التلبیہ

گیا تھا، یہ ایمان والوں کا پہلا حج تھا اس لئے تمام رسومات اور لاحقے جو کفر و شرک کی قربت سے پیدا ہو گئے تھے مٹا دیئے گئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حج میں یوم النحر کو یہ اعلان کر دیا گیا:۔

لَایَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِکٌ وَّلَایَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ. (۱)

ترجمہ: ''اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا''۔

کفار کی بدعادات میں سے یہ بھی تھی کہ وہ کپڑے اتار کر ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، اس خیال سے کہ دنیا کا کوئی لباس بھی جسم پر نہ رہے، نبی اکرم ﷺ کے حکم سے یہ اعلان کر دیا گیا، اس طرح حرم کی حرمت اور تقدس قائم ہوا۔

## احرام کی حالت میں موت

انسان فانی ہے، موت کا لمحہ مقرر ہے مگر وہ اس سے بے خبر ہے اس لئے وہ ارادے باندھ لیتا ہے اور کسی عزم کے ساتھ مصروف کار بھی ہو جاتا ہے مگر اچانک موت راستہ روک لیتی ہے جس سے تمام ارادے ٹوٹ جاتے ہیں، حج پر جانے والا بھی اس لمحہ موعود کا پابند ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اموات ہو جاتی ہیں۔ موت کے ان لمحوں میں کیا کرنا چاہئے اور ایک محرم کو جو احرام کی قیود میں تھا کیسے غسل دینا ہے اور کیسے کفن پہنانا ہے، سنن نسائی کی ایک حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اس سلسلے میں مکمل راہنمائی عطا کرتی ہے، روایت ہے:

اِنَّ رَجُلاً کَانَ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِیْ ثَوْبَیْهِ وَلَاتُمِسُّوْهُ

marfat.com

بِطِيْبٍ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَهُ فَاِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا. (۱)

ترجمہ: ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس کی اونٹنی نے اسے روند دیا اور وہ احرام میں تھا پس وہ مر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو بیری کے پتوں کے پانی سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں میں اس کو کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو کیونکہ وہ قیامت کے روز تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا''۔

## حج کے حوالے سے عورتوں کے چند خصوصی مسائل

حج کی فرضیت کے بعد سفر حج کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، مرد تو ملکی اور علاقائی قوانین اور ضوابط کی پاسداری کرتے ہوئے روانہ ہو جاتے ہیں، عورت کے لئے بھی ان مراحل کو عبور کرنا ہوتا ہے مگر اس کے لئے چند ایسے مرحلے بھی ہیں جو صرف عورت کے ساتھ مخصوص ہیں، ان امتیازی کیفیات میں شریعت مطہرہ نے عورت کو بے توفیق نہیں چھوڑا بلکہ واضح احکام دیئے ہیں۔ ان میں سے چند ضروری احکام کی تفصیل یہ ہے:۔

### ا۔ عورت کے لئے بغیر محرم سفر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَ لَيَالٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْمَحْرَمٍ (۲)

ترجمہ: ''ایسی عورت پر جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو کے لئے جائز نہیں کہ تین راتوں کا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو''۔ بعض روایات میں ایک دن، رات، دو دن، صرف ایک دن، صرف ایک رات کا تذکرہ بھی ہے، یہ سب

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب غسل المحرم بالسدر اذا مات

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج

marfat.com

ارشادات مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے سوالوں کے جواب ہیں، مگر اس سلسلے میں مختار رائے یہی ہے کہ سفر تین دن کا ہو، سفر اس سے کم ہو تو بغیر محرم بھی حج کیا جا سکتا ہے، محرم سے مراد وہ مرد ہے جو یا تو اس کا شوہر ہو یا ایسا مرد جس سے نکاح نہ ہو سکتا ہو مثلاً باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، ماموں، چچا وغیرہ، رضاعت کے حوالے سے بھی رضاعی بھائی کا بیٹا، رضائی بہن کا بیٹا وغیرہ، سسرال سے سسر وغیرہ، ان محارم کے بغیر تین روز سے زائد کا سفر ہو تو حج پر جانا منع ہے۔

## ۲۔عورت کے مخصوص ایام کے حوالے سے احکام

عورت اپنی طبعی زندگی میں حیض یعنی ماہواری اور کبھی نفاس یعنی زچگی کی حالت میں فرائض ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی، ان دونوں صورتوں میں احادیث مبارکہ میں عملی راہنمائی موجود ہے مثلاً:

☆ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ حِضْتُ فَاَمَرَنِی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ اَقْضِی الْمَنَاسِکَ کُلَّهَا اِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَیْتِ(۱)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حیض آ گیا تو رسول اکرم ﷺ نے سوائے طواف کعبہ کے تمام مناسک ادا کرنے کا حکم دیا“۔

☆ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمْتُ مَکَّةَ وَاَنَا حَائِضٌ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَیْتِ وَلَا بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَتْ فَشَکَوْتُ ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِفْعَلِی کَمَا یَفْعَلُ الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِی بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْهُرِی.(۲)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں مکہ مکرمہ آئی تو میں حیض میں تھی اور میں نے نہ کعبہ کا طواف کیا اور نہ صفا مروہ کی سعی کی، فرماتی ہیں: اس کا

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء ما تقضی الحائض من المناسک

marfat.com

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت

شکوہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: وہ تمام کام کرو جو حاجی کرتے ہیں سوائے اس کے کہ کعبہ کا طواف نہ کرنا حتیٰ کہ تم پاک ہو جاؤ"۔

اس سلسلے میں حجۃ الوداع کی روایت مزید وضاحت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا اور کچھ نے عمرے کا، جب مکہ مکرمہ آ گئے تو جو صرف عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور ان کے پاس قربانی کا جانور نہ تھا انہوں نے احرام کھول دیا جبکہ جو حج کی نیت سے احرام باندھ کر آئے تھے انہیں حکم ملا کہ قربانی کر کے حج مکمل کر کے احرام کھولیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی کیفیت یہ بتاتی ہیں کہ ان کی ماہواری شروع ہو گئی اور یہ عرفہ کے دن تک جاری رہی اور یہ کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا، نبی اکرم ﷺ نے سر کھولنے اور بالوں کو درست کرنے کا کہا اور فرمایا حج کا احرام باندھو، عمرہ چھوڑ دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب حج مکمل ہو گیا تو رسول اکرم ﷺ نے آپ کو آپ کے بھائی حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا کہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ لیں، چنانچہ یہی ہوا۔ (۱)

☆ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایام حیض شروع ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

**اِنَّ ھٰذَا اَمْرٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدم فَاقْضِی الْمَنَاسِکَ کُلَّھَا غَیْرَ اَنْ لَاتَطُوْفِی بِالْبَیْت (۲)**

ترجمہ: "یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم کر رکھا ہے، آپ سب مناسک ادا کریں سوائے اس کے کہ کعبہ کا طواف کریں"۔

☆ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس

---

(۱) تفصیل صحیح مسلم کتاب الحج باب صحۃ احرام النساء

marfat.com

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الحائض تقضی المناسک الا الطواف

رضی اللہ عنہا بھی حجۃ الوداع کے سفر میں ساتھ تھیں، ابھی ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''محمد بن ابی بکر ہے'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ولادت کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہیں کہ وہ غسل کرلیں اور حج کا احرام باندھ لیں اور حج کے تمام اعمال دوسرے لوگوں کی طرح ادا کریں مگر ہاں کعبہ مکرمہ کا طواف نہ کریں۔''(۱)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کو بھی اس سفر میں ماہواری کے دن آگئے مگر جب رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع دی گئی کہ وہ طواف افاضہ انجام دے چکی تھیں تو آپ نے فرمایا، تو پھر حج مکمل ہو گیا (یاد رہے کہ آپ نے طواف وداع نہ کیا تھا، معلوم ہوا یہ ساقط ہو گیا)(۲)

ان تمام ارشادات وفرامین سے واضح ہو گیا کہ حج یا عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھنے والی کسی عورت کو ایام حیض آجائیں یا اس پر حالت نفاس طاری ہو کہ کسی کو جنم دے تو اس صورت میں تمام مناسک ادا کئے جائیں گے مگر کعبۃ اللہ کا طواف نہ کیا جائے گا جو پاک ہونے کی حالت میں کرنا ہوگا، طواف افاضہ یا طواف زیارت لازم ہے اور طواف وداع واجب ہاں اگر حرم سے رخصت ہو جانے کے بعد حالت حیض یا نفاس ختم ہوئی اور طواف وداع رہ جائے تو حج مکمل ہو جاتا ہے۔

## اقسام حج

حج کی کیفیات اور اعمال کے حوالے سے تین صورتیں ہیں:

۱۔ اِفراد: اس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے، احرام باندھنے سے حج کی تکمیل تک احرام میں رہنا لازم ہے، ایسے حاجی پر قربانی لازم نہیں ہے۔

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب الغسل للاہلال

marfat.com

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت

**۲۔ تمتع:** حج پر جانے والے کا ارادہ تو حج اور عمرہ کا ہوتا ہے مگر وہ ابتداً صرف عمرہ کی نیت کرتا ہے اور عمرہ کا احرام باندھ کر حدود حرم میں داخل ہو جاتا ہے اور جب عمرہ کے تمام اعمال مکمل کر لیتا ہے تو احرام کھول دیتا ہے اور حرم کی حدود میں ہونے کے باوجود عام لباس میں رہتا ہے، پھر یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ کو اپنی رہائش گاہ یا حرم سے حج کی نیت کے ساتھ حج کا احرام باندھ لیتا ہے اور حج تمام شرائط کے ساتھ ادا کرتا ہے، اس میں فائدہ دوگنا ہو گیا ہے اس لئے اسے تمتع کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہے:

فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝ (البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: ''تو جس نے حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھایا تو وہ قربانی دے جو اسے میسر ہو، اور جو قربانی نہ پائے تو وہ حج کے دوران میں تین روزے رکھے اور سات تب جبکہ (اے حاجیو) تم لوٹ جاؤ، یہ پورے دس ہوئے، یہ سہولت اس کے لئے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

حج کے ساتھ عمرہ ایک اور عمل نیک، نفع در نفع ہے اس لئے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ قربانی دی جائے، اس میں سہولت یہ دی گئی کہ جو سہولت اور آسانی سے قربان کیا جائے وہی کفایت کرتا ہے۔ ہاں اگر قربانی کی توفیق حاصل نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا ہیں، تین ایام حج ہی میں ہوں، استحباب یہ ہے کہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں

marfat.com

روزے رکھے جائیں اور مزید عمدگی یہ ہے کہ یہ یوم عرفہ پر مکمل ہوں۔(۱)

تمتع کی یہ رعائت ان کیلئے ہے جو حرم کے رہنے والے نہیں کہ وہ لوگ زندگی بھر کی محنت کے بعد اس قابل ہوتے ہیں کہ حاضر ہوں، ان کا حق ہے کہ زیادہ سے زیادہ حسنات حاصل کر سکیں۔

۳۔قران: حج اور عمرہ کا اکٹھا ارادہ لے کر حرم کے باہر سے آنے والے حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کریں گے اور دونوں کا احرام باندھیں گے، وہ جب حرم میں آ جائیں گے تو عمرہ ادا کریں گے، عمرہ کے بعد تمتع کے برعکس احرام نہیں کھولیں گے بلکہ اسی احرام سے ہی حج کے مناسک ادا کر کے حج کے بعد احرام کھولیں گے، یہ عرصہ مختصر بھی ہو سکتا ہے اور طویل بھی، احرام کی حفاظت اور احکام احرام کی پاسداری مشکل کام ہے اس کے لئے مسلسل شعوری عزم چاہئے، حج کی یہ قسم مشکل تر ہے مگر جبین عقیدت اس بارگاہ بے کس پناہ ﷺ کے سامنے جھک جاتی ہے کہ خود نبی رحمت ﷺ نے قران کیا، حجۃ الوداع جو آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا، قران تھا۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ۔

يُلَبِّىْ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ جَمِيْعًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا (۲)

ترجمہ: ''حج اور عمرہ کا اکٹھا تلبیہ کہہ رہے تھے، اے اللہ! میں حاضر ہوں عمرہ اور حج کے لئے، اے اللہ! میں حاضر ہوں عمرہ اور حج کے لئے۔''

---

(۱) جیسا کہ سنن الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی التمتع میں ہے

marfat.com

(۲) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الاقران

☆ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ .(۱)

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرہ کا قران کیا'' یعنی اکٹھا کرلیا۔

البتہ نبی رحمت ﷺ نے امت کے لئے تمتع کو پسند فرمایا کہ یہ آپ کی محبت وشفقت کا اظہار ہے، قران میں بھی قربانی کرنا لازم ہے۔

مکہ مکرمہ میں جب کوئی حج یا عمرہ کی نیت سے داخل ہوتو احرام باندھے ہوئے اور تلبیہ کہتے ہوئے آئے، عجز وانکساری کے ساتھ بندگی کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے شہر مقدس میں داخل ہو، نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں آئے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق الثنیۃ العلیاء سے اندر آئے اور جب واپس گئے تو الثنیۃ السفلیٰ سے باہر نکلے، اس کی وضاحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے کہ لَمَّا جَاءَ اِلٰی مَکَّۃَ دَخَلَھَا مِنْ اَعْلَاھَا وَخَرَجَ مِنْ اَسْفَلِھَا(۲) یعنی جب نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ آئے تو اوپر کی طرف سے آئے اور جب گئے تو زیریں مکہ کی طرف سے نکلے''۔ مکہ مکرمہ کا اعلیٰ وہ حصہ ہے جسے اہل مکہ کداء کہتے ہیں اور زیریں علاقہ وہ ہے جسے کدیٰ کہا جاتا ہے، روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جمعیت تھی، سوار پیدل دائیں بائیں چل رہے تھے، نبی اکرم ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو سیدھے حجر اسود کی جانب بڑھے کہ اس سے طواف شروع ہوتا ہے۔

## اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ

حجر اسود کعبۃ اللہ کی اس دیوار کے کونے پر نصب ایک پتھر ہے جس دیوار میں کعبۃ اللہ کا دروازہ ہے، اگر کوئی باب کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوتو اس کی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب من قرن الحج والعمرۃ

marfat.com

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب من این دخل مکۃ

بائیں جانب، کونے میں لگا ہوا پتھر یہی ہے۔ یہ حجر اس قدر فضیلت کا حامل کیوں ٹھہرا؟ اس پر متعدد آراء ہیں، سنن الترمذی کی حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَابَنِي آدَمَ (۱)

ترجمہ: ''حجر اسود جنت سے اترا ہے، اس وقت یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پس بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔''

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيَاتِيَنَّ هٰذَا الْحَجَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهَايَشْهَدُ عَلٰى مَنْ يَسْتَلِمُهُ بِحَقٍّ (۲)

ترجمہ: ''یقیناً یہ حجر اسود قیامت کے روز آئے گا، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے گا اور اس کی زبان ہوگی جس سے بولے گا، وہ اس کے بارے میں سچی گواہی دے گا جس نے اس کا استلام کیا ہوگا''۔

حجر اسود کے محاذ میں کعبۃ اللہ کے عقب میں جو گوشہ ہے اسے رکن یمانی کہا جاتا ہے، ایک ہی سمت کے یہ دونوں کنارے یمانیین کہلاتے ہیں، شاید اس لئے کہ ان کا رخ یمن کی جانب ہے، دوسرے دونوں کنارے جو حطیم کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، ''شَامِيَيْنِ'' کہے جاتے ہیں، حجر اسود اور رکن یمانی اسی بنیاد پر موجود ہیں جو بنیاد کعبہ اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ ان کے برتر احترام کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے، کہ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے اور استلام بھی جبکہ

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی فضل الحجر

marfat.com

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب استلام الحجر

رکن یمانی پر استلام ہی کیا جاتا ہے، استلام سے مراد ہے یہ کہ پتھر کو چھو کر ہاتھ چوم لے، یہ بھی اجازت ہے کہ اگر قریب جانے کی توفیق نہ ملے تو حجر اسود کے محاذ میں سامنے رک کر ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ چوم لے اور طواف شروع کرے اور ہر مرتبہ ایسا کرتا رہے، ہاں اگر کسی چکر میں آگے جانے کی قوت پالے تو اس قسمت یاوری سے فائدہ اٹھائے۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے خود بوسہ دیا ہے اور استلام بھی کیا ہے یعنی ہاتھوں سے چھوا بھی ہے اور چھڑی کو بڑھا کر استلام بھی کیا ہے اور سوار ہو کر بھی استلام کر کے طواف کی ابتداء کی ہے۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں:

مَاتَرَكْتُ اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ اَلْيَمَانِيَّ وَالْحَجَرَ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهُمَا فِيْ شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ (۱)

ترجمہ: ”میں نے ان دو یمانی ارکان یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام کبھی ترک نہیں کیا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو مشکل ہو یا آسانی ان دونوں کا استلام کرتے دیکھا ہے“۔

معلوم ہوا کہ ان دو یمانی ارکان کا استلام ہر حالت میں کرنا چاہیے۔ استلام کیسے ہوتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی اس کی روایت ہوئی، حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

☆ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ: مَاتَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهٗ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین

marfat.com

(۲) حوالہ مذکورہ

ترجمہ: ”حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کا ہاتھ سے استلام کرتے پھر اپنے ہاتھ کو چوم لیتے، انہوں نے فرمایا: میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا، کبھی اس کو نہیں چھوڑا“۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

**لَمْ اَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَسْتَلِمُ غَیْرَ الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ (۱)**

ترجمہ: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دو یمانی ارکان کے سوا کسی کا استلام کرتے نہیں دیکھا“۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے، فرماتے ہیں:

**اِسْتَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْحَجَرَ ثُمَّ وَضَعَ شَفَتَیْهِ عَلَیْهِ یَبْکِیْ طَوِیْلًا ثُمَّ الْتَفَتَ فَاِذَا هُوَ بِعُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ یَبْکِیْ فَقَالَ یَا عُمَرُ هٰهُنَا تُسْکَبُ الْعَبَرَاتُ (۲)**

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے سامنے آئے، پھر آپ نے اپنے دونوں ہونٹ اس پر رکھ دیے، کہ آپ دیر تک روتے رہے پھر مڑ کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رو رہے تھے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ) یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہتے ہیں“۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے:

**اَنَّهٗ جَآءَ اِلَی الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَاتَضُرُّ وَلَاتَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یُقَبِّلُکَ مَاقَبَّلْتُکَ (۳)**

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب استلام الحجر

marfat.com

(۳) صحیح بخاری کتاب المناسک باب ماذکر فی الحجر الاسود

ترجمہ: ''کہ آپ حجر اسود پر آئے اور اس کو چوم لیا، فرمایا: بلاشبہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے، اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ تجھ کو چومتے تھے تو میں تجھے نہ چومتا''۔

## طواف

حجر اسود کو بوسہ دے کر یا استلام کر کے بیت اللہ کے طواف کی ابتداء ہوتی ہے، دائیں جانب اللہ اکبر کہہ کر روانہ ہو جانا چاہیے، ہر مرتبہ جب حجر اسود سامنے آئے تو بوسہ دیں یا استلام کریں، اسی طرح سات چکر مکمل کرنا ہیں، طواف کیسے ہو، اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنئے فرماتے ہیں:

☆ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا يَقْدِمُ سَعٰى ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ(١)

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب حج یا عمرہ کا طواف کیا تو پہلے تین چکر دوڑ کر لگائے اور چار چلتے ہوئے، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ کل سات چکر لگائے پھر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: ''بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے''۔

طواف کے سات چکر ہیں، پہلے تینوں میں تیز چلنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی عمل فرمایا، اس تیز چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب من طاف بالبیت اذا قدم مکۃ

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب طاف النبی ﷺ وصلی لسبوعہ رکعتین

marfat.com

## رمل

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف کے لئے حرم میں داخل ہوئے تو وہاں مشرکین موجود تھے، اظہار قوت وخوداعتمادی کے لئے رمل کا حکم دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے طواف میں رمل کا حکم دیا، مقصود یہ تھا کہ مجموعی قوت اور صحت کا اظہار ہوا۔(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے:

رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَی الْحَجَرِ حَتّٰی اِنْتَھٰی اِلَیْہِ ثَلٰثَۃَ اَطْوَافٍ(۲)

ترجمہ:''حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا حتی کہ تین چکر ہو گئے''

## اضطباع

طواف جس کے بعد سعی ہو یعنی حج یا عمرہ کا طواف ہو اس میں طواف کی حالت میں احرام کی چادر کو دائیں کندھے سے نیچے سے نکالنا ہے تاکہ دایاں کندھا ننگا رہے اور چادر کے پلو کو بائیں کندھے پر ڈال لینا ہے اس کو اضطباع کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَاَصْحَابَہٗ اِعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعْرَانَۃِ فَرَمَلُوْا بِالْبَیْتِ وَجَعَلُوْا اَرْدِیَتَھُمْ تَحْتَ اٰبَاطِھِمْ قَدْقَذَفُوْھَا عَلٰی عَوَاتِقِھِمُ الْیُسْرٰی(۳)

ترجمہ:''کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جعرانہ سے

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب العلۃ التی من اجلھا سعی النبی ﷺ

(۲) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب الرمل من الحجر الی الحجر

(۳) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب الاضطباع فی الطواف

marfat.com

عمرہ کے لئے آئے تو انہوں نے طواف کعبہ میں رمل کیا اور اپنی احرام کی چادروں کو بغل کے نیچے سے نکالا اور اپنے بائیں کندھوں پر ڈال دیا۔"

چادر دائیں بغل سے نکل کر سینے کے اوپر سے گزرے گی اور پھر اسے بائیں کندھے پر ڈال دیا جائے گا، اضطباع طواف کے ساتوں چکروں میں ہوگا جبکہ رمل پہلے تین چکروں میں کیا جائے گا، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ رکن یمانی تک رمل ہوگا اور پھر وہاں سے حجر اسود تک معمول کی چال اختیار کی جائے گی، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لائے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا الْمَسْجِدَ اِسْتَلَمُوا الرُّكْنَ وَرَمَلُوْا وَالنَّبِيُّ ﷺ مَعَهُمْ حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا الرُّكْنَ اَلْيَمَانِيَّ مَشَوْا اِلَى الرُّكْنِ الْاَسْوَدِ ثُمَّ رَمَلُوْا حَتّٰى بَلَغُوا الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ ثُمَّ مَشَوْا اِلَى الرُّكْنِ الْاَسْوَدِ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثم مَشٰى الْاَرْبَعَ (۱)

ترجمہ: "جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حجر اسود کا استلام کیا اور رمل کیا اور نبی اکرم ﷺ ساتھ تھے حتیٰ کہ جب رکن یمانی تک آئے تو چلنے لگے حجر اسود تک پھر وہاں سے رمل کر کے رکن یمانی تک آئے اور وہاں سے حجر اسود تک عام چال چلے، یہ تین مرتبہ کیا پھر چار مرتبہ عام رفتار سے چکر لگائے"۔

طواف کے ہر چکر میں جب رکن یمانی سے گزرے تو حجر اسود تک پہنچنے کے درمیان وہ دعا پڑھے جو حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان سے گزر رہے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الرمل حول البیت

marfat.com

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(البقرۃ:۲۰۱)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں حسنات عطا فرما اور آخرت میں حسنات عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے''۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر ہزار فرشتے مقرر ہیں جو شخص بھی یہ دعا کرتا گزرے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ تو وہ فرشتے آمین کہتے ہیں، یہ بھی فرمایا: جو طواف کے چکر پورے کرے اس طرح کہ ان کے درمیان ان کلمات کے سوا کچھ نہ کہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ''تو اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں''۔

یہ بھی فرمایا کہ جو طواف کرتے ہوئے گفتگو کرتا رہتا ہے تو اس کے صرف پاؤں ہی رحمت میں ڈوبتے ہیں جیسے کسی کے پاؤں پانی میں ڈوبتے ہیں یعنی رحمت اس کے پورے وجود کو نہیں گھیرتی۔'' (۱)

طواف کی عظمت، اہمیت اور اس پر اجر کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ مَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ خَمْسِیْنَ مَرَّۃً خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ. (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب فضل الطواف

marfat.com

(۲) سنن الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی فضل الطواف

ترجمہ: ''جس نے بیت اللہ کا پچاس مرتبہ طواف کیا وہ اپنے گناہوں سے یوں نکل آتا ہے جیسا کہ اس روز تھا جبکہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا''۔

ہر زائر حرم کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا عمل طواف ہے، اسے چاہئے کہ اس پر کثرت کرے حتیٰ کہ نوافل سے بھی زیادہ اس کا اہتمام کرے، کثرت سے طواف، کفارۂ گناہ بنتا ہے، پچاس مرتبہ کی تحدید کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ صحت اجازت دے، چکر لگانے کی ہمت ہو تو اس کار خیر کو اپنے آپ پر لازم ٹھہرائے، حجر اسود کو ہر مرتبہ بوسہ نہ دے سکے تو استلام کرے یا دور سے اشارہ کرلے مگر اس گردش خیر و برکت کو جاری رکھے، رضا کارانہ طواف بہت اجر کا باعث ہے، ان کے علاوہ کچھ طواف ایسے ہیں جن کو ادا کرنا حج یا عمرہ پر جانے والوں کے لئے اہمیت رکھتا ہے مثلاً

## طواف قدوم

مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی پہلا کام طواف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور طواف کیا اور یہ پہلا کام تھا جو آپ ﷺ نے انجام دیا، (۱) حرم میں حاضری کی سعادت مل گئی تو اس کا شکرانہ یہی ہے کہ پروانہ وار اس مرکز ہدایت کے گرد چکر لگائے جائیں۔

## طواف زیارت یا طواف افاضہ

یہ طواف مناسک حج میں شامل ہے، قربانی اور حلق کے بعد منیٰ سے حرم میں واپس آنا ہے اور طواف ادا کرنا ہے، یہ طواف دس ذوالحجہ ہی کو ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر کسی مجبوری کی بنا پر دس کو مکمل نہ ہو سکے تو گیارہ یا بارہ ذوالحجہ کو بھی کیا جا سکتا ہے، دس یا گیارہ کو طواف زیارت کیا جائے تو طواف کے بعد منیٰ کو واپس جانا ہے لیکن

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب من طاف بالبیت اذا قدم مکۃ

marfat.com

اگر بارہ ذوالحجہ کو جمرات سے فارغ ہو کر طواف زیارت کے لئے آئیں تو واپس جانا ضروری نہیں ہے، طواف زیارت کے احکام، ادائیگی حج کے ساتھ بیان کئے جائیں گے، یہ ضرور یاد رہے کہ طواف زیارت بہر حال ادا کرنا ہے اگر چہ زندگی کے کسی حصے میں ہو۔

## طواف وداع

یہ وہ طواف ہے جو زائر حرم کا حرم میں آخری عمل ہے، حج ہو چکا، جتنا عرصہ قیام ممکن تھا قیام کر لیا گیا، عمرہ کی سعادت بھی پائی جا چکی۔ اب حج کا فریضہ ادا کرنے والا واپس جانا چاہتا ہے اور وہ حرم کو الوداع کہہ رہا ہے تو اسے الوداعی طواف کرنا چاہیئے، یہ آخری حاضری ہے اس لئے اس میں مکمل نیاز مندی اور بھر پور عقیدت کا اظہار ہونا چاہیئے، دوبارہ حاضری کے لئے التجائیں کرنا چاہئیں، یہ خیال رہے کہ اس طواف میں رمل نہیں ہے کہ اس کے بعد عمرہ یا حج نہیں۔

## مُلتزَم

طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کو بوسہ دے کر یا استلام کر کے ممکن ہو تو ملتزم پر کچھ دیر ٹھہرے، ملتزم وہ جگہ ہے جو حجر اسود کے قریب ہی باب کعبہ کی جانب ہے، یہاں پورے خشوع سے بارگاہ رب العزت میں التجائیں کرنا چاہیں۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ طواف کیا آخر پر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا تو پھر حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہو گئے:

فَوَضَعَ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَكَفَّيْهِ هٰكَذَا وَبَسَطَهُمَا بَسْطًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ (۱)

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب الملتزم

marfat.com

''پس انہوں نے اپنے سینہ کو، اپنے چہرے کو، اپنے دونوں بازوؤں کو اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو یوں ملتزم پر رکھا اور خوب پھیلا دیا، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے''۔

ملتزم پر رقت آمیز دعاؤں کے بعد دو رکعت ادا کرنا ہیں، ان کے لئے مقام ابراہیم کا قرب اہمیت رکھتا ہے۔

## مقام ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب وہ پتھر جس پر آپ کا نقش قدم اہل دل کے لئے ہر آن جذب و شوق کا باعث بنتا ہے، حرم کے اندر، باب کعبۃ اللہ کے سامنے نصب ہے، عشاق کا جم غفیر ہر لحظہ اس کی زیارت سے اپنے دلوں کو ولولہ تازہ مہیا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کے تذکرے میں اس کا بھی ذکر ہوا، ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ o فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (آل عمران: ۹۶، ۹۷)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا بیتِ عبادت جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، بڑا برکت والا اور سب جہانوں کے لئے مرکز ہدایت ہے، اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہوا امن پانے والا ہوا''۔

قرآن مجید نے اس مقام کو جائے سجدہ بنانے کا حکم دیا، ارشاد ہوا:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی (البقرۃ: ۱۲۵)

ترجمہ: ''پس تم مقام ابراہیم علیہ السلام کو مصلّٰی یعنی جائے نماز بنالو''۔

یہ حکم رہتی دنیا تک فرمان الٰہی کے طور پر حرم پاک میں آنے والوں پر لازم ہوا۔ حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو طواف کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔

marfat.com

حضرت المطلب بن ابی وداعۃ بیان کرتے ہیں کہ

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ سَبْعَةٍ جَآءَ حَتّٰی یُحَاذِیْ بِالرُّکْنِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فِیْ حَاشِیَةِ الْمَطَافِ وَلَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الطُّوَّافِ اَحَدٌ قَالَ ابْنُ ماجه هٰكَذا بِمَكَّةَ خَاصَّةً. (۱)

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ طواف کے سات چکروں سے فارغ ہوئے تو حجر اسود کے سامنے آئے پھر آپ ﷺ نے مطاف کے کنارے پر دو رکعت ادا کیں، آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا، امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس طرح بغیر کسی رکاوٹ سامنے رکھے ہوئے نماز پڑھنا مکہ مکرمہ کے لئے ہی خاص ہے''۔

مراد یہ ہے کہ عمومی حکم یہ ہے اور اس پر تاکید ہے کہ نمازی کے سامنے سے نہ گزرا جائے مگر یہاں ایسا ہو تو گناہ نہیں ہے کہ یہ مکہ مکرمہ کی خصوصیت ہے۔ یہ روایت سنن النسائی ابواب مناسک حج باب این یصلی رکعتی الطواف میں بھی موجود ہے متعدد احادیث سے مقام ابراہیم پر دو رکعت کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے مثلاً، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں:

لَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ طَوَافِ الْبَیْتِ اَتٰی مَقَامَ اِبْرَاهِیْمَ فَقَالَ عُمَرُ یَارَسُولَ اللهِ ﷺ هٰذَا مَقَامُ اَبِیْنَآ اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهٗ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی...... قَالَ نَعَمْ (۲)

ترجمہ: ''جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہو گئے تو مقام ابرہیم پر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ مقام ہمارے جد امجد

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الرکعتین بعد الطواف

marfat.com

(۲) حوالہ مذکورہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے مقام کو جائے نماز بناؤ، فرمایا: ہاں۔"

یہ بھی روایت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ جب یہ دو رکعت پڑھتے تو مقام ابراہیم علیہ السلام اور کعبہ کو سامنے رکھتے، اور یہ کہ ان دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے بعد قل یاایھا الکافرون یعنی سورۃ الکافرون اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ احد یعنی سورہ اخلاص پڑھتے۔(۱)

مقام ابراہیم علیہ السلام پر یہ دو رکعت صرف حج کے طواف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بھی طواف کیا دو رکعت پڑھیں۔(۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا بَنِىْ عَبْدِ مُنَاف لَاتَمْنَعُوْا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اٰيَةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْنَهَارٍ. (۳)

ترجمہ: "اے عبد مناف کسی کو اس گھر کے طواف سے نہ روکو اور نہ نماز پڑھنے سے کسی لمحے جب وہ رات دن میں پڑھنا چاہے"۔

اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا گیا کہ حرم میں کسی نماز کے لئے کوئی مکروہ وقت نہیں، یہ بظاہر استخراج ہوسکتا ہے مگر یہ ارشاد کہ رات دن جب کوئی نماز پڑھنا چاہے اسے نہ روکو، اس میں احتمال یہ ہے کہ پڑھنے والا یقیناً وقت مباح کا ہی خیال رکھے گا کہ وہ نماز پڑھنا چاہ رہا ہے"۔

---

(۱) سنن النسائی ابواب مناسک حج القول بعد رکعتی الطواف و باب القراۃ فی رکعتی الطواف

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب طاف النبی ﷺ وصلی بسبوعہ

(۳) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی الصلوٰۃ بعد العصر و بعد الصبح فی الطواف لمن یطوف

marfat.com

آخر پر نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد سنئے جس میں حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و منزلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

**اِنَّ الرُّکْنَ وَالْمَقَامَ یَاقُوْتَتَانِ مِنْ یَاقُوْتِ الْجَنَّۃِ طَمَسَ اللّٰہُ نُوْرَهُمَا وَلَوْ لَمْ یُطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَائَتَا مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.** (۱)

ترجمہ: ''بے شک رکن اور مقام، جنت کے یاقوت میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو ماند کر رکھا ہے اور اگر ان کے نور ماند نہ کئے جاتے تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہے سب کو چمکا دیتے''۔

مقام ابراہیم پر دو رکعت ادا کرنے کے بعد زمزم پر جانا چاہئے اور پوری طرح سیراب ہو کر زمزم پینا چاہئے۔

## زمزم

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے پھوٹنے والا چشمہ زمزم کہلایا، یہ اگرچہ صداقت شعاری اور اطاعت کیشی کے مراحل میں ایک چشمہ فیض تھا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے نونہال حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صبر و رضا کا مظہر تھا مگر یہ چشمہ رحمت قیامت تک کے لئے اہل صدق و صفا کے ایمانوں کی جلا کا ذریعہ قرار پایا ہے، نبی رحمت ﷺ نے خود اس آب بقا کو پسند فرمایا اور امت کو بھی اس سے سیراب ہونے کی تلقین فرمائی۔

مقام ابراہیم علیہ السلام پر نیاز مندانہ سجدوں کے بعد یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے نشان قدم کی اہمیت کیا ہے؟ اب وقت آ گیا ہے کہ

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن والمقام

marfat.com

ذبیح اللہ علیہ السلام کے قدموں کی برکات سے اپنے جسم اور روح کی پیاس بجھالی جائے، زائرین جوق در جوق اس اچھلتے ہوئے فوارۂ رحمت کی طرف لپکتے ہیں کہ یہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عادت تھی اور یہی نبی رحمت ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ (۱)

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم پلایا پس آپ نے پیا اس حالت میں کہ آپ کھڑے تھے''۔ سنن النسائی نے کتاب مناسک الحج باب الشرب من ماء زمزم قائما میں بھی اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، پوچھا: کہاں سے آئے ہو، کہنے لگا: زمزم سے، فرمایا: کیا تو نے زمزم پیا جیسا کہ پینے کا حق تھا، کہنے لگا کیسے؟ تو آپ نے فرمایا:

☆ اِذَا شَرِبْتَ مِنْهَا فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَتَنَفَّسْ ثَلاثًا وَتَضَلَّعْ مِنْهَا فَاِذَا فَرَغْتَ فَاحْمَدِ اللهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّ آيَةَ مَابَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُنَافِقِيْنَ اَنَّهُمْ لَا يَتَضَلَّعُوْنَ مِنْ زَمْزَمَ. (۲)

ترجمہ ''جب تو زمزم پیئے تو قبلہ کی طرف رخ کرلے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے اور تین گھونٹ سے پیئے اور انتڑیاں بھر کر پیئے، جب پی چکے تو اللہ عزوجل کی حمد کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: بے شک ہمارے اور منافقین کے درمیان یہی امتیاز ہے کہ وہ زمزم انتڑیاں بھر کر نہیں پیتے یعنی پوری طرح سیراب نہیں ہوتے''۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب ماجاء فی زمزم

(۲) سنن النسائی ابواب المناسک باب الشرب من زمزم

marfat.com

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ
مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ (۱) یعنی ماءِ زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے
اسی کے لئے ہے۔ یعنی کسی بیماری، ناتوانی، لاچارگی یا کسی اور مشکل کے لئے
اس کو پیا جائے تو ماءِ زمزم اُس مشکل کا حل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حج
کرنے والے اور عمرہ کرنے والے زمزم کو خوب جی بھر کر بار بار پیتے ہیں اور
واپسی پر اس کی ممکن مقدار ساتھ لیتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے
قدموں کے فیوضات سے اپنے جسم اور اپنی روح کو سیراب و شاداب کرتے
ہیں، فارغ ہونے پر یہ دعا پڑھی جاتی ہے :

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا
وَّشِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔

ترجمہ: ''اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والا علم، وسیع رزق، مقبول عمل اور ہر
بیماری سے شفا مانگتا ہوں''۔
زمزم سے فارغ ہو کر صفا و مروہ کی سعی کے لئے جاتا ہے۔

## صَفَا وَ مَرْوَة

صفا اور مروہ حرم کے پاس دو پہاڑیاں ہیں، صفا ان پتھروں کو کہتے ہیں جو
بہت ہموار ہوں کہ ان پر قدم پھسلیں، مروہ وہ پتھر ہیں جو سفید اور چمکدار ہوں، یہ
دراصل دو بلندیاں تھیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام
کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں، یہ سعی آپ ہی کی والہانہ تلاشِ آب کی
یادگار ہے، روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز
ادا کر چکے تو بلند آواز سے وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى کی آیت کریمہ پڑھی
تا کہ سب لوگ سن لیں، پھر آپ واپس لوٹے اور استلام کیا اور پھر صفا و مروہ کی طرف

(۱) سنن النسائی ابواب المناسک باب الشرب من زمزم

marfat.com

روانہ ہوئے، فرمایا ہم اسی سے ابتداء کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے یعنی صفا سے شروع کریں گے، پھر آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور تین مرتبہ یہ کلمات دُہرائے جبکہ حرم نظر آ رہا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

تکبیر کہی، حمد بیان کی پھر جس قدر چاہا دعا مانگی، پھر آپ ﷺ پیدل ہی مروہ کی جانب چلے، اس دور میں راستہ نشیبی تھا اور یہاں سے پانی گزرتا تھا، مروہ پر آئے جب حرم نظر آنے لگا تو فرمایا:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

''یہ کلمات تین مرتبہ دوہرائے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، تسبیح بیان کی اور حمد کہی، پھر جس قدر چاہا دعا کی، اسی طرح کرتے رہے حتیٰ کہ سعی سے فارغ ہو گئے''۔ (۱)

انصار مدینہ جاہلی دور میں ''مناۃ'' کے لئے احرام باندھتے تھے اور صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے، جب یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج پر آئے تو پرانی عادت کے مطابق صفا و مروہ کی سعی سے گریزاں رہے اور اس تحفظ ذہنی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو اس پر قرآن مجید کی آیت کریمہ نازل ہوئی، یہ بھی روایت ہوا کہ بعض مسلمان جو حج پر آئے ہوئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ وہ صفا و مروہ کا طواف کرتے رہے ہیں مگر اب جبکہ کعبۃ اللہ کے طواف کا حکم آیا ہے تو صفا و مروہ کا ذکر نہیں آیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

---

(۱) سنن النسائی ابواب المناسک باب الذکر والدعا علی الصفا

marfat.com

إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○

(البقرۃ:۱۵۸)

ترجمہ:''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جوکوئی رضا کارانہ نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان اور خوب جاننے والا ہے''۔

اس آیت مبارکہ سے بعض اصحاب نے یہ استخراج کیا کہ صفا و مروہ کی سعی پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں یعنی یہ ایک اجازت ہے، کوئی چاہے تو سعی کر لے اور اگر کوئی چاہے کہ نہ کرے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، اس خیال کا اظہار حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال پوچھ کر کیا۔اس پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے آیت کریمہ کی وضاحت کی کہ یہ آیت انصار کے شک کا جواب تھا اسی پر تو یہ آیت نازل ہوئی تھی اور فرمایا:

☆ وَقَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا فَلَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَّتْرُكَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا (۱)

ترجمہ:''رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے طواف کو جاری فرمایا، پس کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان دونوں کا طواف چھوڑ دے'' یہ حدیث کتب صحاح میں صحیح مسلم، سنن النسائی میں بھی موجود ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔(۲)

---

(۱) صحیح البخاری باب وجوب الصفا والمروۃ

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروۃ

marfat.com

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَزَلَ یعنی عَنِ الصَّفَاحَتّٰی اِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاہُ فِی الْوَادِیْ رَمَلَ حَتّٰی اِذَا صَعَدَ مَشٰی (۱)

ترجمہ: ”بے شک رسول اللہ ﷺ صفا کی بلندی سے اترے حتیٰ کہ جب آپ کے قدمین وادی میں ڈوب گئے تو آپ نے رمل کیا یعنی دوڑنے لگے حتیٰ کہ مروہ کی بلندی کی طرف چڑھے تو چلنے لگے“۔

صفا سے نیچے اتریں تو قریب ہی ایک ستون ہے جس کو سبز رنگ کیا گیا ہے، اس ستون سے رمل کرنا چاہئے اور دوسرے سبز ستون تک رمل میں رہنا چاہئے پھر رمل چھوڑ کر عام رفتار سے چلنا چاہئے جسے مشی کہتے ہیں، ان دونوں ستونوں کو مِیْلَیْنِ اَخْضَرَیْن کہتے ہیں یعنی دو سبز ستون۔

صفا و مروہ کے سات چکر ہیں، صفا سے مروہ تک ایک، مروہ سے صفا تک دو، صفا سے مروہ تک تین، مروہ سے صفا تک چار، صفا سے مروہ تک پانچ، مروہ سے صفا تک چھ اور صفا سے مروہ تک سات، یعنی سعی صفا سے شروع ہوگی اور مروہ پر ختم ہوگی۔

سعی کے اختتام پر حلق یعنی سر منڈوانا یا قصر یعنی بال ترشوانا لازم ہے، عورتیں نہ حلق کرائیں گی نہ قصر بلکہ انگلی کے ایک پور کے برابر بال کاٹ لیں گی۔ حلق اور قصر کا مفصل ذکر حج کے بیان کے بعد کیا جا رہا ہے، یہ ضرور یاد رہے کہ عمرہ کا حلق یا قصر مروہ کے قریب یا حرم کے قرب و جوار ہی میں ہوگا جبکہ حج میں یہ اعمال منیٰ میں ادا کئے جائیں گے۔ حلق یا قصر کے بعد عمرہ مکمل ہوگیا ہے، اب احرام اتار دینا چاہئے مگر یہ رعایت تمتع والوں کے لئے ہے، افراد والا تو عمرہ ادا ہی نہیں کر رہا اس لئے اس کا احرام دس ذوالحجہ تک ہے۔ قارن چونکہ عمرہ اور حج کا اکٹھا احرام باندھ چکا ہے اس لئے

---

(۱) سنن النسائی۔ ابواب المناسک۔ باب السعی فی بطن المسیل

marfat.com

عمرہ کے مکمل ہونے پر بھی احرام میں رہے گا، تمتع کرنے والے کا عمرہ مکمل ہوا اس لئے تلبیہ بھی ختم ہو گیا مگر مفرد و قارن کا تلبیہ بھی جاری رہے گا۔

عمرہ کے مناسک کے بیان کی تکمیل پر مناسب ہو گا کہ ان تمام مناسک کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے تا کہ ایک نظر میں اس حوالے سے راہنمائی مل جائے۔

## عمرہ کی ادائیگی کا اجمالی بیان

نیت: عمرہ کے لئے احرام باندھتے وقت نیت کی جائے گی، کہا جائے گا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَالِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ، نَوَیْتُ الْعُمْرَۃَ وَاَحْرَمْتُ بِھَا مُخْلِصًالِلّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: ''اے اللہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں تو اسے میرے لئے آسان کر دے اور مجھ سے اسے قبول فرما لے، میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں اور میں نے اس کا احرام باندھا ہے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے''۔

اگر عربی زبان میں نیت کی استطاعت نہ ہو تو کسی زبان میں بھی اس طرح نیت کی جا سکتی ہے۔

یاد رہے کہ عمرہ میں احرام اور طواف فرض ہیں جبکہ سعی اور حلق واجب ہے۔

میقات سے احرام باندھ کر نیت کر کے تلبیہ کہنا چاہئے اور تلبیہ کہتے ہوئے حرم میں داخل ہونا چاہئے، حجر اسود کا بوسہ لیں یا محاذ میں آ کر استلام کریں۔ بِسْمِ اللہِ، اَللہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہتے ہوئے باب کعبہ کے سامنے سے پہلا چکر شروع کریں، احرام کا اضطباع کریں اور رمل کریں، رکن یمانی پر استلام کریں اور آہستہ ہو جائیں اور دعا پڑھیں، حجر اسود کو چوم لیں یا استلام کریں، اس طرح ایک چکر مکمل ہوا، اسی طرح سات چکر لگائیں، ساتویں کے اختتام پر بوسہ یا استلام کر کے ملتزم پر کھڑے ہو کر آہ و زاری سے دعائیں کریں پھر مقام ابراہیم علیہ السلام کے

marfat.com

پاس دو رکعت ادا کریں، بہتر ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام اور کعبۃ اللہ دونوں سامنے ہوں، یہ دو رکعت نماز طواف کے واجبات میں سے ہے، مکروہ وقت کا خیال رکھیں، پھر زمزم پر جا کر جی بھر کر زمزم پئیں اور دعا مانگیں، بہتر ہے پھر استلام کریں اور باب صفا کی جانب سے کوہ صفا پر جائیں اور سعی کا آغاز کریں۔ کوہ صفا سے کوہ مروہ تک ایک چکر ہے، واپسی پر دوسرا، اس طرح سات مکمل کریں، کوہ صفا پر ہوں یا کوہ مروہ پر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے دعائیں مانگیں، دوران رمل و مشی بھی دعائیں لبوں پر رہیں، عربی دعائیں یاد نہ ہوں تو اپنی مادری یا قومی زبان میں، جیسے بھی سہولت ہو، اپنے رب کو پکاریں، میلین اخضرین کے درمیان دوڑیں، کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس نشیبی حصے سے گزرتی تھیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ دیکھ پاتی تھیں اس لئے یہ فاصلہ تیزی سے طے کرتی تھیں، جب کوہ صفا پر ساتواں چکر مکمل ہو جائے تو حلق یا قصر کرائیں، عورتیں صرف ایک لٹ کے کچھ بال کاٹ دیں، یوں عمرہ کی سعادت حاصل ہو گئی، حج تمتع والے اس پر احرام اتار دیں گے اور حج کے ایام کا انتظار کریں گے جبکہ قران والے بدستور احرام میں رہیں گے حتیٰ کہ ایام حج شروع ہو جائیں۔

## حج کے حوالے سے چند وضاحتیں

اشہر حج: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجۃ کے پہلے دس ایام کو اشہر حج یعنی حج کے مہینے کہا جاتا ہے۔

ایام تشریق: ۹ ر ذوالحجۃ کی فجر سے تیرہ ذوالحجۃ کی عصر تک ایام تشریق ہیں، ان ایام میں ہر نماز کے بعد تکبیرات تشریق کہنا واجب ہے، فرض نماز کے فوراً بعد بلند آواز سے تکبیرات کہنا چاہییں تا کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار ہو، ایام تشریق کی تکبیرات ہر نماز کے بعد ہر جگہ لازم ہیں، تکبیر یہ ہے:

marfat.com

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں"۔

## ایّامِ حجّ

آٹھ ذوالحجہ سے بارہ ذوالحجہ تک حج کے ایام ہیں، ان ایام میں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں، ان سے قبل حج کی تیاری ہوتی ہے، اگر میقات سے حج کی نیت سے گزرنا ہے تو وہاں سے احرام باندھ لینا چاہئے اور اگر پہلے ہی مکہ مکرمہ پہنچ چکا ہے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا ہے تو حج کے لئے دوبارہ احرام رہائش گاہ سے باندھ لیا جائے گا۔ قران والا تو پہلے ہی احرام میں ہے۔

## یَوْمُ الزِّیْنَۃِ

ذوالحجہ کی ساتویں تاریخ کو یوم الزِّیْنَۃ کہا جاتا ہے کہ یہ حج کی تیاری کا دن ہے، احرام کی چادریں تیار کی جاتی ہیں، حجامت بنوائی جاتی ہے، خوشبو لگائی جاتی ہے غرضیکہ ہر طرح زیب وزینت کا دن ہے۔ یہ اُن حجاج کرام کے لئے نہیں ہے جو حج قران ادا کر رہے ہیں۔

## یَوْمُ التَّرْوِیَۃِ

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویۃ کہا جاتا ہے، اس روز مکہ مکرمہ والے اور وہ لوگ جو مکہ مکرمہ میں آ ٹھہرے ہیں احرام باندھیں گے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ سے ہی احرام باندھا، (۱) احرام کے بعد منیٰ کو روانہ ہونا ہے، ظہر کی نماز تک منیٰ پہنچ جانا ہے، باقی دن اور رات منیٰ ہی میں ٹھہرنا ہے۔ نو ذوالحجہ کو

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الاهلال من البطحاء

marfat.com

فجر کی نماز منیٰ ہی میں ادا کرنا ہے اور صبح سویرے عرفات کے لئے روانہ ہو جانا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے یوم الترویہ کو منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں اور اگلے روز فجر کی نماز بھی منیٰ میں ادا فرمائی (۱) حج کے لئے احرام باندھتے وقت نیت حج کریں کیونکہ یہ حج تمتع کا احرام ہوگا، افراد حج والا یہی نیت میقات سے کرے گا، نیت کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ، نَوَیْتُ الْحَجَّ وَاَحْرَمْتُ بِهٖ مُخْلِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰی.

ترجمہ: ''اے اللہ! میں حج کرنا چاہتا ہوں تو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے اسے قبول فرمالے، میں حج کی نیت کرتا ہوں اور اس کے لئے احرام باندھتا ہوں، اے اللہ! تیری رضا ہی کے لئے''۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ حج قران کے لئے حج اور عمرہ کی نیت اکٹھی کی جائے گی، عربی زبان میں ممکن نہ ہو تو اپنی مادری یا قومی زبان میں نیت کی جا سکتی ہے۔

## یَومُ الَحج یا یوم عرفة

ذوالحجہ کی نو تاریخ کہ یہ یوم عرفہ ہے، حجاج کرام کو عرفات میں قیام کرنا ہے، سورج ڈھلنے پر ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھنا ہیں، یہ دعاء و استغفار کا دن ہے، سورج غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرنا تو ہے مگر نماز مغرب ادا نہیں کی جائے گی، یاد رہے کہ یہ دن حج کا حاصل ہے کہ حج کا رکن اعظم وقوف عرفات ہی ہے، یہ نہ ہو تو باقی مناسک ادا کرنے کے باوجود حج نہیں ہوتا، اسی میدان میں مسجد نمرہ ہے جہاں خطبہ حج دیا جاتا ہے، حدیث مبارک میں یوم عرفہ کی فضیلت کا بیان اس طرح ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب خروج الی منیٰ

marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ یَوْمٍ اَکْثَرَمِنْ اَنْ یُّعْتِقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْہِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَاِنَّہٗ لَیَدْنُوْ ثُمَّ یُبَاھِیْ بِھِمُ الْمَلٰئِکَۃَ فَیَقُوْلُ مَآ اَرَادَ ھٰٓؤُلَآءِ .(۱)

ترجمہ: ''کوئی دن عرفہ سے بہتر نہیں کہ اس میں اللہ عزوجل بندوں کو دوزخ سے آزاد کرے، اور بے شک وہ قریب تر ہوتا ہے اپنی رحمتوں سے اور ان حجاج کرام کی وجہ سے فرشتوں پر اظہار خوشی کرتا اور کہتا ہے کہ بتاؤ ان کا مقصد کیا ہے'' یعنی یہ لوگ اس قدر کثرت سے جو جمع ہیں تو ان کا کیا مقصد ہے؟ یہ تقرب الٰہی کے لئے ہی تو آئے ہیں۔

## مزدلفہ

سورج غروب ہونے پر عرفات سے واپسی ہوتی ہے اور مزدلفہ میں قیام کیا جاتا ہے، رسول اکرم ﷺ عرفات سے مغرب کے ساتھ ہی روانہ ہوئے مگر نماز ادا نہ کی، راستے میں وضو کیا مگر یہی حکم دیا کہ نماز آگے چل کر پڑھیں گے، مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی پڑیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ

جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ لَیْسَ بَیْنَھُمَا سَجْدَۃٌ بِجَمْعٍ صَلَّی الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا وَالْعِشَآءَ رَکْعَتَیْنِ بِاِقَامَۃٍ وَّاحِدَۃٍ .

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مغرب وعشاء اکٹھی پڑھی، ان کے درمیان سجدہ نہ کیا، مغرب کی تین رکعت پڑھیں اور عشاء کی دو رکعت ایک ہی اقامت کے ساتھ''۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل یوم عرفۃ

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفۃ واستحباب صلوتی المغرب والعشاء جمعا

marfat.com

سنن النسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ایک ہی اقامت سے پڑھیں اور ان دونوں نمازوں کے درمیان یا کسی ایک کے بعد کوئی تسبیح نہیں پڑھی۔(۱)

مزدلفہ کا قیام تسبیح و تہلیل کے لئے وقف ہے، ساری رات کھلے آسمان کے نیچے، ذکر الہٰی میں گزاری جاتی ہے، اس وادی میں ایک پہاڑ ہے جس کو المشعر الحرام کہتے ہیں، اس پر وہ مسجد ہے جسے مسجد المشعر الحرام کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفَاتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ

(البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ:"جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو المشعر الحرام کے قریب اللہ کا ذکر کرو"۔

مزدلفہ کا سارا میدان وقوف کے لئے ہے سوائے وادی محسر کے(۲) اس لئے جہاں جگہ یا گنجائش ملے ٹھہر جانا چاہئے اگر چہ بہتر یہی ہے کہ المشعر الحرام کے قریب قیام رہے۔

## یوم النحر یعنی قربانی کا دن

نو اور دس ذوالحجہ کی درمیانی رات مزدلفہ میں گزار کر نماز فجر اندھیرے میں پڑھ کر حاجی حمد وثنا میں مشغول رہے اور جب کچھ اجالا ہو جائے تو منیٰ کو روانہ ہو جائے۔ منیٰ حج کے مقامات سے ہے، یہاں بہت سے مناسک ادا کرنا ہیں، یہاں مسجد خیف ہے، کہا جاتا ہے کہ اس مسجد میں ستر نبی آرام فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر پر ہے کہ مزدلفہ میں نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں ادا کی (۳) اب ذوالحجہ کی دس تاریخ ہے کہ منیٰ میں واپسی ہوگئی، واپس آتے

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب الصلاتین بالمزدلفۃ

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الموقف بعرفات

marfat.com

(۳) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب زیادۃ التغلیس لصلوۃ الصبح یوم النحر بالمزدلفۃ

ہوئے مزدلفہ ہی سے رمی کے لئے کنکریاں چن لینی چاہئیں، جو سنگ ریزوں کی طرح ہوں جنہیں دو انگلیوں میں پکڑا جا سکے، یہ کنکریاں پاک ہوں، بہتر ہے کہ ان کو تین بار دھولیا جائے، رمی کے لئے کم از کم انچاس کنکریاں لینی چاہئیں، احتیاطاً زیادہ لے لی جائیں تو پریشانی نہیں ہوتی، منیٰ میں آتے ہی پہلا کام جمرۃ عقبہ پر سات کنکریاں مارنا ہے، رسول اللہ ﷺ یوم النحر کو جب جمرات پر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے صرف جمرۃ العقبہ پر ہی رمی کی، سنن الترمذی کے الفاظ ہیں:

اِنَّهٗ رَكِبَ يَوْمَ النَّحْرِ حَيْثُ ذَهَبَ يَرْمِي الْجِمارَ وَلا يَرْمِيْ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَّا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ (۱)

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ یوم النحر یعنی قربانی کے روز سوار ہوئے وہاں آئے جہاں جمرات کی رمی ہوتی ہے اور آپ ﷺ نے یوم النحر صرف جمرہ العقبہ پر رمی کی''۔

جمرۃ العقبہ منیٰ کی مکہ مکرمہ کی جانب آخری حد ہے، اسے الجمرۃ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

یوم النحر کے بعد دو دن یعنی گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو تینوں جمرات پر سات سات کنکر مارنے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے جمرہ عقبہ کے بعد بطن وادی سے کعبہ مشرفہ کے رخ ہو کر سات کنکر پھینکے تھے اور آپ ہر کنکر پھینکنے پر تکبیر کہتے تھے۔ (۲)

یوم النحر کو چاشت کے وقت یعنی جب سورج کچھ بلندی پر آ جائے تو رمی کرنا چاہئے جبکہ باقی دو دنوں میں زوال کے بعد رمی ہوگی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی رمی الجمار راکبا

marfat.com

(۲) سنن الترمذی ابواب الحج باب کیف ترمی الجمار

رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْجَمْرَۃَ یَوْمَ النَّحْرِ ضُحًی وَرَمٰی بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر جمرہ پر چاشت کے وقت رمی فرمائی اور یوم النحر کے بعد اس وقت جبکہ سورج زوال پذیر ہوا۔

معلوم ہوا کہ دس ذوالحجہ منیٰ آتے ہی جمرہ العقبہ کی رمی کرنا چاہیے اور گیارہ بارہ کو تینوں جمرات کی رمی کی جائے گی، ہر جمرہ پر رمی میں سات کنکریاں استعمال ہوں گی، ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہی جائے گی، یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یوم النحر کی رمی احرام کی حالت میں ہوگی کہ ابھی احرام اتارنے کا وقت نہیں آیا، اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو رمی شام کو بھی کی جا سکتی ہے، یوم النحر رمی الجمرہ العقبہ کا مرحلہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ پر سورۃ البقرہ نازل ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ نے اسی موقعہ پر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو مناسک حج کے حوالے سے راہنمائی فرمائی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَرْمِیْ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ یَوْمَ النَّحْرِ وَیَقُوْلُ: لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِّیْ لَآ اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَآ اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ ھٰذِہٖ. (۲)

ترجمہ: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ یوم النحر اپنی سواری پر سے رمی کر رہے تھے اور فرماتے تھے: تمہیں مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لینا چاہئیں کہ میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد حج نہ کروں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس پہلے حج کو آخری حج کے طور پر انجام دے رہے تھے اس لئے تمام مناسک کی وضاحت بھی کر رہے تھے اور صحابہ کرام

---

(۱) سنن النسائی کتاب ابواب المناسک باب وقت رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر
(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی الجمرۃ العقبہ یوم النحر راکبا

marfat.com

رضی اللہ عنہم کو مکمل احتیاط سے احکام واعمال کو محفوظ کرنے کی ترغیب بھی دے رہے تھے۔

## قربانی

یوم النحر میں جمرۃ عقبہ کی رمی کے بعد قربانی پیش کرنے کا وقت ہے۔قربانی حج کا شکرانہ ہے اور یہ قران اور تمتع کرنے والے پر واجب ہے،قربانی کے لئے بھیڑ بکری گائے بیل اور اونٹ وغیرہ پیش کیا جا سکتا ہے،ان جانوروں کے لئے وہی شرائط ہیں جو عید قربان میں پیش کئے جانے والے جانوروں کے لئے ہیں۔

قربانی منیٰ میں ہی کی جائے گی،اس کے لئے قربان گاہ کی شرط تو نہیں ہے مگر انتظامی معاملات کو خوش اسلوبی سے چلانے اور حفظان صحت کے لئے منحر یعنی قربان گاہ کی پابندی ضروری ہے،شریعت کے نقطہ نظر سے سارا منیٰ ہی منحر ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَارْفَعُوْا عَنْ بَطْنِ عَرَنَةَ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَارْفَعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ اِلَّا مَا وَرَآءَ الْعَقَبَةِ. (۱)

ترجمہ": عرفات کا سارا میدان موقف ہے مگر بطن عرنہ سے اوپر رہو،تمام مزدلفہ موقف ہے مگر بطن محسر سے اوپر رہو (یعنی ان وادیوں کو چھوڑ دو) اور منیٰ کا میدان سارے کا سارا منحر یعنی قربان گاہ ہے سوائے اس حصے کے جو جمرۃ عقبہ کے بعد ہے۔"

بھیڑ بکری کی قربانی ایک کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ گائے اور اونٹ میں سات شریک ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

☆ حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَحَرْنَا الْبَعِيْرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الموقف بعرفات

marfat.com

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز الاشتراک فی الہدی

ترجمہ: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہم نے اونٹ کی سات کی طرف سے اور گائے کی سات کی طرف سے قربانی دی''۔

☆ ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے کی ایک ایک قربانی میں سات سات شریک ہو جائیں (۱) اور یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے بھی گائے کی قربانی دی۔(۲)

☆ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ

نَحَرَ النَّبِیُّ ﷺ بَدَنَاتٍ بِیَدِهٖ قِیَامًا وَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ کَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ. (۳)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کھڑے ہو کر اونٹ نحر کئے اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دو مینڈھے ذبح کئے جو سیاہ اور سفید رنگ کے تھے''۔

معلوم ہوا کہ یہ عید قربان کے موقعہ پر اس قربانی کا ذکر ہے جو حج میں شریک نہ ہونے والوں پر لازم ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ قربان کئے اور جو رہ گئے (کل سو اونٹ تھے) ان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ذبح کر دیں۔(۴)

منیٰ میں تین روز قیام کرنا ہے، چوتھے روز بھی رہنا پڑے تو بھی اجازت ہے، گیارہ اور بارہ کو تینوں جمرات کی رمی ہوگی اور اگر کوئی تیرہ کو بھی منیٰ ہی میں ہے

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز الاشتراک فی الھدی

(۲) حوالہ مذکورہ

(۳) صحیح البخاری کتاب المناسک باب التحمید والتسبیح والتکبیر قبل الاہلال

(۴) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب حجۃ رسول اللہ ﷺ

marfat.com

تو اسے اس روز بھی رمی کرنا ہوگی، قرآن مجید میں پروردگار عالم نے دونوں صورتوں کی اجازت دی ہے، فرمایا:

وَاذْكُرُوا اللهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ ط فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ج وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ط وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْآ اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ٥ (البقرہ: ۲۰۳)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہوان چند گنے ہوئے دنوں میں، جس نے دو دنون میں ہی جلدی کر لی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کر لی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں شرط یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، اور تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ تم اس کے ہاں ہی اکٹھے کئے جاؤ گے۔''

مقصد ذکر الٰہی اور احکام الٰہی کی پاسداری ہے، یہ ذکر دو دنوں میں یعنی گیارہ بارہ ذوالحجہ ہی کو ہو تو بھی کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں تاخیر ہو کر تیرہ تاریخ بھی شامل ہو جائے تب بھی حرج نہیں، مطلوب تو تقویٰ ہے اور یہ شعور ہے کہ ان اعمال کے ساتھ بارگاہ ربانی میں حاضر ہونا ہے۔

قربانی کا گوشت، اس کی کھال اور اس کی رسی وغیرہ سب کو صدقہ کرنا ہے جیسا کہ حضرت کہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ لَحْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَاَجِلَّهَا وَاَنْ لَّآ اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا وَقَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا. (۱)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کے جانور کو نحر کروں اور ان کے گوشت، کھالوں اور ان پر ڈالے گئے کپڑوں کو صدقہ کر دوں اور یہ کہ قصاب کو اس سے کچھ نہ دوں، فرمایا: کہ ہم قصاب کو اپنے پاس سے دیتے تھے''۔

---

marfat.com

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب صدقۃ لحوم الہدایا

البتہ گوشت کے بارے میں روایت ہوا کہ جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر قربانی کی گی تو نبی اکرم ﷺ نے ہر قربانی کے جانور سے کچھ گوشت لانے کے لئے کہا، لایا گیا پکایا گیا اور اس کا گوشت کھایا گیا اور شوربا پیا گیا۔(۱)

اس سے قربانی کے گوشت سے قربانی کرنے والوں اور دوسرے احباب کے کھا لینے کے جواز کی سند ملتی ہے اور یہی امت مسلمہ میں رائج طریقہ ہے۔قربانی خود کی جائے تو حج کے شکرانے کا نہایت بھرپور اور فعال اظہار ہوتا ہے اور اگر کسی وجہ سے خود نہ کر سکے تو کسی اور کو نیابت دی جا سکتی ہے، پھر بھی بہتر یہ ہے کہ جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے وہ سامنے موجود ہو۔

## حلق

قربانی کے بعد حجامت بنانا چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ نے خود اسی طرح عمل کیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْبُدْنِ فَنَحَرَهَا وَالْحَجَّامُ جَالِسٌ وَقَالَ بِيَدِهٖ عَنْ رَاْسِهٖ فَحَلَقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَقَسَمَهُ فِيْمَنْ يَلِيْهِ ثُمَّ قَالَ احْلِقِ الشِّقَّ الْاٰخَرَ فَقَالَ اَيْنَ اَبُوْطَلْحَةَ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ. (۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے جمرۃ العقبہ پر رمی کی، پھر قربانی کے جانوروں کی طرف آئے اور انہیں نحر کیا اور حجام وہاں بیٹھا تھا، ہاتھ سے اپنے سر کی طرف اشارہ فرمایا پس اس نے سر کی دائیں جانب کا حلق کیا تو آپ نے ان بالوں کو اپنے قریب کے لوگوں میں تقسیم کر دیا، پھر فرمایا: دوسری جانب کا بھی حلق کرو، آپ ﷺ نے فرمایا،

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب حجۃ رسول اللہ ﷺ

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان ان السنۃ یوم النحر ان یرمی ثم ینحر ثم یحلق

marfat.com

ابوطلحہ کہاں ہیں اور پھر آپ نے وہ بال ان کو دے دیئے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ دائیں جانب کے تمام بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے اور بائیں جانب کے بھی انہیں ہی دیئے مگر اس ارشاد کے ساتھ کہ ان کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے، ایک روایت میں حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو دینے کا بھی ذکر ہے، ان تمام روایات سے قربانی کے بعد حلق کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوا اور ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی اہمیت اور فضیلت کی خبر بھی ہوئی کہ وہ وجود مکرم ﷺ کس قدر محترم و معظم ہے کہ حجامت کے بعد جو بال اتارے گئے ان کی حیثیت بھی عام بالوں کی سی نہیں، روز کا مشاہدہ ہے کہ حجام کی دوکانوں میں بیسیوں انسانوں کے بال کاٹے جاتے ہیں یا ترشوائے جاتے ہیں مگر یہ کسی گڑھے یا نالی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ سر پر موجود بالوں کی قدر و قیمت نہیں ہوتی تو اترے ہوئے بالوں کی منزلت کیا ہوگی، وہ جو زائد ہو کر جسم چھوڑ گئے، مگر ان کو نسبت رہی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ تو کٹ کر اور الگ ہو کر بھی وہ تبرک بنے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لئے سرمایہ محبت بنے اور عقیدت کے ساتھ عماموں اور ٹوپیوں کے لئے وجہ افتخار ہوئے اور آج تک ان کی مہکار دلوں کو جذب و شوق عطا کر رہی ہے۔ اللہ اللہ کس قدر محترم وجود ہے نبی رحمت ﷺ کا کہ اس وجود کا ایک ایک عضو اور ایک ایک بال لائق احترام ہے۔ اس سے نبی اکرم ﷺ کی منفرد ذات اور یکتا حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی پہلو اور کسی گوشے سے بھی اس وجود گرامی کی کوئی مثل نہیں، اللہ تعالیٰ اس ذات مقدس کے فیضان سے فیض یاب ہونے کی توفیق دے آمین۔

حلق، پورے سر کے تمام بالوں کو کسی تیز دھار آلے سے کاٹ دینا ہے، یہ حج و عمرہ کے مناسک میں سے ہے، ہاں اتنی رعائت ضرور دے دی گئی کہ اگر ترشوا لئے جائیں تو بھی اجازت ہے اگرچہ فضیلت حلق کو ہی حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

marfat.com

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ج لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ (الفتح:۲۷)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ سچ کیا کہ آپ ضرور اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں داخل ہوں گے، امن وسکون سے، اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے یا ترشواتے ہوئے کہ تم خوف میں نہ ہوگے"۔

اس آیت کریمہ سے حلق یعنی بال منڈوانے یا قصر یعنی بال تراشنے کی اجازت ملی، اگرچہ حلق کو تقدیم کی فضیلت حاصل ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق کروایا، اور یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ. (۱)

ترجمہ: "اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یارسول اللہ! اور ترشوانے والوں پر بھی، فرمایا: اے اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرما، عرض کیا یارسول اللہ! قصر کرانے والوں پر بھی تو فرمایا اور قصر کروانے والوں پر"۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے محلقین کے لئے دومرتبہ رحمت کی دعا فرمائی، تیسری مرتبہ قصر کرانے والوں کے لئے دعا فرمائی حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی نشاندہی بھی کر چکے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ محلقین کے لئے دعا تین مرتبہ کی گئی اور چوتھی مرتبہ مقصرین کا ذکر آیا، ان روایات سے حلق کی فضیلت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے، اگرچہ قصر پر بھی پابندی نہیں اور اس کا بھی اجر ہے۔

حلق یا قصر کے بعد احرام اتار دیا جاتا ہے اور معمول کے کپڑے پہن لئے جاتے ہیں، باقی دو دنوں میں رمی بغیر احرام کے ہوتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

marfat.com

## ترتیب مناسک

دس ذوالحجۃ کو حج کرنے والا بہت مصروف دن گزارتا ہے، اُسے فجر کے بعد ہی سے ارکان وفرائض کی ادائیگی کا مرحلہ درپیش ہے، مزلفہ سے واپسی، جمرات میں سے جمرۃ العقبہ پر رمی، قربانی، حلق اور احلال یعنی احرام سے باہر آنا، یہ سب اعمال اسی ترتیب سے ادا ہوتے ہیں مگر انسانی مجبوریاں، ماحول کی دقتیں اور کبھی نادانستگی کی رکاوٹیں، ترتیب کو قائم نہیں رہنے دیتیں، ان انسانی کوتاہیوں میں اسلام کی تعلیمات کا سہولت عطا کرنے کا پہلو معاون بنتا ہے اور نبی رحمت ﷺ کی شفقت دادرسی کرتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ

**قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ زُرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ لَاحَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ قَالَ: لَاحَرَجَ قَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ لَا حَرَجَ (۱)**

ترجمہ: ''ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے رمی سے قبل طواف زیارت کرلیا، فرمایا: کوئی حرج نہیں، کہنے لگا میں نے قربانی ذبح کرنے سے قبل حلق کرلیا، فرمایا: کوئی حرج نہیں، اس نے کہا: میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی، فرمایا: کوئی حرج نہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں کھڑے رہے تاکہ لوگ آپ سے سوال کرسکیں۔

**فَجَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ ثُمَّ جَآءَہٗ اٰخَرُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ فَقَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ، قَالَ فَمَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ**

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الذبح قبل الحلق

marfat.com

عَنْ شیء قُدِّمَ وَلَا اُخِرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ (۱)

ترجمہ: ''پس ایک شخص آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے خبر نہ ہوئی تو میں نے قربانی سے پہلے حلق کرا لیا، فرمایا: اب ذبح کر لو، کوئی حرج نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے خبر نہ رہی اور میں نے رمی سے قبل قربانی کر دی، فرمایا: اب رمی کر لو، کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تقدیم و تاخیر کے حوالے سے کوئی سوال نہ ہوا مگر آپ نے فرمایا اب کر لو کوئی حرج نہیں''۔

کس قدر رحمت ہے رحمت عالمین ﷺ کی اس امت مرحومہ پر اور کس قدر دین کو آسان بنا دیا گیا تاکہ انسانی لغزشیں اور کوتاہیاں بددل نہ کر دیں اور ذوق عبادت میں کمی نہ آ جائے، ایک مومن کو ان کرم فرمائیوں پر سراپا سپاس رہنا چاہئے اور استطاعت کے مطابق تعمیل احکام کی پابندی کرنا چاہئے۔

اسلام کا قانون سہولت کس درجہ مددگار ہے اس کا اندازہ اس سہولت سے لگائیے، قربانی کرنا لازم ہے اور قربانی بہرحال کسی جانور کی ہوگی اور جانور کا حصول سرمائے کے بغیر ممکن نہیں، کتنے لوگ ہوں گے کہ وہ قربانی کا جانور خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے یا یہ کہ وہ ایسے مشکل حالات کا شکار ہیں کہ جانور خریدنا دشوار ہے، ایسے حالات کبھی جانور کی قیمت موجود نہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں تو کبھی جانور کی عدم دستیابی کے باعث ایسا ہوتا ہے، ان حالات میں کیا کیا جائے؟ شریعت نے اس کا حل بتا دیا، ارشاد ہوا:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی

marfat.com

كَامِلَةٌ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: ''پس وہ جو حج کے ساتھ عمرہ کا بھی فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کو جو میسر آئے قربانی دے، اور جو نہ پائے (قربانی کو) تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے اور سات روزے رکھو جب کہ تم واپس لوٹ جاؤ، یہ پورے دس روزے ہوئے، یہ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں، اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

یہ رعائت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر مسجد حرام کے قریب نہیں ہیں یعنی وہ میقات کے باہر سے آئے ہیں اور وہ لوگ جو میقات کے اندر ہیں ان کو یہ سہولت حاصل نہیں کہ عمرہ اور حج دونوں کو اس طرح اکٹھا کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کا اپنا عمل روایت کیا ہے کہ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے تو حکم دیا کہ جن کے پاس ھَدْیٰ یعنی قربانی کا جانور ہے تو وہ عمرہ کے بعد احرام نہ کھولیں بلکہ حج کے بعد احرام سے باہر آئیں اور جن کے پاس ھَدْیٰ نہیں ہے وہ عمرہ مکمل کر کے احرام کھول دیں اور حج پر دوبارہ احرام باندھیں اور ھَدْیٰ پیش کریں، یادرہے کہ ھَدْیٰ تمتع اور قران میں واجب ہے، فرمایا: جن کے پاس نہیں تو وہ ایام حج میں تین اور واپس لوٹ کر سات روزے رکھیں۔(۱)

امام مسلم علیہ الرحمہ نے بھی روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب من ساق البدن معه

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب وجوب الدم علی المتمتع

marfat.com

ترجمہ: "جو ھَدیٰ نہ پائے تو دوران حج تین روزے رکھے اور سات جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جائے"۔

تین روزے جو حج کے دوران ہی رکھنا ہیں وہ کب رکھے جائیں تو ان کے لئے مناسب تریں ایام عشرہ ذوالحجہ میں تین دن ہیں، امام الترمذی علیہ الرحمتہ نے اس سلسلے میں روایت کیا ہے کہ

یَسْتَحِبُّ لِلْمُتَمَتِّعِ اِذَا صَامَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ اَنْ یَّصُوْمَ فِی الْعَشْرِ وَیَکُوْنَ اٰخِرُ ھَا یَوْمُ عَرَفَۃَ(۱)

ترجمہ: "مستحب یہ ہے کہ تمتع والا جب حج کے دنوں میں تین روزے رکھے تو وہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں رکھے اور ان تین کا آخر یوم عرفہ ہو" یعنی سات، آٹھ، نو کے روزے رکھے" نہ رکھ سکے تو واضح رائے یہ ہے کہ دس دنوں ہی میں ایسا کرے کیونکہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے روکا گیا ہے، ہاں ذوالحجہ سے پہلے بھی رکھ سکتا ہے یعنی یکم شوال سے نو ذوالحجہ تک، سات روزے ایام حج کے بعد بھی رکھ سکتا ہے مگر نص قرآنی کا تقاضا یہ ہے کہ گھر لوٹ کر رکھے تاکہ حج کی برکات کا دورانیہ طویل تر ہو جائے۔

## مُحْصَر

محصر وہ شخص ہے جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا مگر وہ حج یا عمرہ ادا نہ کر سکا کہ کسی وجہ سے روک دیا گیا، یہ ایک مجبوری کی حالت ہے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ دین آسانیوں والا ہے اس لیے تقاضاءِ یسر کو ہر معاملے میں ملحوظ رکھا گیا، حج کا احرام باندھنے والا کس قدر باطنی کرب کا شکار ہوگا جب اسے اس سعادت سے محروم کر دیا جائے، ایسے مجبور دردمندوں کے لئے فیصلہ ہوا:

---

(۱) سنن الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی المتمتع

marfat.com

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ وَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ

(البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کے لئے حج اور عمرہ مکمل کرو اور اگر تم گھیرے میں آ جاؤ (کہ نہ جا سکو) تو قربانی کرو جو بھی آسانی سے میسر آ جائے اور جب تک ھدی یعنی قربانی کا جانور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اپنے سروں کو نہ مونڈو جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ فدیہ دے، روزے رکھے، صدقہ دے یا قربانی کر لے''۔

محصور ہو جانا کہ حرم میں پہنچنے کی کوئی صورت نہ رہے تو ایسی صورت میں قربانی کا جانور کسی کے ہاتھ بھیج دینا چاہئے، بہتر ہے کہ لے جانے والے سے قربانی کا وقت مقرر کر لیا جائے تو جب وہ مقررہ وقت گزر جائے تو حلق کرا لینا جائز ہے، اگر جانور موجود نہ ہو تو اس کی قیمت بھجوائی جا سکتی ہے اور اس کے ساتھ بھی ایسی ہی شرط طے کر لینی چاہئے، اس سے پہلے حلق نہیں کرانا چاہئے اور اگر کوئی بیماری یا سر کی کوئی تکلیف مجبور کر دے اور قربانی کے جانور کا قربان گاہ میں پہنچنا مشکل ہو تو وقت مقرر سے قبل بھی حلق کرایا جا سکتا ہے کہ انسانی عوارض کو احکام شریعت میں اہمیت دی گئی ہے اور رعائت برتی گئی ہے مگر اس رعائت سے فائدہ اٹھانے والوں کو فدیہ دینا ہوگا۔ یہ فدیہ کتنا ہے، اس کی وضاحت حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ ان کے سر میں تکلیف تھی اس لئے حلق کی جلد اجازت مانگی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: فِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ اس پر نبی اکرم ﷺ نے وضاحت کر دی کہ:

فَالصَّوْمُ ثَلٰثَةُ اَیَّامٍ وَالصَّدَقَةُ عَلٰی سِتَّةِ مَسَاکِیْنَ لِکُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ وَالنُّسُکُ شَاةٌ (۱)

ترجمہ: ''یعنی تین دن کا روزہ، چھ مساکین پر صدقہ اس طرح کہ ہر مسکین کی خوراک کے لئے نصف صاع اور بکری کی قربانی''۔

☆ احصار کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، سب سے نمایاں احصار یہ ہے کہ دشمن راستہ روک لے اور حج یا عمرہ کے لئے حرم نہ جانے دے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہوا۔ کفار مکہ نے حرم میں داخل نہ ہونے دیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے حدیبیہ کے عمل کا حوالہ دے کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حج سے رکنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَحَالَ کُفَّارُ قُرَیْشٍ دُوْنَ الْبَیْتِ فَنَحَرَ رَسُوْلُ ﷺ هَدْیَهٗ وَحَلَقَ رَاْسَهٗ (۲)

ترجمہ: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے، قریش کے کافر، بیت اللہ کے راستے میں حائل ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ھدی کو نحر کر دیا اور اپنا سر منڈوالیا۔''

☆ کوئی درندہ راستہ روک لے اور جانے کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر بھی احصار کا حکم نافذ ہوگا۔

☆ بیماری اس طرح لاحق ہو جائے کہ حرم تک جانا ممکن نہ رہے تو بھی انسان محصر ہو جاتا ہے جیسا کہ الحجاج بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب فدیۃ المحصر

(۲) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب فیمن احصر

marfat.com

مَنْ كُسِرَ اَوْ عُرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ اُخْرىٰ وَسَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ صَدَقَ وَقَالَ شُعَيْبُ فِيْ حَدِيْثِهٖ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ.(۱)

ترجمہ: ”جس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا وہ لنگڑا ہو گیا اور اس نے احرام کھول دیا تو اس پر دوسرا حج ہے، راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو ان سے ہر ایک نے کہا: سچ ہے، شعیب رضی اللہ عنہ اپنی حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ اس پر آنے والے سال کا حج لازم ہے“ مریض ہونے کی روایت بھی موجود ہے، الحجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے كُسِرَ، عَرِجَ اَوْ مَرِضَ کے کلمات بھی روایت کئے ہیں۔(۲)

☆ اس طرح کئی اور صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً عورت بغیر محرم کے رہ جائے کہ شوہر اچانک مر جائے، یا سفر کے قابل نہ رہے اور عورت کو مجبوراً راستے ہی میں رکنا پڑ جائے۔

☆ یا یہ کہ حج پر آنے والا قید ہو جائے اور سفر کی اجازت نہ رہے۔

☆ یا یہ کہ اچانک سفر خرچ ختم ہو جائے، چوری ہو جائے ڈاکہ پڑ جائے یا گم ہو جائے۔

☆ ان کے علاوہ بھی ہر وہ جائز صورت جو سفر قطع کرنے پر مجبور کر دے۔

☆ ان صورتوں میں قربانی بھیجنا لازم ہے اور یہ بھی کہ اگلے سال حالات سازگار ہوں تو حج یا عمرہ کرنا ہے، رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ پر رک جانے کے بعد سات ہجری کو عمرہ کیا تھا جسے عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔

## حج بدل

اسلامی تعلیمات کا ایک منفرد امتیاز یہ ہے کہ ان میں احکام پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی معقول وجہ یا ناگزیر

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب فیمن احصر

marfat.com

(۲) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الفدیۃ

سبب کی وجہ سے احکام پر عمل نہ کر سکے تو اسے اس عمل خیر سے بالکل الگ نہیں کیا جاتا، یقیناً وہ فعال کردار انجام نہیں دے سکتا کہ مجبوری حائل ہے مگر اسے اطاعت شعاری کی روش سے علیحدہ نہیں ہو جانا چاہئے، اس لئے شریعت مطہرہ نے تخفیف کے ہر عمل میں ذہنی و قلبی رابطوں کو منقطع نہیں ہونے دیا، نماز میں قیام نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر، یہ بھی ممکن نہ ہو تو لیٹ کر حتیٰ کہ اشاروں کے ساتھ، مگر یہ احساس ہر صورت قائم رہنا چاہئے کہ وہ بندہ ہے اور بندگی میں شریک ہے، روزہ نہ رکھ سکے تو قضا، کہ خیالات کے افق پر فرضیت کا پہرہ رہے مگر بالکل رکھ ہی نہ سکے تو فدیہ کے عمل میں اس وابستگی کو قائم رکھے، حج میں بھی یہی تصور برقرار رہے۔ حج فرض ہے، ادا کرنا ضروری ہے لیکن رک جاؤ تو اگلے سال آؤ اور اگر رمی نہیں کر سکتے تو کسی کو اپنا نائب بناؤ کہ اس کے عمل میں اس کا وجود شریک رہے۔ اس کو حج بدل کہتے ہیں، احادیث مبارکہ میں اس کی اجازت بھی دی گئی اور ضرورت کا احساس بھی دلایا گیا، چند روایات یہ ہیں:

☆ قبیلہ بنو خثعم کی ایک عورت حجۃ الوداع کے موقعہ پر حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی:

يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَايَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ (۱)

ترجمہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج کا فریضہ جو بندوں پر ہے میرے باپ پر آ گیا ہے جو بہت بوڑھا ہو گیا ہے، سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میں اس کی جانب سے حج کر لوں؟ فرمایا: ہاں''۔

☆ ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اَبِىْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ فَحُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ (۲)۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب وجوب الحج وفضلہ

marfat.com

(۲) سنن نسائی کتاب مناسک الحج باب وجوب العمرۃ

ترجمہ: ”یارسول اللہ ﷺ! بے شک میرا باپ بہت بوڑھا ہے، وہ حج کی طاقت نہیں رکھتا نہ ہی عمرہ کی اور نہ سواری کی، فرمایا تو اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو“۔

☆ حضرت سنان بن سلمہ الجہنی رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت فرمائیں کہ

اِنَّ اُمَّهَا مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ اَفَیجزی عَنْ اُمِّهَآ اَنْ تَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ لَوْکَانَ عَلٰی اُمِّهَا دَیْنٌ فَقَضَتْهُ اَلَمْ یَکُنْ یَجْزِیْ عَنْهَا فَتَحُجَّ عَنْ اُمِّهَا (۱)

ترجمہ: ”اس کی ماں مرچکی ہے اور اس نے حج نہ کیا تھا، کیا اگر وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کرے تو کفایت کرے گا؟ فرمایا: ہاں، اگر اس کی ماں پر قرض ہوتا تو کیا اس کی طرف سے کفایت نہ کرتا، پس وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کرے“۔

☆ اسی طرح کا ایک سوال ایک عورت نے کیا جس کا باپ مرچکا تھا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے باپ کی طرف سے حج کا حکم دیا، معلوم ہوا، مرنے والا مرد ہو یا عورت اگر ان پر حج تھا اور ادا نہ ہوا تھا تو ان کی طرف سے حج بدل ہو سکتا ہے، اسی طرح اس بوڑھے یا بیمار کی جانب سے حج کیا جا سکتا ہے جو حج کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ حج بدل کون کرسکتا ہے؟ اس کا جواب سنن ابی داؤد میں موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ لَبَّیْکَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِیْ اَوْ قَرِیْبٌ لِیْ قَالَ حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِکَ قَالَ لَا قَالَ حَجَّ عَنْ نَفْسِکَ ثُمَّ حَجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ (۲)

---

(۱) سنن انسائی کتاب مناسک الحج باب الحج عن المیت الذی لم یحج

marfat.com

(۲) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب الرجل یحج عن غیرہ

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا'' اے اللہ! میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں، فرمایا: شبرمہ کون ہے، کہا میرا بھائی یا میرا اقربی، فرمایا: کیا تو نے اپنا حج کرلیا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا: پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا''۔ معلوم ہوا کہ حج بدل وہی کرسکتا ہے جس نے پہلے اپنا حج کیا ہو۔

مختصر یہ کہ حج بدل وہ حج ہے جو کسی مجبوری، عاجزی یا لاچاری کی وجہ سے دوسرے سے کرایا جاتا ہے، اس کی نمایاں شرائط یہ ہیں:

۱۔ حج بدل صرف اس انسان کی طرف سے ہوتا ہے جس پر حج فرض ہو۔

۲۔ وہ شخص جس کی جانب سے حج کیا جارہا ہے وہ فی الواقعہ عاجز، معذور ہو کہ حج کی توفیق نہ پاتا ہو، اگر زندگی میں کبھی یہ معذوری ساقط ہوگئی اور حج کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی تو حج کرنا ہوگا اگرچہ بدل کیا جاچکا ہو۔

۳۔ جس کی طرف سے حج بدل کیا جارہا ہے اس نے اس کا حکم دیا ہو۔

۴۔ حج کے جملہ مصارف وہ ادا کرے جس کی طرف سے حج کیا جارہا ہو۔

۵۔ حج بدل وہی انسان کرسکتا ہے جس کو حکم دیا گیا ہے، کوئی دوسرا نیابت نہیں کرسکتا۔

۶۔ حج بدل وہی کرسکتا ہے جس نے خود حج کرلیا ہو، وگرنہ وہ حج بدل نہ ہوگا اس کا اپنا حج ہوگا۔

مناسک حج پر گفتگو سے پہلے مناسب ہوگا کہ کچھ ضمنی مسائل کا تذکرہ کردیا جائے مثلاً:

## کعبہ کے اندر نماز

نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ آئے تو آپ کعبہ کے اندر بھی گئے، وہاں تسبیح و تہلیل کا عمل جاری رہا، لیکن یہ ثبوت کہ اندر نماز پڑھی گئی بعض اہل علم کے ہاں پختہ ہے مگر بعض کعبہ کے اندر نماز سے گریزاں رہے، اس حوالے سے چند احادیث:

marfat.com

☆ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ يَوْمَ الْفَتحِ فَنَزَلَ بِفِنَآءِ الْكَعْبَةِ وَاَرْسَلَ إِلٰى عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَجَاءَ بِالْمِفْتَحِ فَفَتَحَ الْبَابَ قَالَ ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ وِبَلَالٌ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ وَأمَرَ بِالْبَابِ فَاُغْلِقَ فَلَبِثُوا فِيْهِ مَلِيًّا ثُمَّ فَتَحَ الْبَابَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَبَادَرْتُ النَّاسَ فَتَلَقَّيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَارِجًا وَبَلَالٌ عَلٰى اِثْرِهٖ فَقُلْتُ لِبَلَالٍ هَلْ صَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ اَيْنَ قَالَ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ تِلْقَآءَ وَجْهِهٖ قَالَ وَنَسِيْتُ اَنْ اَسْئَلَهٗ كَمْ صَلّٰى .(۱)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے روز آئے تو کعبہ کے صحن میں اترے، عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا وہ چابی لے کر آئے، پس آپ نے دروازہ کھولا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ، حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کعبہ کے اندر داخل ہوئے، پھر حکم دیا اور دروازہ بند کر دیا گیا، پس سب کچھ دیر اندر رہے پھر دروازہ کھول دیا گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جلدی سے ان کی طرف گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو باہر آتے پایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پیچھے تھے، میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا رسول اللہ ﷺ نے اندر نماز پڑھی ہے، انہوں نے جواب دیا ہاں: میں نے کہا: کہاں: کہا ان دونوں ستونوں کے درمیان بالکل سامنے، کہا میں یہ بھول ہی گیا کہ پوچھ لوں کتنی رکعتیں پڑھیں''۔

سنن النسائی باب موضع الصلوۃ فی الْبَيْتِ میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی مضمون روایت ہوا ہے ان احادیث سے کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنے

marfat.com

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ والصلوٰۃ فیہا۔

کا ثبوت ملتا ہے لیکن بعض دیگر روایات میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔

☆ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا دَخَلَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْهِ کُلِّهَا وَلَمْ یُصَلِّ فِیْهِ حَتّٰی خَرَجَ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ فِیْ قِبَلِ الْبَیْتِ رَکْعَتَیْنِ (۱)

ترجمہ: ”بے شک نبی اکرم ﷺ جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کی تمام جوانب میں دعا مانگی مگر اس میں نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ باہر آ گئے، باہر آئے تو بیت اللہ کے سامنے دو رکعت ادا کیں“۔

☆ یہی حدیث سنن نسائی باب موضع الصلوٰة من الکعبة میں بھی موجود ہے۔

حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کے بیانات میں اختلاف، ان کے تجربات کے اختلاف کے باعث ہوسکتا ہے کہا جاتا ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ قریب تھے اور ان کا مشاہدہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے دونوں دو مختلف مواقع کا تجربہ بیان کر رہے ہوں۔ واللہ اعلم۔

## اساس کعبہ میں تقصیر

کعبۃ اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا اس عمل خیر میں آپ کی معاونت جواں سال حضرت اسماعیل علیہ السلام کر رہے تھے، کعبہ تعمیر ہوا تو آپ نے پوری انسانیت کو پکارا کہ وہ اس گھر کی حاضری کے لئے مشرق و مغرب سے آئیں۔ دعاء قبولیت کا افتخار حاصل کر چکی تھی اس لئے آنے والے ہر دور اور ہر زمانے میں آئے اور کعبۃ اللہ کے طواف سے روحوں کو تازگی بخشتے رہے، گردش زمانہ سے کعبۃ اللہ کے در و دیوار تعمیر و تزئین کے مراحل سے گزرتے رہے، بعثت نبوی سے کچھ عرصہ پیشتر بھی

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب دخول الکعبة للحاج وغیرہ والصلوٰة فیها

marfat.com

تعمیری عمل کا آغاز ہوا تھا قریش مکہ جن کے لئے یہ گھر خوف و افلاس سے حفاظت کا ذریعہ تھا، اس کو تعمیر کرنے لگے، حالات کی ناسازگاری، معاشی مسائل کی گھٹن اور وسائل کی کمی نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ بیت اللہ کو اس کی اصل اساس پر نہ اٹھائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بیت اللہ کے کچھ حصے باہر رہ گئے، اس کا تذکرہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں آیا، امام بخاری علیہ الرحمتہ نے اس حوالے سے متعدد روایات اپنی صحیح میں درج کی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے تذکرہ کیا۔

قَالَ لَهَآ اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ قَوْمَکِ حِیْنَ بَنُوا الْکَعْبَةَ اقْتَصَرُوْا عَنْ قَوَاعِدِ اِبْرَاهِیْمَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَرُدُّهَا عَلٰی قَوَاعِدِ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِکِ بِالْکُفْرِ لَفَعَلْتُ (۱)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کیا تو نہیں جانتی کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیا آپ اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر نہ لوٹا دیں گے، فرمایا: اگر تیری قوم کا کفر سے تعلق تازہ نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَا عَائِشَةُ لَوْلَآ اِنَّ قَوْمَکِ حَدِیْثُوْا عَهْدٍ بِشِرْکٍ لَهَدَمْتُ الْکَعْبَةَ فَاَلْزَقْتُهَا بِالْاَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَیْنِ بَابًا شَرْقِیًّا وَ بَابًا غَرْبِیًّا وَزِدْتُ فِیْهَا سِتَّةَ اَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ فَاِنَّ قُرَیْشًا اقْتَصَرَتْهَا حِیْنَ بَنَتِ الْکَعْبَةَ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب فضل مکہ وبنیانها marfat.com

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبة وبنائها

ترجمہ: ''اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اگر تیری قوم زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ گرا دیتا اور اسے زمین سے ملا دیتا اور اس میں دو دروازے رکھ دیتا ایک شرقی دروازہ اور ایک غربی دروازہ، اور اس میں چھ ہاتھ کا حطیم کی طرف سے اضافہ کر دیتا کیونکہ قریش نے جب کعبہ تعمیر کیا تھا تو اسے کم کر دیا تھا''۔

یہ سوال کہ قریش نے یہ کمی کیوں کی اور یہ کہ باب کعبہ اتنا بلند کیوں کر دیا، اس کا مفصل جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ آپ نے رسول اکرم ﷺ سے اس کمی کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ قَوْمَکِ قَصُرَتْ بِہِمُ النَّفَقَۃُ قُلْتُ فَمَاشَانُ بَابِہٖ مُرْتَفِعًا قَالَ فَعَلَ ذَالِکَ قَوْمُکِ لِیُدْخِلُوا مَنْ شَآءُوْا اَوْ یَمْنَعُوْا مَنْ شَآءُوْا وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمَکِ حَدِیْثُ عَہْدِہِمْ بِالْجَاہِلِیَّۃِ فَاَخَافُ اَنْ تُنْکِرَ قُلُوْبُہُمْ اَنْ اُدْخِلَ الْجُدُرَفِی الْبَیْتِ وَاَنْ اُلْصِقَ بَابَہٗ بِالْاَرْضِ (۱)

ترجمہ: ''بے شک تیری قوم کے ہاں سرمایہ کم ہو گیا، میں نے کہا: کعبہ کے دروازے کی بلندی کی صورت کیا تھی؟ فرمایا: تمہاری قوم نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ جن کو چاہیں اس میں داخل کریں اور جن کو چاہیں روک لیں، اگر تمہاری قوم کا دور جاہلی سے قریبی تعلق نہ ہوتا اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل اس کو ناپسند کریں گے تو میں یہ دیواریں بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اس کے دروازے کو زمین سے لگا دیتا''۔

کعبۃ اللہ کی اساس میں کمی تو معاشی مجبوری کی بنا پر تھی مگر باب الکعبہ کی بلندی اس نخوت کا شاخسانہ تھا جو عربوں کی فطرت بن چکی تھی۔ ایک دروازہ، وہ بھی بہت مرتفع تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک لیں، اس طرح کعبہ پر اقتدار نمایاں رہے۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب فضل مکۃ وبنیانہا

marfat.com

## حج کے فرائض

حج ارکان اسلام میں سے ہے ان پر دین کی اساس ہے، اس لئے ان کی ادائیگی میں احتیاط لازم ہے، فریضہ حج کیسے ادا ہو، اس میں کن چیزوں کی پابندی ضروری ہے اور کن چیزوں سے بچنا لازم ہے اس کا خیال رہنا چاہئے۔ شریعت کی اصطلاح میں ہر عمل کے کچھ اساسی احکام ہوتے ہیں جنہیں فرض کہا جاتا ہے کہ ان کے بغیر وہ عبادات ادا ہی نہیں ہوتیں، کچھ واجبات ہیں کہ جن کی پابندی پر بھر پور توجہ دینی چاہئے کہ اگر کسی واجب کا ترک ہو گیا تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے، جس کے لئے کفارہ دینا پڑتا ہے، کچھ سنن ہیں یہ نبی اکرم ﷺ کے کچھ ایسے ادا کئے ہوئے اعمال کا نام ہے جن کے ترک پر سزا نہیں ہوتی کہ یہ محبت کا قرض ہیں، ان کی ادائیگی سے عبادات میں کاملیت اور ان کی قبولیت میں یقین پیدا ہوتا ہے، مستحب وہ خیر کے اعمال ہیں جو اجر میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں، حج کے لئے عزم سفر رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ ان سب کی پابندی کریں، شریعت مطہرہ کے احکام پر عمل پیرا ہو کر مطیع و فرماں بردار ہونے کا ثبوت دیں، اب لائق توجہ اور قابل اتباع احکام کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے تا کہ عمل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو، حج کے فرائض بڑے شرح وبسط کے ساتھ فقہ اسلامی کی کتب میں موجود ہیں، یہاں صرف ان کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ حج کے فرائض یہ ہیں۔ یاد رہے کہ ان میں سے ایک فرض بھی رہ گیا تو حج نہ ہوگا اس لئے احتیاط لازم ہے۔

۱۔ احرام: یہ حج کے اعمال کی بنیاد ہے، اس کا تفصیلی تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

۲۔ وقوف عرفات: نو ذوالحجہ کو سورج ڈھلنے سے لے کر غروب آفتاب کے کچھ بعد تک عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ یہ وقوف اس دورانیہ میں کسی وقت بھی ہو سکتا ہے اگر چہ

marfat.com

بہت مختصر عرصے کے لئے ہو، یہ حج کا رکن اعظم ہے۔

**۳۔طواف زیارت یا افاضہ**: طواف زیارت کے کم از کم چار چکر چاہئیں کہ ان سے کم سے یہ فرض ادا نہیں ہوتا۔طواف زیارت اور وقوف عرفات حج کی اساس ہیں اس لئے انہیں رکن بھی کہا جاتا ہے، وقوف عرفات کا تو دورانیہ مقرر ہے کہ مخصوص اوقات کے بعد نہیں ہو سکتا البتہ طواف زیارت میں کچھ سہولت ہے کہ تاخیر سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

۴۔نیت: میقات سے ہی مقصد سفر واضح ہو جانا چاہئے، نیت کے بغیر فریضہ حج ادا نہیں ہوتا۔

۵۔ترتیب مناسک: احرام، وقوف عرفات اور طواف زیارت میں ترتیب کا خیال رکھنا۔دیگر مناسک یعنی رمی، سعی، قربانی میں بھی ترتیب ہے مگر ان میں قدرے تفاوت پر اسلام کی رعائت وتخفیف کا مزاج آسانیاں مہیا کر رہا ہے۔

۶۔وقت: مناسک میں وقت کی پابندی بھی لازم ہے مثلاً یہ کہ وقوف عرفات کا وقت اور دورانیہ مقرر ہے، یہ بہر حال نو ذوالحجہ کے زوال سے زیادہ سے زیادہ دس ذوالحجۃ کی صبح صادق سے قبل ادا ہونا چاہئے، اسی طرح طواف زیارت، بہر حال وقوف عرفات کے بعد ہوگا اگر چہ حج کرنے والے کی عمر کی آخری حد تک اس کا وقت ہے۔

۷۔مقام: مناسک اپنی مخصوص جگہوں پر ہی ادا ہوتے ہیں مثلاً وقوف عرفات، عرفات ہی میں ہوگا کسی اور جگہ پر نہیں ہو سکتا، طواف صرف مسجد حرام ہی میں ادا ہوگا کہیں اور نہیں، یہ بھی یاد رہے کہ مسجد اگر وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے تب بھی وہ مسجد حرام ہی قرار پائے گی۔

marfat.com

## حج کے واجبات

واجبات حج کی پاسداری ضروری ہے، اگر واجبات میں سے کوئی ایک رہ گیا تو حج ساقط نہ ہوگا مگر کفارہ میں دم دینا ہوگا، حج کے واجبات کا شمار کچھ یوں ہے:

**۱۔ میقات سے احرام باندھنا:** لازم ہے کہ میقات پر آنے والا یہیں سے احرام باندھے اور کسی صورت ان مقامات سے احرام کے بغیر نہ گزرے، ہاں اگر کوئی شخص میقات سے بھی قبل احرام باندھ لے تو ممانعت نہیں ہے۔

**۲۔ سعی:** صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان چکر لگانا، یہ بھی ضروری ہے کہ سعی کو صفا سے شروع ہوا اگر کسی نے مروہ سے سعی شروع کی تو یہ چکر شمار نہ ہوگا، عذر نہ ہو تو سعی پیدل کرنا واجب ہے، یہ بھی واجب ہے کہ سعی طواف کے بعد ہو یا کم از کم طواف کے چار چکر پہلے لگائے جا چکے ہوں۔

**۳۔ وقوف میں اوقات کا لحاظ:** وقوف کرنے والے پر واجب ہے کہ سورج غروب ہونے تک عرفات ہی میں ٹھہرے اور غروب کا انتظار کرے لیکن رات کو وقوف کرنے والے پر ٹھہرنے کی کوئی حد نہیں ہے، یہ بھی واجب ہے کہ وقوف میں رات کا ایک جزو شامل ہو اگرچہ مختصر ہی ہو، وقوف کے بعد واپسی میں امام کی متابعت کرنا واجب ہے، شرط یہ ہے کہ امام تاخیر نہ کر رہا ہو۔

**۴۔ مزدلفہ میں قیام کرنا واجب ہے:** یہ بھی واجب ہے کہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نمازیں، عشاء کے وقت میں ادا کی جائیں۔

**۵۔ جمرات پر رمی کرنا:** دس ذوالحجہ کو صرف جمرۂ عقبہ پر اور باقی دنوں یعنی گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارنا، یہ بھی واجب ہے کہ حلق سے پہلے دس ذوالحجہ کی رمی ہو، واجب یہ بھی ہے کہ ہر دن کی رمی اسی روز کی جائے۔

marfat.com

۶۔ حلق یا قصر کرنا: حلق یا قصر کا ایام نحر میں ہونا اور حرم کی سرزمین کے اندر ہونا واجب ہے۔

۷۔ قربانی کرنا: یہ اس حاجی پر واجب ہے جو تمتع یا قران کر رہا ہو، واجب ہے کہ قربانی ایام نحر کے اندر ہو اور حرم کی حدود میں ہو۔

۸۔ طواف زیارت کا اکثر حصہ ایام نحر میں ہونا واجب ہے: طواف کا چکر حطیم سے باہر ہو، حطیم حرم کعبہ کے پاس رکن شامی کی طرف ایک نصف دائرہ ہے جو بغیر چھت کے ہے اور ایک قلعہ نما صورت میں ہے، طواف میں حرم بائیں جانب رہنا چاہئے، عذر نہ ہو تو طواف پیدل ہونا چاہئے، واجب ہے کہ طواف پاک اور باوضو حالت میں ہو، جنبی حالت میں یا بے وضو نہ ہو، طواف کے وقت ستر عورت کا ہونا لازم ہے۔

۹۔ طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہے اگرچہ اس کے رہ جانے پر دم واجب نہیں۔

۱۰۔ رمی، قربانی، حلق اور طواف میں ترتیب قائم کرنا واجب ہے۔

۱۱۔ میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے واجب ہے کہ وہ رخصت کا طواف کریں، اسے طواف وداع کہتے ہیں۔

۱۲۔ وقوف عرفات سے حلق یا قصر تک جنسی تعلقات قائم نہ کرنا واجب ہے۔

۱۳۔ احرام میں ممنوعہ اعمال مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا یا منہ یا سر کو چھپانا، سے پرہیز واجب ہے۔

واجب ترک ہو جائے تو کفارہ کے طور پر دم دینا لازم ہے۔ دم یعنی خون بہانا، مراد جانور ذبح کرنا، بھیڑ بکری ہو تو مکمل گائے یا اونٹ ہو تو ساتواں حصہ دینا ضروری ہے۔

marfat.com

# حج کے مناسک میں سنت کی پاسداری

حج کے مناسک میں فرائض اور واجبات کے ساتھ وہ معمولات بھی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے عمل سے روایت ہوئے ہیں، یہ سنن ادائے رسول ﷺ سے عبارت ہیں، اگر چہ ان کو رحمت وشفقت کی خاطر فرض یا واجب قرار نہیں دیا گیا مگر یہ قبولیت کے وسیلے ضرور ہیں کہ یہ محبت رسول ﷺ کے حوالے ہیں، حج اور عمرہ میں حضور اکرم ﷺ کا ہر عمل مؤمن کے لئے زادِ سفر ہے ان چند سنن کا حوالہ دیا جا رہا ہے جن کا فقہاء عموماً ذکر کرتے ہیں۔

**۱۔ طواف کے حوالے سے سنتیں:** طواف قدوم یعنی مکہ مکرمہ میں حاضری کا نقش اول۔ قران اور افراد والوں کے لئے سنت ہے اگر چہ تمتع والوں کے لئے نہیں، طواف کی کوئی حیثیت ہو اسے حجر اسود سے شروع کرنا سنت ہے، طواف قدوم اور طواف فرض میں رمل کرنا یعنی طواف کے پہلے تین چکروں میں شانوں کو ہلاتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے قدموں سے بظاہر کچھ اکڑتے ہوئے تیز تیز چلنا۔

**۲۔ سعی میں رمل:** صفا ومروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے مبلین اخضرین یعنی وہ دوستون جن کا رنگ سبز ہے کے درمیان رمل کرنا۔

**۳۔ خطبات حج:** کعبۃ اللہ میں حج کے لئے تیاری کے وقت سات ذوالحجہ کا خطبہ، میدان عرفات میں مسجد نمرہ میں نو ذوالحجہ کا خطبہ اور حج کے اختتامی لمحات میں گیارہ ذوالحجہ کا خطبہ مسنون ہے، یوم النحر یعنی یوم الحج الاکبر کا خطبہ کا بھی ذکر آیا ہے۔(۱)

**۴۔ منٰی میں نمازیں اور قیام:** مکہ مکرمہ سے آٹھ ذوالحجہ کو منٰی کے لئے ایسے وقت روانہ ہونا کہ وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں اور پھر دس ذوالحجہ کی فجر کی نماز ادا ہو،

---

marfat.com

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الخطبۃ ایام النحر

آٹھ ذوالحجہ کے بعد نو کی رات منٰی میں گزارنا بھی سنت ہے اور طلوع آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہونا بھی مسنون ہے۔

۵۔ وقوف عرفات: وقوف عرفات کے لئے غسل سنت ہے۔

۶ مزدلفہ کا قیام: عرفات سے مزدلفہ آنا اور رات قیام کرنا، اور دس ذوالحجہ کو آفتاب کے طلوع ہونے پر منٰی کی طرف روانہ ہونا، گیارھویں اور بارھویں ذوالحجہ کی دونوں راتیں منٰی میں گزارنا، مگر بارہ کو کسی وجہ سے رک گیا تو تیرھویں رات بھی منٰی میں گزارنا سنت ہے۔

۷۔ وادی ابطح یا مُحصّب میں منٰی سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے کچھ دیر رکنا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محصب میں رکنا سنت خیال کرتے تھے اس لئے رکتے تھے حتی کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بھی رکتے تھے، اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما اس رکنے کو سنت نہ سمجھتی تھیں، فرماتی ہیں: سنت نہیں، یہ رکنا صرف اس لئے ہوا کہ یہاں سے کہ مکہ کی طرف نکلنے کی آسانی تھی، (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے محصب میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی ادا کیں۔ (۲)

## مناسک حج ادا کرنے کا طریقہ

اللہ تعالٰی جسے استطاعت عطا فرمائے کہ وہ سعادت حج وزیارت سے بہرہ مند ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس حاضری کے لئے تیاری کر لے۔ اولین ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس مقدس سفر کا اہل بنائے، گناہوں کا اعتراف کر لے اور پھر

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نزول المحصب یوم النفر

(۲) سنن ابی داود کتاب المناسک باب التحصیب

maftat.com

در توبہ پر دستک دے، آئندہ کے لئے گناہوں سے اجتناب کا عزم کر لے، اعمال صالحہ اور افعال حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا پیمان باندھے، اہل خانہ، رشتہ داروں اور تعلق داروں سے محبت و خلوص کے ساتھ ملے، اگر کوئی سابقہ رنجش یا بدگمانی ہو تو اس کا ازالہ کر لے انا اور خود پرستی کے گنبد سے نکلے اور عاجزی اختیار کر لے، قرض کا بوجھ ہے تو اس کو اتارے تا کہ حقوق آشنائی کی منزل قریب آئے، محبت کی ایسی فضا قائم کر لے کہ سب کی دعائیں لے کر روانہ ہو۔ اپنے اہل و عیال کے لئے اپنی غیر موجودگی کے دوران میں ہر قسم کے تحفظ کا اہتمام کرے، متوقع ضروریات کی کفالت کا انتظام کرے، تا کہ اس کی غیر حاضری میں انہیں کسی محتاجی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حج کے سفر و قیام کے حوالے سے اپنے اخراجات سے قدرے زائد بندوبست کرے، حرمین میں زندگی کی ممکنہ احتیاج کا ازالہ کرے، اپنے ملک اور حکومت حرمین کے قوانین کا احترام کرے، صحت و تندرستی کی برقراری کے لئے مجوزہ ادویات ساتھ لے لے، کسی مستند معالج کا تجویز کردہ نسخہ ساتھ رکھے، موسم کے لحاظ سے ملبوسات کو سامان سفر میں شامل کرے۔

روانگی کے پہلے لمحے ہی سے استغفار، تکبیر، درود پاک اور حمد و نعت کے کلمات زبان کا وظیفہ بن جائیں، یوں لگے جیسے حیات نو کی تلاش میں نکل رہا ہے، دوران سفر دنیاوی گفتگو سے پرہیز کرتا رہے، زیادہ وقت عبادت اور ریاضت میں گزارے، سواری کوئی بھی ہو جب اپنے علاقے کے میقات پر پہنچے تو احرام باندھ لے، میقات سے پہلے ہی باندھ لیا جائے تو اور مناسب ہے جیسے جہاز کی روانگی سے قبل ائرپورٹ پر ہی احرام باندھ لیا جاتا ہے، ہاں اگر پہلے مدینہ منورہ کا ارادہ ہے تو بغیر احرام جائے اور جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے لگے تو ذوالحلیفہ یعنی بئر علی پر احرام باندھے۔

احرام باندھنے سے پہلے غسل کرے، خوشبو لگائے، پھر احرام کی ایک چادر کو

marfat.com

تہبند بنائے اور دوسری چادر کو جسم پر اوڑھ لے، احرام میں آتے ہی انسان عبادت حج

کے مناسک کا مکلف ہو جاتا ہے، اب اس پر زیب و زینت کی خواہش کرنا، اس کا اہتمام کرنا، جنسی تعلقات قائم کرنا یا ایسے داعیہ کا اظہار کرنا، شکار کرنا حتیٰ کہ شکار میں کسی کی مدد کرنا، بال کاٹنا، ناخن کترنا، منہ یا سر کو ڈھانپ لینا، خضاب لگانا غرضیکہ ایسا کوئی کام کرنا جس سے احرام کی حرمت پامال ہوتی ہو، حرام ہو گئے ہیں، خلاف ورزی اگر چہ قصداً نہ بھی ہو، گناہ کی نوعیت کے مطابق لائق سزا ہو گی، یہ اس لئے کہ احرام باندھ کر یہ محسوس کرے کہ وہ ایک وفا شعار اور فرماں بردار غلام ہے، اس احساس عبدیت کے ساتھ دو رکعت ادا کرے، نیت حج یا عمرہ کرے اور تلبیہ کہتا ہوا حرم کی جانب روانہ ہو جائے۔

مکہ مکرمہ کے قریب آتے ہی تلبیہ پکارنے لگے، عجز کا پیکر بن جائے، دنیا سے لاتعلق ہو کر الہ العالمین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لبیک پکارتا ہوا حرم میں داخل ہو، جونہی حرم نظر آنے لگے بے ساختہ اور والہانہ پکار اٹھے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اے اللہ میں حاضر ہوں، پہلی نظر کو آنسوؤں سے تر اور حمد و ثنا کے نغمات سے معطر رکھے، دعا کے لئے کسی کتاب کی حاجت نہیں، یہ تو ایک سہارا ہوتی ہے، اپنے جذبات کو عقیدت کی تپش عطا کرے اور جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو اس کی عظمتوں میں گم ہو جائے۔ ذہن صدیوں کا فاصلہ طے کر کے تعمیر کعبہ کا منظر دیکھے، یہ وہی گھر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے معصوم ہاتھوں نے اٹھایا تھا۔ یہ وہی مرکز انوار ہے جس سے محبتوں کا سلیقہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں موجود ہے، آپ ﷺ نے اپنے جذبوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَاللهِ اِنَّکِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللهِ اِلَیَّ وَاِنَّکِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللهِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ اَھْلَکِ اَخْرَجُوْنِیْ مَاخَرَجْتُ مِنْکِ (۱)

---

(۱) سنن الترمذی ابواب المناقب باب فضل مکہ

marfat.com

ترجمہ: ''اللہ کی قسم بے شک تو میرے لئے اللہ تعالیٰ کی ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک تو میرے لئے اللہ تعالیٰ کی ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے شہریوں نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھ سے کبھی نہ نکلتا''۔

ہاں یہ وہی مرکز نگاہ ہے کہ نظر نہ آنے کے باوجود نظریں اس کی جانب جھکتی ہیں، نمازی جب اپنے معبود کے سامنے حاضر ہو کر یہ کہتا ہے کہ ''منہ طرف قبلہ شریف کے'' تو اسے اس کے وجود کا یقین ہوتا ہے، آج ان نظروں نے مقصود نظر پالیا ہے، یہ نظر نوازی کا لمحہ ہے، یہ آنکھیں بچھانے کا وقت ہے اس لئے سراپا عقیدت، ہمہ تن عاجزی اور مکمل خود سپردگی ہر زائر کی شناخت ہونی چاہئے، وہ پکار رہا ہو کہ

بچھاؤں فرش آنکھوں کا تیرے کعبہ کی گلیوں میں
لٹا دوں نقد جاں اپنا سر بازار بیت اللہ
ہزاروں بار ہو مجھ سے صلوٰۃ ان پر سلام ان پر
اور ان پر جو کہ بیٹا باپ تھے معمار بیت اللہ

نیت عمرہ کی ہو، حج قران کی ہو یا حج تمتع کی تو ابتداء عمرہ کی ادائیگی سے ہی ہوگی، اس میں تاخیر نہ کی جائے، عمرہ میں احرام اور طواف فرض ہیں، جبکہ صفا و مروہ کی سعی اور حلق یا قصر واجب ہیں، عمرہ کے اعمال سے فارغ ہونے پر عمرہ کی نیت کر کے آنے والے، اور حج تمتع کی نیت رکھنے والے احرام کھول دیں گے جبکہ حج قران کی نیت سے آنے والے احرام نہیں کھولیں گے وہ بدستور احرام میں رہیں گے۔

عمرہ کی ادائیگی کے بعد زندگی معمول کے مطابق حرم میں زیادہ قیام رہے، نمازوں کی پابندی رکھے، زیادہ لائق اجر ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ہو، طواف میں زیادہ سے زیادہ مشغولیت رہے، یاد رکھئے کہ طواف نوافل سے زیادہ ثواب کا موجب ہے اس لئے جس قدر ممکن ہو طواف میں مشغول رہنا چاہئے، یہ قیام مکہ مکرمہ کے آداب ہیں،

marfat.com

کوشش چاہیے کہ جتنا عرصہ بھی قیام رہے اسی انداز سے دن گزریں۔

یوم الزینہ یعنی سات ذوالحجہ حج کے لئے تیار ہونے کا دن ہے اس لئے غسل کرلے، خوشبو لگائے، ظہر کی نماز کے بعد امام حرم کا خطبہ نہایت توجہ اور خشوع سے سنے کہ یہ مسنون خطبہ ہے، آٹھ ذوالحجہ یوم الترویہ ہے کہ حج کے اعمال کی ابتداء کا دن ہے، مکمل اہتمام کا دن ہے، اس روز زائرین حرم کو منیٰ جانا ہے، اپنی رہائش سے احرام باندھ لے، قران والے تو پہلے ہی احرام میں ہیں وہ بھی ساتھ شامل ہو جائیں۔ حرم میں دو رکعت ادا کرے اور عجز و انکساری کا پیکر بنے اپنے رب کے حضور دعا کرے۔ پھر حرم سے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے۔ تقریباً پانچ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ پیدل چلے یا سواری پر جائے بہرحال ظہر کے وقت تک منیٰ پہنچ جانا ہے، منیٰ میں ظہر سے اگلے روز کی فجر تک قیام ہوگا، اٹھ ذوالحجہ کی چار نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، اور نو ذوالحجہ کی نماز فجر منیٰ میں پڑھی جائیں گی۔ رات منیٰ میں ہی گزارنی چاہئے۔

نو ذوالحجہ، یوم عرفہ ہے، یہ حج کے ایام میں سب سے نمایاں اور شان والا دن ہے، اس کا وقوف ہی حج کا رکن اعظم ہے، اس روز سورج ڈھلنے پر عرفات حاضر ہونا ہے اور عرفات کے میدان میں خیمہ زن ہونا ہے، نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ یہ ہے کہ منیٰ سے عرفات ضب کے راستے جایا جائے اور عرفات سے واپس منیٰ مأزمان کے راستے آیا جائے، عرفات میں ظہر سے غروب آفتاب کے بعد تک وقوف کرنا ہے مگر نماز مغرب، میدان عرفات میں ادا نہ کی جائے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

☆ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا بَلَغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الشِّعْبَ الْاَیْسَرَ الَّذِیْ دُوْنَ الْمُزْدَلِفَةِ اَنَاخَ فَبَالَ ثُمَّ جَآءَ فَصَبَبْتُ عَلَیْهِ الْوَضُوْءَ فَتَوَضَّا وُضُوْءً خَفِیْفًا فَقُلْتُ الصَّلٰوۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ

marfat.com

اَمَامَکَ فَرَکِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی اَتَی الْمُزْدَلِفَۃَ فَصَلّٰی (۱)

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں عرفات سے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا جب آپ مزدلفہ سے پہلے بائیں گھاٹی پر پہنچے تو آپ نے اونٹنی کو بٹھا دیا، پیشاب کیا پھر آئے تو میں آپ کو وضو کرانے کے لئے پانی ڈالنے لگا، پس آپ نے مختصر سا وضو کرلیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، فرمایا نماز آگے، پھر آپ سوار ہو گئے حتیٰ کہ مزدلفہ آئے اور نماز پڑھی''۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھیں۔(۲)

☆ یہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب و عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھیں، ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں اور ان دونوں کے درمیان کوئی تسبیح بھی نہ کی، یہ بھی روایت ہے کہ ان کے درمیان کوئی نماز بھی نہ پڑھی تھی سنت یا نوافل''۔(۳)

عرفات کا وقوف حاصل حج ہے، یہ دعاؤں اور التجاؤں کا دورانیہ ہے، دعا کھڑے ہو کر مانگی جائے تو زیادہ مناسب ہے بلکہ سب سے بہتر یہ ہے کہ وقوف عرفات کا زیادہ حصہ قیام ہی رہے اور قبلہ رخ ہو کر تمناؤں کی دنیا بسائے رکھے، عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کی جاتی ہیں مگر علماء احناف کے نزدیک ظہر اور عصر کو اپنے وقت پر ہی ادا ہونا چاہیے کہ کسی نماز کو وقت سے پہلے ادا کرنا ایسا ہے جیسے فرضیت کے نافذ ہونے سے پہلے ہی فرض ادا کرلیا، عرفات کا وقوف ہی دراصل حج

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب النزول بین عرفۃ

(۲) حوالہ مذکورہ

(۳) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجمع بین الصلاتین وباب من جمع بینھما ولم یتطوع

marfat.com

ہے، یہ وقوف رہ گیا تو باقی تمام اعمال ومناسک کی ادائیگی کے باوجود حج نہیں ہوتا۔

نو ذوالحجہ کی شام، سورج غروب ہونے کے بعد تکبیر وتہلیل پکارتے ہوئے مزدلفہ لوٹنا ہے اور رات بھر اسی میدان میں قیام کرنا ہے، یہاں مغرب کی نماز کو تاخیر ہو چکی ہے اس لئے مغرب تاخیر سے عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے گی، مزدلفہ میں قیام رات بھر کا ہوگا، کھلے آسمان کے نیچے ساری رات حمد وثنا میں گزارنا ہے کہ یہ رحمتوں کے نزول کے لمحات ہیں، آہ وزاری، گناہوں پر شرمساری، مغفرت کے لئے التجائیں اور وفا شعاری کے لئے عہد وپیمان اس رات کا سرمایہ ہیں، بہتر یہی ہے کہ ساری رات بیداری میں گزاری جائے، نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھی جائے گی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ

اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ لَایُصَلِّی ھٰذِہِ السَّاعَۃَ اِلَّا ھٰذِہِ الصَّلوٰۃَ فِیْ ھٰذَا الْمَکَانِ مِنْ ھٰذَا الْیَوْمِ .(۱)

ترجمہ: ''بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز نہ پڑھتے تھے مگر یہ نماز، اس جگہ اس دن''۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تبصرہ بھی ہے کہ دو نمازیں اپنے وقت سے ہٹ کر ادا ہوتی ہیں، مغرب کی نماز کہ یہ عشاء سے مل گئی اور فجر کی نماز جو اندھیرے ہی میں پڑھی گئی (۲)، معلوم ہوا کہ یہ معمول نہ تھا۔ یہ مخصوص حالات ہیں، دس ذوالحجہ کو نماز فجر ادا کرتے ہی حج کی تکبیریں کہے اور بار بار کہتا رہے۔ تکبیر کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط

دس ذوالحجہ کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہونا ہے، یہ یوم النحر ہے،

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب مَنْ اَذَّنَ وَاَقَامَ لِکُلِّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا

(۲) حوالہ مذکورہ

marfat.com

حجاج کرام کے علاوہ تمام اہل ایمان اس روز عید الاضحیٰ مناتے ہیں، مزدلفہ میں قیام المشعر الحرام کے قریب ہو تو بہتر ہے، قران مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

فَإِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِنۡ عَرَفَاتٍ فَاذۡکُرُوا اللہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ .

(البقرہ: ۱۹۸)

ترجمہ: ''پس جب تم عرفات سے واپس آؤ تو المشعر الحرام کے قریب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔''

المشعر الحرام کے قریب زیادہ ہجوم ہو تو اس پہاڑی کے قرب و جوار میں وقوف کرلیا جائے، لیکن کسی صورت وادی محسر میں وقوف نہ ہو کہ اس سے روکا گیا ہے، مزدلفہ سے ہی رمی کے لئے کنکر چن لئے جائیں، جمرات کے لئے انچاس کنکر درکار ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تیرہ ذوالحجہ کو رکنا پڑا تو اکیس مزید چاہئیں اس لیے احتیاطاً سترسے زاید کنکروں کو لے لینا چاہئے، مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محسر ہے، اس وادی سے تیز گزرنا چاہئے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اصحاب فیل پر پتھر برسے تھے۔ یہ عذاب اس وقت آیا جب والیٔ یمن ابرہہ حرم گرانے کے ارادے سے آیا تھا، قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں اسی واقعہ کا ذکر ہے، منیٰ واپس آتے ہی جمرۃ العقبہ کی جانب جانا ہے اور اس پر رمی کرنا ہے، سات کنکر اس طرح پھینکنے ہیں کہ جمرہ پر جائیں، کوشش کی جائے کہ خود رمی کی جائے، ہاں کوئی مجبوری حائل ہے تو نیابت ممکن ہے۔

رمی جمرۃ العقبہ کے بعد قربانی کے لئے جائیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفا شعاری کی یادگار ہے، ایک قربانی ہر حج کرنے والے پر لازم ہے، زیادہ کی توفیق ہو تو بہتر ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سو اونٹ قربان کئے، تریسٹھ کو خود نحر کیا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نحر کرنے کا فرمایا، حج مفرد ادا کرنے والے پر قربانی نہیں ہے۔ مگر حج تمتع اور حج قران کرنے والوں پر واجب ہے۔ اگر کوئی

marfat.com

حج کرنے والا اس کی توفیق نہ پاتا ہو تو وہ دس روزے رکھے گا، تین ایام حج میں اور باقی سات گھر واپس لوٹ کر رکھے جائیں گے، ایسا ہی قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۹۶ میں ارشاد ہوا ہے۔

قربانی کے بعد حلق کرائیں۔ حلق کی تاکید زیادہ ہے، ہاں اگر نہ کرا سکیں تو قصر کرائیں یعنی بالوں کو کم از کم ایک چوتھائی کم کرائیں، عورتوں کے لیے حلق یا قصر نہیں ہے، صرف ایک لٹ ایک پور کے برابر کاٹ لیں۔ حلق یا قصر کے بعد احرام اتار دیں۔

احرام کی پابندیوں سے بحسن وخوبی فارغ ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ آداب آشنا رہنے کی توفیق ملی، استطاعت و ہمت ہو تو منیٰ سے حرم کے لئے روانہ ہوں، اب لباس عام ہے اور کسی قسم کی پابندی نہیں۔ حرم میں آکر طواف زیارت جسے طواف افاضہ بھی کہتے ہیں ادا کرے، طواف زیارت فرض ہے، اگر کسی وجہ سے رہ جائے تب بھی پوری زندگی یہ فرض عائد رہتا ہے، طواف کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیم پر اس کے قریب ادا کریں، زمزم سے سیراب ہوں اور منیٰ میں واپس آجائیں، کہ ٹھہرنا وہاں ہی ہے، اگر کوئی دس ذوالحجہ کو طواف زیارت نہ کر سکے تو وہ گیارہ یا بارہ ذوالحجہ کی شام تک اس کو ادا کر سکتا ہے، یہ ضرور یاد رہے کہ اگر رہ جائے تو طواف زیارت کا کفارہ طواف زیارت ہی ہے۔ منیٰ میں آکر رات دن تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، دونوں روز یعنی گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو زوال آفتاب کے بعد جمرات پر جائے اور تینوں جمرات پر رمی کرے، جمرہ اولیٰ پر سات کنکر مارے اور دعا مانگے، پھر جمرۃ وسطیٰ پر آئے سات کنکر مارے اور دعا کرے، آخر پر جمرۃ العقبہ پر آئے، سات کنکروں کی رمی کرے، دعا مانگے، بارہ ذوالحجہ کے بعد مکہ مکرمہ جانے کی اجازت ہے، اگر نہ جا سکے اور رات منیٰ میں گزارے تو تیرہ تاریخ کو بھی رمی کرے۔ یہ رمی صرف اس صورت میں ہے کہ بارہ کے بعد منیٰ ہی میں ٹھہرے، اگر بارہ کو حرم واپسی

marfat.com

ہوگئی ہے تو تیرہ کی رمی نہ ہو گی ، اب حج مکمل ہو گیا ، صرف طواف وداع باقی ہے جو واجب ہے ان حجاج پر جو میقات کے باہر سے آئیں ، جو مکہ مکرمہ یا میقات کے اندر سے آئیں ان پر طواف وداع واجب نہیں ہے ، طواف وداع جذباتی مناظر کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ اب رخصت کا وقت ہے ، نمناک آنکھوں ، مچلتے جذبوں اور لرزتی و کپکپاتی آوازوں میں آخری سلام کہا جاتا ہے ، طواف وداع رخصت کے لمحوں میں ہونا چاہئے ، اگر حج کی تکمیل کے بعد مکہ مکرمہ کچھ قیام کا موقعہ نصیب ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھے ، طواف کرے ، حجر اسود کو بوسے دے ، حطیم میں اپنے رب سے گڑگڑا کر التجائیں کرے ، میزاب رحمت پر رحمت کی خیرات مانگے ، قیام کے ان دنوں کو نیکیاں سمیٹنے کا ذریعہ بنائے ، خرید وفروخت میں غیر ضروری انہماک سے سعادت کے لمحوں کو ضائع نہ کرے ، ہو سکے تو مکہ مکرمہ میں ان مقدس مقامات کی زیارت کو جائے جو تاریخ اسلام کے عہد ہمایوں اور دور تقدیس کے امین ہیں ۔

ان مقدس مقامات میں امتیازی شان اس مکان عرش نشان کو حاصل ہے جہاں مقصود کائنات ، محبوب رب العالمین نبی رحمت ﷺ کی ولادت ہوئی ، تاریخی شعور بیدار ہو تو ان ساعتوں کو یاد کرے ، اللہ اکبر وہ کیسا سہانا سماں ہو گا جب سردار مکہ کے مرحوم جوان لخت جگر کے گھر میں ایک عظیم تر ماں کی گود میں ایک در یتیم نے ظہور فرمایا تھا ، وہاں کھڑا ہو اور حضور اکرم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نقوش حیات کو تصور میں لائے ، ان دنوں مولد مقدس پر ایک کتب خانہ ہے ، وہاں موجود کتابوں کے پاس بیٹھ کر سوچے کہ علم کی ساری روشنی ایک امی لقب نبی رحمت ﷺ کی میراث ہے ، ان لمحات کا تصور باندھیے اور ان میں گم ہو جایئے اور وجدان کے نور سے اسی قافلہ رحمت کے آثار دیکھئے ۔

کوشش کیجئے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان دیکھا جائے کہ نازش

marfat.com

آدم و بنی آدم ﷺ نے ایک لمبا عرصہ اس بیت الشرف میں قیام فرمایا تھا، ان دنوں کو یاد کیجئے کہ کیسے ایک باسلیقہ اور باوفا رفیقہ حیات غار حراء میں قیام کے لئے ضروری سامان تیار کرتی تھی، تسلیوں کی وہ داستان یاد کیجئے جو قریش مکہ کے مظالم پر اس عزت مآب خاتون کی زبان سے ادا ہوئے تھے، یہاں صابزادگان والا شان حضرت قاسم و عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بچپن کو یاد کیجئے، یہاں حضرت زینت، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے ایام طفولیت کا تصور باندھئے، اس دار رحمت کے مکینوں پر سلام بھیجئے کہ یہی عافیت و سلامتی کے مرکزی وجود ہیں۔

غار حراء کی زیارت کیجئے، جبل نور کے انوار سمیٹیے، نبی اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کی عبادت گزاری اور مستقبل کی تشکیل کے لمحات کی کیفیات پر اپنی عقیدتوں کو قربان کیجئے، غار ثور کی عظمتوں کو سلام کیجئے جس کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کا حوالہ بنا دیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانثاری اور ولولہ انگیز رفاقت کو یاد کر کے اپنے دلوں کو وفا شعاری کا خوگر بنائیے، جنت المعلیٰ پر حاضری دیجئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایثار و خلوص کو اپنی محبتوں کا خراج پیش کیجئے۔ مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا کی رعنائیوں پر قربان جائیے اور سوچتے رہیے کہ تنعیم سے احرام باندھنے کی سہولت کس کے وسیلے سے حاصل ہوئی، جبل ابوقبیس کی معجزہ نمائی کی داد دیجئے، بنو ہاشم کے محلہ کی رونقوں کو یاد کیجئے، عظمت و رفعت کے ان ستاروں کے سامنے نیاز مندیوں کا ہدیہ پیش کیجئے، مکہ مکرمہ کی دیگر مساجد پر حاضری دیجئے، مسجد جن کی تاریخی عظمت اور نبی رحمت ﷺ کی آفاقیت کو تسلیم و رضا کا نذرانہ پیش کیجئے، مسجد الرایہ سے اس عسکری جدوجہد کا اندازہ کیجئے جو دور ابتلاء میں بھی جاری تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات تلاش کیجئے کہ یہ وہ سابقین ہیں جن کے وسیلہ سے اسلام کی دولت مسلمانان عالم کو نصیب ہوئی۔

marfat.com

ہو سکے تو منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں کو حج سے قبل دیکھ لیجئے تا کہ ان میدانوں کو خیموں اور خیمہ نشینوں کے اژدہام سے قبل جان جائیں، مسجد نمرہ، مسجد خیف، المشعر الحرام اور خاص طور پر جبل رحمت کی زیارت کر لیجئے، اگر پہلے ممکن نہ ہو سکے تو حج کے بعد ہی ان کا نظارہ کر لیجئے، جبل رحمت پر جائیں تو نسل انسانی کے اس اولیں لمحہ کو یاد کیجئے جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام مدت تک فراق کی ٹیسیں برداشت کرنے کے بعد یہاں اکٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ اٹھا کر وہ پہلی دعا مانگ رہے تھے جس نے آنے والی نسلوں کو دعا کی قبولیت کا سلیقہ عطا کیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام پکار اٹھے تھے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (الاعراف:۲۳)

ترجمہ: ”دونوں نے کہا: اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، اگر تو نے ہم دونوں کو نہ بخشا اور رحم نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے“۔

زیادتی کا اعتراف، بخشش کی امید ہی وہ جوہر ہے جو شرف انسانیت کو تحفظ دیتا ہے، جس پر قبولیت کا انعام ملتا ہے۔ اس قبولیت سے حوصلہ پا کر اپنے ہاتھ بھی بارگاہ رحمت میں اٹھا لیجئے اور اسی کا وسیلہ مانگیے جس کے وسیلہ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو طلب مغفرت کا قرینہ عطا کیا تھا۔ جمرات پر جائیں تو چشم تصور میں وہ منظر لایئے جب اطاعت شعاری کے پیکر تسلیم و رضا کا سلیقہ سمجھا رہے تھے اور اپنی اطاعت کے نشان صفحہ دہر پر ثبت کر رہے تھے، سوچئے شیطان کس طرح اپنے مکروہ عزائم کے لئے راستہ روکتا ہے، اولاد کی محبت، اکلوتے کی تڑپ، مامتا کی جلن، خواب کی غیر حتمی حیثیت، اس نے کس کس حوالے سے ورغلانے کی کوشش کی اور پھر یاد کیجئے

marfat.com

کہ ان وفا شعاروں نے کس عزم اور قوت کے ساتھ اس شیطانی حملے کو رد کیا، کس طرح پتھر مار کر دھتکارا اور بھاگنے پر مجبور کیا، اس پر بھی غور کیجئے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کا شعور ایمان اور جذبہ اطاعت کن رفعتوں پر تھا، یہ کہ مامتا کی آڑ میں کئے جانے والے حملے کو مخدومہ ملت اسلامیہ نے کس طرح سنگ زنی کر کے پسپا کیا تھا، یہ منظر بھی نگاہوں میں بسائیے کہ نونہال کا عزم کس درجہ کا تھا جو جوانی کی رعنائیوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور پکار رہا تھا ''یٰاَبَتِ افۡعَلۡ مَاتُؤۡمَرُ'' کہ ابا جان جو حکم ملا ہے اس پر عمل کر گزریئے، سوچئے کہ یہ ممدوح گھرانہ کس طرح عزم و ہمت کی لازوال روایت قائم کر رہا تھا۔

مکہ مکرمہ میں ان یادوں کو روشنی کا مینار بناتے ہوئے اور اپنی زندگی کو ان انوار کی پناہ میں دیتے ہوئے رقت کی ہچکیوں کے ساتھ دیار حرم کو الوداع کیجئے، دوبارہ حاضری کی دعا کے ساتھ واپسی کی تیاری کیجئے، وقت رخصت آنکھوں میں تیرتے ہوئے شبنمی قطروں کو مستقبل کا عنوان بنایئے اور تکبیر کی والہانہ صداؤں کے ساتھ واپس چلئے، یہ مبارک سفر، حیات مستعار کے لئے سعادتوں کا حوالہ بن جائے تو دنیا بھی بخیر ہے اور عاقبت بھی۔

اللہ تعالیٰ حج مبرور کی منزلتوں سے نوازے اور تمام زندگی اس کی سرشاریوں میں بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

## حرم سے واپسی

جب حاجی سعادت حج یا عمرہ کے بعد واپس ہونے لگے تو سنت رسول ﷺ کی اقتداء میں دعا مانگتے ہوئے واپس لوٹے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ

اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا قَفَلَ مِنۡ غَذۡوٍ اَوۡحَجٍّ اَوۡ عُمۡرَۃٍ یُکَبِّرُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ مِنَ الۡاَرۡضِ ثَلٰثَ تَکۡبِیۡرَاتٍ ثُمَّ یَقُوۡلُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ

marfat.com

لَاشَرِیْکَ لَہٗ ،لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ آئِبُوْنَ تَـآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ.(۱)

ترجمہ:"بے شک رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے واپس آتے تو راستہ کے ہر بلند مقام پر تین بار تکبیریں کہتے پھر فرماتے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے، لاشریک ہے، حکومت اس کی ہے اور حمد اس کی ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے، ہم لوٹ رہے ہیں، ہم توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس یکتا نے (دشمن کے) لشکروں کو شکست دی"۔

امام الترمذی علیہ الرحمتہ نے ابواب المناسک باب ماجاء ما یقول عند القفول من الحج و العمرۃ میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے سفر سے جلد واپسی کا ایک عمومی حکم بھی ارشاد فرمایا ہے کہ سفر میں مشکلات ہوتی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ وَنَوْمَہٗ فَاِذَا قَضٰی نَھْمَتَہٗ فَلْیُعَجِّلْ اِلٰی اَھْلِہٖ .(۲)

ترجمہ:"سفر عذاب کا ایک جزو ہے کہ تم سے جو سفر پر ہو وہ اس سے اس کا کھانا، پینا اور نیند روک دیتا ہے پس جب مقصد پورا ہو جائے تو جلد گھر والوں کی طرف لوٹ آئے"۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب ما یقول اذا رجع من الحج والعمرۃ والغزو

marfat.com

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب السفر قطعۃ من العذاب

# خُطبَۃُ حِجَّۃِ الوَدَاع

حج کے فریضے پر گفتگو کے آخر پر مناسب ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ادائیگی حج کے واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کرتے ہوئے اس عظیم تر منشور انسانیت کا حوالہ دے دیا جائے تا کہ لاکھوں کے اجتماع میں دی جانے والی وہ تکمیلی ہدایات سامنے آ جائیں جن پر عمل پیرا ہونے میں انسانیت کی بقا بھی ہے اور شرف و تکریم بھی۔

۸ ہجری کو مکہ مکرمہ فتح ہوا اور شرک و کفر کے تمام مظاہر کو کعبہ اور شہر مکہ سے ختم کر دیا گیا۔ ۹ ہجری کو حج کی فرضیت کا حکم آیا، اسی سال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت میں پہلا حج ادا ہوا، اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ احکام دے کر مدینہ منورہ سے بھیجا گیا جن کا اعلان یوم النحر کو تمام شرکاء حج کے سامنے ہوا، احکام یہ تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ كَافِرٌ وَّلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ (۱)

ترجمہ: ''اے لوگو! بے شک کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر طواف کرے گا''۔

اس سے قریب قریب الفاظ صحیح مسلم کتاب الحج باب لا تحج البیت مشرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہوئے ہیں۔ در حقیقت نو ہجری کو کعبہ کی حرمت بحال کر دی گئی، شرک و کفر کے تمام آثار مٹا دیئے گئے اور دس ہجری کو امت مسلمہ نے نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں حج کی سعادت پائی، یہی حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ نے ایک تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ کے مندرجات اختصار کے ساتھ بھی اور تفصیل سے بھی روایت ہوئے،

---

(۱) سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص: ۲۰۴

marfat.com

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں باب حجتہ النبی ﷺ میں اس کے اقتباسات ملتے ہیں، سنن ابی داؤد میں باب الاشھر الحرم اور باب حجتہ النبی ﷺ میں بھی خطبہ حج کے بعض حصے روایت ہوئے ہیں، جامع الترمذی سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں بھی مختصر تذکرہ ہے جبکہ سنن دار قطنی میں قدرے تفصیل ہے، سیرت ابن ہشام میں اس کے مندرجات کا احاطہ کیا گیا، عرب کے مایہ ناز ادیب الجاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں تقریباً مکمل متن درج کیا ہے، سیرت ابن ہشام کو مرکزی حوالہ بنا کر خطبہ حجتہ الوداع کے ا۔ اسی مباحث درج کیے جا رہے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِی الْقَعْدَةِ. (۱)

ترجمہ: ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ذی القعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ نکل پڑے۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو رحمت عالمین ﷺ نوے ہزار اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، یہ خبر پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل چکی تھی کہ نبی اکرم ﷺ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لا رہے ہیں، اس لئے ہر منزل پر مزید عقیدت منداس نورانی قافلے میں شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوگئی، ۵ ذوالحجہ کو حضور اکرم ﷺ حدود حرم میں داخل ہوئے، نگاہ نبوت حرم پاک کی طرف اٹھی تو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عبادت وبندگی کا وہی سزاوار ہے، فرماں روائی صرف اسی کی ہے، حمد وثنا فقط اسی کو زیبا ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے، ہر چیز پر وہی قادر ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی، مخالف قوتوں

---

(۱) سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب الوقت الذی خرج فیه النبی ﷺ من المدینة للحج

marfat.com

کو شکست دی، پھر دعا فرمائی: اے اللہ! اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت عطا فرما۔(۱)

۹۔ ذوالحجہ یوم عرفہ ہے، اس روز نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کے ساتھ عرفات کے میدان میں تشریف لائے، دائیں بائیں اور پیچھے جم غفیر تھا، سہ پہر یعنی زوال کے بعد آپ قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی پر بیٹھے ہوئے وہ معروف خطبہ ارشاد فرمایا، جسے انسانی تہذیب و تمدن کا کوئی قاری نظر انداز نہیں کر سکتا، افصح العرب ﷺ نے فصاحت و بلاغت کے بے بہا موتی لٹائے، اجمال کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ پیش کر دیا، حیات انسانی کے ہر پہلو پر واضح اشادات اور حتمی احکام صادر فرمائے کہ تمام معاشرتی، معاشی، ذاتی اجتماعی، مادی مسائل پر نہایت بلیغ انداز میں راہنمائی عطا فرما دی، خطبہ کے متن سے چند مشتملات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ فَإِنِّيْ لَآ اَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَآ اَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا بِهٰذَا الْمَوْقِفِ اَبَداً.

''اے لوگو! میری بات غور سے سنو کہ میں نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ میں اس سال کے بعد تمہیں اس مقام پر دوبارہ نہ مل سکوں'' یہ کلمات جو خطبہ کا ابتدائیہ ہیں فرمودات کی اہمیت اور اس کی الوداعی حیثیت کا واضح اظہار کر رہے ہیں، فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا.

''اے لوگو! تم پر تمہارے خون اور مال اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن حرمت والا ہے اور جیسے تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے، اس وقت تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو یعنی ہمیشہ کے لئے''۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب حجۃ رسول اللہ ﷺ

marfat.com

فرمایا: ''تم جلد ہی اپنے رب سے جاملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔''

فرمایا: فَمَنْ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَانَۃٌ فَلْیُؤَدِّھَآ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَہٗ عَلَیْھَا.

''پس جس کے پاس کوئی امانت ہوا سے چاہیئے کہ اسے اس کے مالک کو پہنچادے''۔

فرمایا: اِنَّ کُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ وَلٰکِنْ لَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ قَضَی اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا رِبَاوَ اِنَّ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ مَوْضُوْعٌ کُلُّہٗ.

''بے شک تمام سود ختم کر دیئے گئے ہاں تمہارے لئے تمہارا اصل سرمایہ ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سود نہیں ہوگا، اور بے شک (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سارا سود معاف ہے''۔

فرمایا: وَاِنَّ کُلَّ دَمٍ کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دِمَآئِکُمْ اَضَعُ دَمَ ابْنِ رَبِیْعَۃَ بْنِ الْحٰرِثِ بن عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

''اور بے شک جاہلیت کے دور کے تمام خون معاف کر دیئے گئے اور بے شک تمہارے خونوں میں سے پہلا خون جو میں معاف کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے''۔ یادر ہے کہ ربیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد تھا، جسے بنو ھذیل نے بچپن ہی میں قتل کر دیا تھا۔

فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ ، فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ یَئِسَ اَنْ یُّعْبَدَ بِاَرْضِکُمْ ھٰذِہٖ اَبَدًا وَّلٰکِنَّہٗ اِنْ یُّطَعْ فِیْمَا سِوٰی ذٰلک فَقَدْ رَضِیَ بِہٖ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ عَلٰی دِیْنِکُمْ.

''اے لوگو! بے شک شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ کبھی بھی اس سرزمین پر پوجا جائے مگر یہ کہ اس کے سوا اس کی تابعداری ہوگی، وہ تو ان اعمال پر راضی ہو گیا جسے تم کم

marfat.com

تر جانتے ہو۔ پس اپنے دین کے معاملے میں اس سے بچو" شیطان اب معبود بنا کر پوجا تو کبھی نہ جائے گا مگر اب اس کا بھروسہ اسی پر ہے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے اعمال میں اس کی پیروی کرتے رہیں گے" یہ شیطان کا دوسرا روپ ہے کہ وہ دین میں فتنہ ڈالے، اس لئے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا۔

فرمایا: اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ النَّسِیْٓءَ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَیُحَرِّمُوْا مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ وَاِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُّتَوَالِیَةٌ وَّرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ.

"اے لوگو، یقیناً نسئی (مہینوں کو اپنے دوران سے مؤخر کر دینا) یہ کفر کی سرکشی ہے جس سے بہکائے جاتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک سال کو حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام قرار دے لیتے ہیں تاکہ اس تعداد کو پورا کر سکیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے پس وہ ان کو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا حلال بنا لیتے ہیں اور جن کو حلال کیا حرام ٹھہرا لیتے ہیں اور بلاشبہ زمانہ تو اس طرح گھوم رہا ہے جیسا کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن سے گھوم رہا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینے بارہ ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں، تین تو پے در پے (مراد ذوالعقدہ، ذوالحجہ اور محرم ہے) اور ایک رجب (قبیلہ مضر کے ہاں یہ عظمت والا مہینہ تھا) جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے"۔

فرمایا: اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَآئِکُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَهُوْنَهٗ وَعَلَیْهِنَّ اَنْ لَّا یَاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَکُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

marfat.com

وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا وَاِنَّكُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللهِ

''اے لوگو! بلاشبہ تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور ان کا بھی تم پر حق ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ کسی ایسے فرد کو تمہارے بستر کو روندنے نہ دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور ان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی نہ کر بیٹھیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ ان کو بستروں سے الگ کر دو اور سزا دو جو شدید نہ ہو، پھر اگر وہ ان اعمال سے رک جائیں تو ان کے لئے کھانا اور لباس بھلے طریقے سے دو، اور عورتوں کے لئے ایک دوسرے کو بھلائی کی ہدایت کرو، کیونکہ وہ تمہارے ہاں پابند ہوگئی ہیں، وہ اپنے لئے کچھ نہیں رکھتیں اور بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت کے طور پر لیا ہے اور ان کے ستر اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے ذریعے تم پر حلال ہوئے ہیں''۔

فرمایا: فَاعْقِلُوْا اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِيْ فَاِنِّيْ قَدْ بَلَّغْتُ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَآ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوْآ اَبَدًا بَيِّنًا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.

''اے لوگو! میری بات کو تھام لو، بے شک میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا اور میں تم میں چھوڑ رہا ہوں وہ کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی نہ بہک سکو گے، بڑی واضح بات یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت''۔

فرمایا: اَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ وَاعْقِلُوْهُ تَعْلَمُنَّ اَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا:

marfat.com

نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ.

''اے لوگو! میری بات سنو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، بے شک سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی کوئی چیز لے لے سوائے اس کے کہ وہ خود خوشی سے دے، ہرگز اپنے آپ پر ظلم نہ کرو، اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا، لوگوں نے کہا ہاں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کے حضور) عرض کیا: اے اللہ تو گواہ رہنا''۔

یہ بھی فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَدّٰی اِلٰی کُلِّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ، وَاِنَّہٗ لَا تَجُوْزُ وَصِیَّۃٌ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ الْحَجَرُ، وَمَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ اَوْتَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْہِ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَایَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ صَرْفًا وَّلَاعَدْلًا.

''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو حق دے دیا ہے، یقیناً وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے اور بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور بدکار کے لئے تو پتھر ہیں یعنی ''رجم ہوگا''۔ جو اپنے باپ کے سوا کسی اور کے ساتھ منسوب ہوا یا جس نے اپنے آقا کے سوا کسی اور سے رشتہ جوڑا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی رقم اور نہ کوئی معاوضہ قبول کرے گا''۔

میدان عرفات میں رسول اکرم ﷺ یہ ارشادات فرما رہے تھے تو ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ ان ارشادات کو بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔(۱)

صحیح مسلم میں اختصاراً یہ خطبہ روایت کیا گیا اس میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ.(۲)

---

(۱) سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص ۲۷۵ تا ۲۷۷

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ

marfat.com

"خبردار جاہلیت کے تمام رسوم و دستور و معاملات میرے پاؤں تلے ہیں، ختم کیے جا رہے ہیں"۔

قَدَمِی هٰذِهٖ یعنی میرے اس پاؤں کے نیچے ہیں۔(۱)

صحیح بخاری میں خطبہ یوم النحر کے عنوان کے تحت اسی خطبہ کے چند کلمات درج کیے گئے ہیں اور آخر پر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَآئِبَ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِی كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (۲)

"موجود، غیر موجود تک یہ پہنچا دے، میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو"۔ مسند احمد میں خطبہ کے مندرجات میں ان ارشادات کا اضافہ ہے:

فرمایا: اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ لِاٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ لَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

"اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بلا شبہ تمہارا باپ بھی ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، یاد رکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے حوالے سے"۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا کہ فرمایا "کسی کالے کو کسی سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت ہے، وجہ شرف تو صرف تقویٰ ہے" معاشرتی معلامات میں استحکام کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب مناسک الحج باب حجۃ رسول اللہ ﷺ

(۲) صحیح البخاری کتاب المناسک باب الخطبۃ ایام المنیٰ

marfat.com

اَلْعَمْدُ قَوَدٌ وَشِبْهُ الْعَمْدِ مَاقُتِلَ بِالْعَصَاوَالْحَجَرِ فِيْهِ مِائَةُ بَعِيْرٍ فَمَنْ زَادَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ ۔

''یعنی ارادۃً قتل میں قصاص ہے مگر شبہ العمد یعنی ایسا قتل جو لاٹھی یا پتھر لگنے سے ہو جائے تو اس کی سو اونٹ دیت ہے اور جس نے اس میں اضافہ کیا تو وہ جاہل انسان ہوگا''۔

خطبہ حجۃ الوداع، تہذیب ذات سے تطہیر معاشرہ تک، تعلق باللہ سے معاشرتی روابط تک، معاملات باہمی سے سماجی احکام تک سب کو محیط ہے، بلاشبہ یہ تعمیرانسانیت کا وہ منشور ہے جس پر فلاح و اصلاح کی مستحکم بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ ماضی کی تلخیوں کو بھلا دینا بقائے انسانی کی اساس ہے، سودخوار معاشرہ جس درندگی کا شکار ہوتا ہے اس کو روند ڈالنا انس و یگانگت کا محرک بنتا ہے، عورت جو قبائلی معاشرہ میں ایک جنس فروخت تھی اسے برابر کا رتبہ عطا کر دینا اتنا بڑا اقدام تھا کہ آج فلاحِ نسواں کے ہزار چارٹر بھی اس مقام تک نہیں پہنچے، ایک باپ کی اولاد قرار دے کر جس وحدت کا درس دیا گیا وہ وحدت نسل انسانی کا بنیادی دستور ہے پھر صرف زمینی حوالے کی یکتائی پر کفایت نہ کی گئی بلکہ رب واحد کا اعلان فرما کو موجودات کے ہر مظہر کو محترم بنا دیا، بلاشبہ خطبہ حجۃ الوداع فلاح انسانیت کا عالمی دستور ہے۔

حج اور حج کے حوالے سے گفتگو ختم کرتے ہوئے اس آیہ رحمت کی طرف نیازمندانہ حاضر ہوتے ہیں جہاں سب کے لئے خیر ہی خیر ہے، آیئے مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوں۔

## مدینہ منورہ کی حاضری

انسانی فلاح کا راستہ اطاعت شعاری سے عبارت ہے، وہی کامیاب و کامران ہے جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی اور جو راہ نجات سے بھٹکا رہا خوار و رسوا

marfat.com

ہوا، خوش قسمت وہ ہے جسے درست فکر اور صالح عمل کی توفیق ملی، اگرچہ تسلیم و رضا کی منزل کے طلب گار قدم قدم پر محتاط روش اپناتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کہیں نہ کہیں اعمال و افعال میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے، عقائد پختہ ہوں، عمل کا ولولہ موجود ہو اور ہدایت کی طلب ہر لمحہ پیش نظر ہو تو توفیق الٰہی بھی راہبر ہوتی ہے، انسان چاہتا ہے کہ ایمانیات کے تقاضے پورے ہوں مگر انسان جو مرکب ہے خطا و نسیان کا، اس سے کوتاہ عملی کا صدور ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ اپنے خلاف خود ہی اقدام ہو جائے تو وہ کہاں جائے؟ کس در رحمت پر دستک دے کہ لرزش قدم کو استقامت نصیب ہو جائے، یہ اندیشہ پریشان بھی کرتا ہے اور مستقبل سے مایوس بھی کرتا ہے، رحیم و کریم پروردگار نے ان لمحوں میں انسان کو راہ نجات دکھائی تا کہ اس کا یقین متزلزل نہ ہو جائے، مایوسی، بددلی اور محرومی سے تحفظ کا ایک جاودانی حل بیان ہوا کہ اگر سنور نے کی خواہش موجود ہے اور طلب رحمت کا ذوق فراواں ہے تو آؤ اک بارگاہ موجود ہے جہاں رحمت ہی رحمت ہے، غلطی ہوگئی، گناہ ہو گیا یا ظلم کر لیا تو باب نجات پر حاضری دو اور کرم و بخشش کی پناہ میں آ جاؤ، ارشاد پروردگار ہوا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (النساء:۶۴)

ترجمہ: ”اور اگر وہ لوگ جبکہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کر لیا، آپ کے پاس آ جائیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں اور رسول محترم ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت چاہیں تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے“۔

اس فرمان الٰہی نے ہر گنہگار کو ایک سہارا عطا کیا اور اسے در رسول ﷺ پر حاضری کا ذوق بخشا، انسان سوچتا ہے کہ وہ کون ہوگا جس سے کوتاہی نہ ہوئی ہوگی یا ایسا ہونا ممکن نہ ہوگا؟ اور وہ کون ہوگا جو طالب مغفرت نہ ہوگا؟ توبہ قبول ہونے کا سلیقہ

marfat.com

ملا تو انسان اس راستے پر دیوانہ وار چل پڑے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلامیہ نے ہر دور اور ہر زمانے میں در اقدس پر حاضری کو اپنے لئے لازم سمجھا اور جس کو یہ توفیق ملی کشاں کشاں حاضر ہونے لگا اور یہ سلسلہ ملی تشخص کا ایک حصہ قرار پایا۔

حج کی سعادت پانے والوں کو بھی احساس رہا کہ فرض ادا ہونے سے قبل یا اس کے بعد یہ فریضۂ محبت بھی ادا ہونا چاہئے۔ یہ ضرور قرار پایا کہ در رحمت سے قبولیت کی سند حاصل کی جائے۔ مدینہ منورہ دار ہجرت ہے کہ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کے بعد یثرب کو مسکن بنایا گیا جو یہ سعادت پاتے ہی مدینہ منورہ کہلایا، یہ سرزمین کس قدر محترم ہے اس کا اندازہ ان ارشادات و احادیث سے ہو سکتا ہے جو مختلف کتب حدیث میں روایت ہوئے ہیں، حاضری مدینہ منورہ کی کیفیات کا ذکر کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ ان اشادات کا تذکرہ ہو جائے:

☆ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ وَهِيَ وَبِيْئَةٌ فَاشْتَكٰى اَبُوْبَكْرٍ وَّاشْتَكٰى بِلَالٌ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَكْوٰى اَصْحَابِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَبَّبْتَ مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَحَوِّلْ حُمَّاهَآ اِلَى الْجُحْفَةِ (۱)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ منورہ آئے تو وہ وباؤں والا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ، بیمار ہو گئے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیماری کو دیکھا تو (اللہ کے حضور) عرض کیا: ”اے اللہ ہماری لئے مدینہ منورہ ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ تو نے مکہ مکرمہ کو بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کو صحت و عافیت والا بنا اور ہمارے صاع اور مد میں ہمارے لئے برکتیں عطا فرما دے اور یہاں کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے“۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ

marfat.com

صاع اور مد پیمانے ہیں جو اس دور میں استعمال ہوتے تھے۔

☆ عن عبداللہ بن زید بن عاصم اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَدَعَا لِاَھْلِھَا وَاِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ کَمَا حَرَّمَ اِبْرَاھِیْمُ مَکَّۃَ وَاِنِّیْ دَعَوْتُ فِیْ صَاعِھَا وَمُدِّھَا بِمِثْلَیْ مَادَعَابِہٖ اِبْرَاھِیْمُ لِاَھْلِ مَکَّۃَ. (۱)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور یہاں کے رہنے والوں کے لئے دعا کی تھی تو بے شک میں مدینہ منورہ کو اسی طرح حرم بنا رہا ہوں جیسے اہراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں نے اس کے صاع اور مُد کے لئے دوگنی دعا کی ہے اس طرح جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ والوں کے لئے دعا مانگی تھی''۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُمِرْتُ بِقَرْیَۃٍ تَاْکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبُ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (۲)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا جو دیگر بستوں پر غالب آ جائے گی، لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور یہ تو مدینہ ہے یہ بستی لوگوں کو یوں صاف کر دے گی جیسے بھٹی لوہے کو زنگ سے صاف کر دیتی ہے''۔

☆ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَۃِ مَلآئِکَۃٌ لَایَدْخُلُھَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ (۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کی گھاٹیوں پر فرشتے ہیں، ان سے نہ طاعون اندر آ سکتی ہے اور نہ دجال آ سکتا ہے''۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ
(۲) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ باب
(۳) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ باب لا یدخل الدجال المدینہ

marfat.com

☆ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَمٌ مِّنْ کَذَا اِلٰی کَذَا لَا یُقْطَعُ شَجَرُھَا وَلَا یُحْدَثُ فِیْھَا حَدَثٌ مَنْ اَحْدَثَ فِیْھَا حَدَثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔(۱)

ترجمہ:" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہا آپ نے فرمایا: مدینہ حرم ہے اس جگہ سے اس جگہ تک، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں گناہ کیا جائے اور جس نے کوئی گناہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے"۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حرم کی حدود کے حوالے سے فرمایا: مَابَیْنَ لَابَتَیْھَا یعنی دو سیاہ پتھروں والے پہاڑوں کے درمیان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مَابَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ یعنی جوعیر اور ثور پہاڑ کے درمیان ہے۔ یہ حد بندی نبی اکرم ﷺ نے فرمادی کہ ان کے درمیان حرم ہے اور اسی طرح حرمت کے لائق ہے جیسے حرم مکہ۔(۲)

☆ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، لَا یَصْبِرُ اَحَدٌ عَلٰی لَاْوَائِھَا فَیَمُوْتُ اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَھِیْدًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِذَا کَانَ مُسْلِمًا (۳)

ترجمہ" کوئی شخص مدینہ منورہ کے مصائب پر صبر کرے اور وہ مرجائے تو میں قیامت کے روز اس کا شفیع یا شہید ہوں گا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو"۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ باب حرم المدینہ
(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ
(۳) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ

marfat.com

☆ حضرت ابوھریرہ: سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِی رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ (۱)

ترجمہ: ’’میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض یعنی حوض کوثر پر ہے‘‘۔

☆ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ طَلَعَ لَہٗ اُحُدٌ فَقَالَ ھٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَابَیْنَ لَابَتَیْھَا (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سامنے احد پہاڑ نظر آیا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں، اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور میں ان دو پہاڑیوں کے درمیان کو حرم بنا رہا ہوں‘‘۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَشْھَدُ لِمَنْ مَاتَ بِھَا (۳)

ترجمہ: ’’تم سے جو مدینہ منورہ مر سکے تو ایسا کرے کیونکہ بے شک میں گواہی دوں گا جو یہاں مر جائے گا‘‘۔

سنن الترمذی میں فَلْیَفْعَلْ کے بجائے فَلْیَمُتْ یعنی اسے چاہیے کہ مرے کے الفاظ ہیں اسی طرح اشھد کے بجائے اشفع یعنی میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (۴)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ
(۲) سنن الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل المدینہ
(۳) سنن ابن ماجہ باب فضل المدینہ
(۴) سنن الترمذی ابوب المناقب باب ماجاء فی فضل المدینہ

marfat.com

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ. (۱)

ترجمہ: ''اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت عطا فرما۔''

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا روایت کرتے ہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَاجَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ. (۲)

ترجمہ: ''اے اللہ! مدینہ منورہ میں ان برکتوں سے جو تو نے مکہ مکرمہ میں عطا فرمائیں دوگنی برکتیں عطا فرما دے''۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان پہنچا کہ

صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۳)

ترجمہ: '' میری اس مسجد یعنی مسجد نبوی کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا باقی تمام مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے''۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَشُدُّ الرِّحَالَ اِلَّآ اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (۴)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ

(۲) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ

(۳) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی

(۴) سنن ابی داؤد کتاب المناسک فی اتیان المدینہ

marfat.com

ترجمہ: ''سواریاں نہ کسو مگر صرف تین مساجد کے لئے، مسجد حرام، میری یہ مسجد یعنی مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ''۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَأرِزُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کَمَا تَأرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا.(۱)

ترجمہ: ''بے شک ایمان مدینہ کی طرف یوں پلٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف پلٹتا ہے''۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ۔

کَانَ یَأتِیْ قُبَآءَ کُلَّ سَبْتٍ کَانَ یَأتِیْہِ رَاکِبًا وَمَاشِیًا(۲)

ترجمہ: ''آپ ہر ہفتہ کو قباء آتے تھے، آپ ﷺ کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل آتے تھے''۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ۔

اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰی جُدُرَاتِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَہٗ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دَآبَّۃٍ حَرَّکَھَا مِنْ حُبِّھَا.(۳)

ترجمہ: ''آپ جب کسی سفر سے آتے اور مدینہ منورہ کی دیواریں دیکھ لیتے تو سواری کو تیز کر دیتے اور اگر کسی جانور پر سوار ہوتے تو اسے حرکت دیتے مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے''۔

مدینہ منورہ مسکن رسول اللہ ﷺ قرار پایا تو وہ بستی جس میں سکونت پسند نہ کی جاتی تھی کہ جہاں وبائی امراض کا ڈیرہ تھا، جس آبادی کو تاریخ عرب میں کوئی برتر

---

(۱) سنن ابن ماجہ باب فضل المدینہ
(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل مسجد قباء
(۳) صحیح البخاری کتاب فضائل المدینہ

marfat.com

مقام حاصل نہ تھا، قدوم میمنت لزوم سے طابہ کہلائی، یثرب سے مدینہ منورہ بنی اور پوری دنیا کی توجہ کا مرکز ٹھہری، ایسا کیونکر ہوا؟ صرف اس لئے کہ قاسم رحمت ﷺ کے مبارک قدم اس سرزمین کو رشک آسمان بنا گئے، مکہ مکرمہ کو بھی شرفِ بے مثال انہیں قدمین سے حاصل ہوا تھا کہ خود پروردگار عالم نے اپنے ابدی کلام میں اسی نسبت کا حوالہ دیا فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ. (البلد ۱،۲)

ترجمہ: ''میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس حال میں کہ آپ اس شہر میں رہ رہے ہیں''۔

واضح کر دیا گیا کہ شہر مکہ مکرمہ عظمت وجلال والا ہے اس لئے اس شہر کی قسم کھائی جارہی ہے مگر یہ عظمت وجلال اس لئے ہے کہ آپ اس شہر میں رہ رہے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا قیام اور سکونت شہر کو معزز ومحترم بناتی ہے اور یہ شرف مدینہ منورہ کو بھی حاصل ہوا۔اس کا خود نبی اکرم ﷺ نے بار بار ذکر فرمایا، ذکر ہوا کہ صحابہ کرام خصوصاً حضرت صدیق اکبر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو جب وبائی اثرات لاحق ہوئے تو کس قدر عزم ویقین کے ساتھ فرمایا کہ مدینہ منورہ کو محبوب شہر بنا دے اور اظہار عظمت ومحبت کے لئے مکہ مکرمہ سے تقابل بھی ہوا کہ اس جیسا بلکہ اس سے بڑھ کر محبوب بنا اور یوں برکتیں نازل فرما کہ جنس خرید وفروخت ہی بکثرت نہ ہوں بلکہ وزن اور پیمانے بھی برکتوں والے بن جائیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے انہوں نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا، میں مدینہ منورہ کو حرم بنا رہا ہوں اس لئے اس میں دعائے ابراہیمی علیہ السلام کی سی برکات نازل فرمادے، یثرب کے نام میں ایک منفی تاثر تھا اسے بھی زائل کر دیا اور مدینہ منورہ کا محبوب نام عطا کر کے اسے منبع فیض ونجات بنا دیا عظمت کا یہ حوالہ بھی دیا گیا کہ دجال جو

marfat.com

زمین کے کونے کونے میں اپنا دجل پھیلاتا پھرے گا اور جس کے سامنے کوئی طاقت رکاوٹ نہ بن سکے گی وہ اپنی قوت وطاقت کے باوجود مدینہ منورہ کی پاکیزہ اور محفوظ زمین پر قدم نہ رکھ سکے گا کہ ہر موڑ اور ہر گھاٹی پر دو دو فرشتے اس کی حفاظت فرما رہے ہیں۔اس عروس البلاد کے مقام کا اندازہ کیجئے کہ اس کی حفاظت ملائکہ کر رہے ہیں اور اس پناہ گاہ کی صیانت الٰہی فرامین کے ذریعے کی جارہی ہے، اس لئے یہاں کے انسان ہی نہیں شجر وحجر بھی حصار عافیت میں ہیں، ہاں اگر کوئی بد باطن اس کی پاکیزگی وطہارت کو پامال کرنا چاہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے کہ وہ در رحمت سے محروم کر دیا گیا ہے، دو پہاڑوں میں گھری ہوئی یہ بستی ہمہ تر پناہ میں ہے۔

ہو سکتا ہے کسی زائر مدینہ کو وقتی گھٹن یا لمحاتی الجھن سے واسطہ پڑ جائے تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ یہ ایک امتحان ہے جو اس سرزمین کے تقدس کو ثابت اور واضح کرنے کے بلئے لیا جارہا ہے اس لئے مشکل پر دل کشار ہے، ایسے باہمت افراد کو خوشخبری دی گئی کہ ان عارضی مشکلات کو کسی نسبت کی سربلندی کے لئے قبول کرلو کہ کل عرصہ امتحان کی مشکلات میں وہی نسبت کشائشوں کا وسیلہ بنے گی، مدینہ منورہ کا ہر ذرہ محترم ہے مگر وہ جو منبر ومسکن کے درمیان ہے وہ تو جنت کا ٹکڑا ہے فانی بدایونی نے کہا تھا؎

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ
کوچہ یار میں چل دیکھ لے جنت میری

احد ایک پہاڑ ہے اتنا سرسبز وشاداب بھی نہیں مگر اس کے اندر محبت کا چشمہ موجزن ہے اس لئے یہ پتھروں کا ڈھیر ہو کر بھی رسم محبت سے آشنا ہے، اس آشنائی نے اسے بھی محبوب بنا دیا ہے، کاش انسان کا پتھر دل احد پہاڑ کا سا شعور پا سکے۔ عظمت حرم کا ایک اور حوالہ یہ ہے کہ فرمایا، مرنا چاہتے ہو تو مدینہ منورہ میں مدفن کی تلاش کرو کہ یہاں موت، شفاعت کے حصار میں ہے، خوش بخت ہے وہ زائر حرم جسے

marfat.com

دعاؤں کی قبولیت کا منظر دیکھنا بھی نصیب ہو جاتا ہے، اسی لئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعاؤں میں بلادِ رسول ﷺ میں موت کی تمنا بھی شامل تھی، یہ بڑی باخبر عقیدت تھی کہ انہیں اس کے اثرات وثمرات کا یقین تھا، مدینہ منورہ کیا ہے؟

- حرم نبوی ہے کہ حبیب پاک ﷺ کی مقبول دعاؤں نے اسے حرم بنایا ہے۔
- یہ عافیت گاہ ہے کہ دست رسول ﷺ نے اس کی ممکنہ وباؤں کو شہر بدر کر دیا ہے۔
- یہ حرم مکہ کی طرح محفوظ ہے اس کے وزن و پیمانے میں برکت کے لئے رحمت عالمین ﷺ نے دعائیں مانگی ہیں۔
- یہ وہ کٹھالی ہے جہاں زنگ دور ہوتے ہیں اور وجود نکھرتے ہیں۔
- یہ فرشتوں کے حصار میں ہے اس لئے اس میں نہ وبا آتی ہے اور نہ دجال کا مکرودجل داخل ہوتا ہے۔
- یہاں کا صبر، شفاعت کی نوید پاتا ہے۔
- یہاں جنت کی ایک کیاری ہے جو یوم حساب سے قبل ہی گنہگاروں کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہے۔
- یہاں کا پہاڑ پتھروں کا ڈھیر نہیں، تڑپتا دل رکھتا ہے کہ اس میں محبت جلوے دکھاتی ہے۔
- یہاں مرنا سعادت اور خوش بختی ہے کہ شفاعت کا دامن کشا ہے۔
- یہاں موت کی دعا بھی محبوب ہے کہ اس میں برکت بھی ہے اور نجات کی نوید بھی۔
- یہاں کی مسجد نبوی میں ایک نماز ہزار نماز کا رتبہ پاتی ہے اس لئے وہاں جانے کا عزم مبارک ہے۔
- یہ ایمان کا مسکن ہے، کہیں ایمان کی جلوہ گری نہ بھی رہے اسے ہر حال میں

marfat.com

ایمان گھر ہی رہتا ہے۔

- اس کی مسجد قبا تقویٰ پر استوار ہوئی، خود نبی رحمت ﷺ ہر ہفتہ اس مسجد میں آتے رہے اور یہ نوید بھی عطا فرمائی کہ وضو کر کے گھر سے نکلو، مسجد قبا میں آؤ، دو رکعت ادا کرو تو اجر عمرے کا حاصل کرو، اسی لئے جب نبی رحمت ﷺ کسی سفر یا غزوہ سے واپس آتے تو مدینہ منورہ کے در و دیوار دیکھتے ہی محبت کے خروش کے ساتھ سواری تیز کر دیتے۔
- اس کی حرمت کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ یہاں سے جانے والو، نہ جاؤ کہ مدینہ منورہ تمہارے لئے بہتر مسکن ہے۔(۱)

مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے طابہ قرار دیا ہے، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ سَمّٰی الْمَدِیْنَۃَ طَابَۃَ. (۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا ہے۔

مدینہ منورہ میں کسی صورت بھی ایسا عمل یا ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے جس سے اس کا تقدس پامال ہو یا اس کی حرمت پر کوئی حرف آئے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ مَنْ اَرَادَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اَذَابَہُ اللّٰہُ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ الْمَاءُ (۳)

ترجمہ: ''جس نے مدینہ منورہ میں رہنے والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ اسے یوں نابود کر دے گا جیسے پانی نمک کو گھول دیتا ہے''۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب المناسک باب من رغب عن المدینہ

(۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب المدینہ تنفی خبثہا و تسمی طابہ وطیبہ

(۳) صحیح مسلم کتاب باب تحریم ارادۃ اہل المدینہ بسوء

marfat.com

مدینہ منورہ کا یہی احترام ان تمام ائمہ دین، مفسرین ومحدثین کے پیش نظر رہا جو حاضری کی سعادت پاتے رہے، عقیدت ومحبت کے بعض مناظر تو ایمانی حرارت کے ایسے مظاہر ہیں جن پر دنیائے عشق ومحبت کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ امام فقہ بھی ہیں اور امام دارالہجرۃ بھی، روایت ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں کسی سواری پر سوار نہ ہوتے۔ ضعیف العمری کے باوجود آپ کا یہ احساس حرمت پوری قوت کے ساتھ بیدار رہا، لوگ پوچھتے کہ سواری کیوں نہیں لیتے تو راز دار محبت کا جواب یہ تھا:

لَا اَرْکَبُ فِیْ الْمَدِیْنَۃِ فِیْھَا جُثَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَدْفُوْنَۃٌ (۱)

ترجمہ: ''میں مدینہ منورہ میں سواری نہ کروں گا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا جسد انور دفن ہے''۔

حج سے فارغ ہو کر یا حج کی ادئیگی سے قبل یا کسی اور مناسبت سے جب بھی کوئی زائر مدینہ منورہ میں حاضر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ محبتوں کا نذرانہ پورے احترام وعقیدت اور مکمل وارفتگی وشیفتگی کے ساتھ روضہ اقدس پر حاضری میں پیش کرے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں رحمت عالمین ﷺ تشریف فرما ہیں، یہی وہ مقام جلی ہے جہاں دن رات فرشتے اترتے ہیں، یہ قدسیوں کی زیارت گاہ ہے، آیئے اور سراپا سپاس بن کر آیئے، بڑھیئے اور ارشادات نبوی ﷺ کی مکمل مطابقت کرتے ہوئے بچشم گریاں بڑھیئے، قدم قدم پر عقیدت فروزاں ہوتی جائے اور لمحہ لمحہ احترام کی پاسداری بڑھتی جائے، آیئے مواجہ شریف پر حاضری دیجئے، صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کیجئے، نظر جھکی رہے، سرخم رہے، دل سجدے کرتا جائے اور زبان درودوں کے نغمات سے عطر بیز رہے، یاد رکھیے آپ وہاں کھڑے ہیں جہاں بڑے بڑوں کے سر جھکتے ہیں، جہاں جب عقیدت مند حاضر ہوتا ہے تو اس بانصیب اعرابی کی طرح پکار اٹھتا ہے۔

---

(۱) اتحاف النبلاء، نواب صدیق حسن خان

marfat.com

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ: ”اے وہ وجود مکرم ﷺ جن کا جسد انور اس مٹی میں دفن ہے، ان کے اعضاء جسد کی مہک سے پہاڑ اور وادیاں مہک اٹھے ہیں، میری جان اس قبر انور پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں، اسی قبر میں ہی عفت ہے سخاوت اور کرم ہے“۔

روضہ انور پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد رفیق نبوت ثانی اثنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے سامنے جائیے اور یار غار کی وفاؤں اور جان نثاریوں کو سلام پیش کیجئے، پھر خلیفہ ثانی فارق حق و باطل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور اپنی عقیدتوں کے نذرانے پیش کیجئے، ریاض جنت میں جس قدر محبت و شوق ہو نوافل پڑھیے، ستون عائشہ رضی اللہ عنہا کو باہتمام سجدہ گاہ بنائیے، ستون توبہ پر رقت والحاح سے نامہ اعمال کی سیاہیاں مٹائیے، محراب نبوی ﷺ پر سجدوں کی معراج حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، اصحاب صفہ کے مبارک چبوترہ پر للّٰہیت کی مشق کیجئے اور ان باتوفیق طلبۂ علم نبوت کو خراج محبت پیش کیجئے، جنت البقیع جائیے اور کواکب ہدایت کے ہر نشان پر جبین عقیدت جھکائیے اور ان کی عظمتوں کو سلام پیش کیجئے، شہدائے احد کے مزارات کی زیارت کیجئے، اور ان سرفروشان اسلام کی محبت و استقامت کو داد دیجئے، نبی اکرم ﷺ ان قبور پر خود تشریف لاتے تھے، آنے جانے کے ان نکہت بار راستوں میں کھو جائیے اور اس عنبریں وادی کو عقیدت و محبت کی صداؤں اور توحیدی نغموں سے مہکا دیجئے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی انوکھی اور بے مثل جرأت، جاں سپاری اور شہادت کو حرز جاں بنائیے کہ بقائے دوام کا سلیقہ انہی مراکز سے حاصل ہوتا ہے، مدینہ منورہ میں قیام کے لمحے لمحے کو غنیمت جانئے، زیادہ وقت مسجد نبوی میں گنبد اخضر کے سایوں میں گزار دیے،

marfat.com

سوچیے کہ کیا اس گنبد کے مکین ذی شان سے بڑھ بھی کسی مقدس سے مقدس مقام کو کوئی مکین ملا ہے، یہ اعزاز اسی سبز گنبد کو حاصل ہے، ان سبز روشنیوں سے نگاہیں نہیں دل بھی منور کیجئے، ہر لمحہ صلوٰۃ وسلام کا وظیفہ جاری رکھئے، بار بار حاضری دیجئے، مواجہہ شریف کو ہر نماز کے بعد یا کم از کم دن میں ایک مرتبہ سرمہ چشم بنایئے، نہایت ادب کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی پاسداری کے ساتھ ہدیہ سلام پیش کیجئے۔ حرمین شریفین کی حاضری کو اپنی معراج گردانیے کہ ایک مومن صادق کی زندگی، معراج کے سفر پر ہوتی ہے جب وہ حرمین شریفین پر حاضری دے رہا ہوتا ہے، عرش آشیاں قدم، نظروں کے سامنے ہیں، رفعت چرخ بھی اس منزلت پر حیرت کناں ہے، خوش بختی کے یہ لمحات مکمل خود سپردگی چاہتے ہیں، یہاں زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں صرف درود پاک زبانوں کی لرزش کا مداوا ہے۔ یہ حاضری تلافی مافات بھی ہے اور حاصل زیست بھی، عشاق کے قافلے اس راہگور سے گزرتے ہیں، یہ در رحمت ہے، مغفرت طلبی کا وسیلہ ہے، آیئے، دامن تر آیئے اور بھرے ہوئے دامنوں کے ساتھ لوٹیے بارگاہ کرم، ہر لمحہ مائل بہ کرم ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی علیہ الرحمتہ جیسے محدث کبیر کی یہی نصیحت ہے کہ

وَاِنْ قَنَطَتْ مِنَ الْعِصْيَانِ نَفْسٌ     فَبَابُ مُحَمَّدٍ بَابُ الرَّجَاءِ

یعنی اگر نفس کثرت گناہ کی وجہ سے مایوس ہو چکا ہے تو اس کو یقین دلاؤ کہ نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کا در اقدس امیدوں کا دروازہ ہے۔

حجاج کرام، کعبہ مشرفہ اور زیارت روضہ اقدس سے سعادتیں سمیٹتے ہوئے واپس لوٹتے ہیں، خوش بخت ہیں وہ جو ابدی سعادتوں سے مالا مال ہو کر آتے ہیں اور باقی زندگی اس سرمست کیفیت میں گزار دیتے ہیں، اگر یہ سفرِ خیر حاصل حیات ہو جائے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ، حبیب مکرم ﷺ کے صدقے نور ایمان و یقین کی دولت نصیب فرمائے اور ارکان اسلام کی بجا آوری کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا     عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

marfat.com

## مکتبہ جمال کرم کی چند یادگار تصانیف

marfat.com

مکتبہ جمال کرم 9۔ مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ جمال کرم کی چند یادگار تصانیف

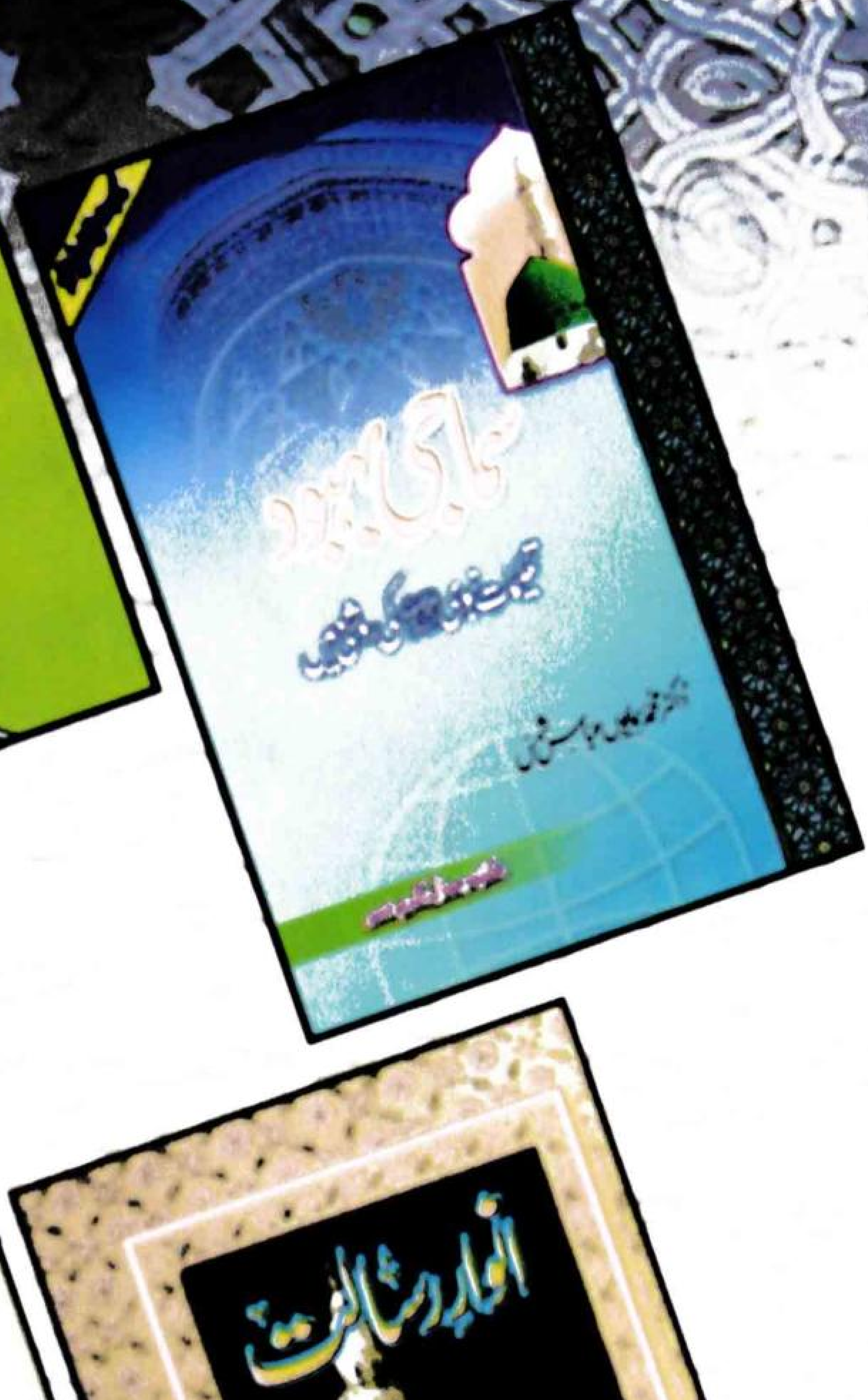

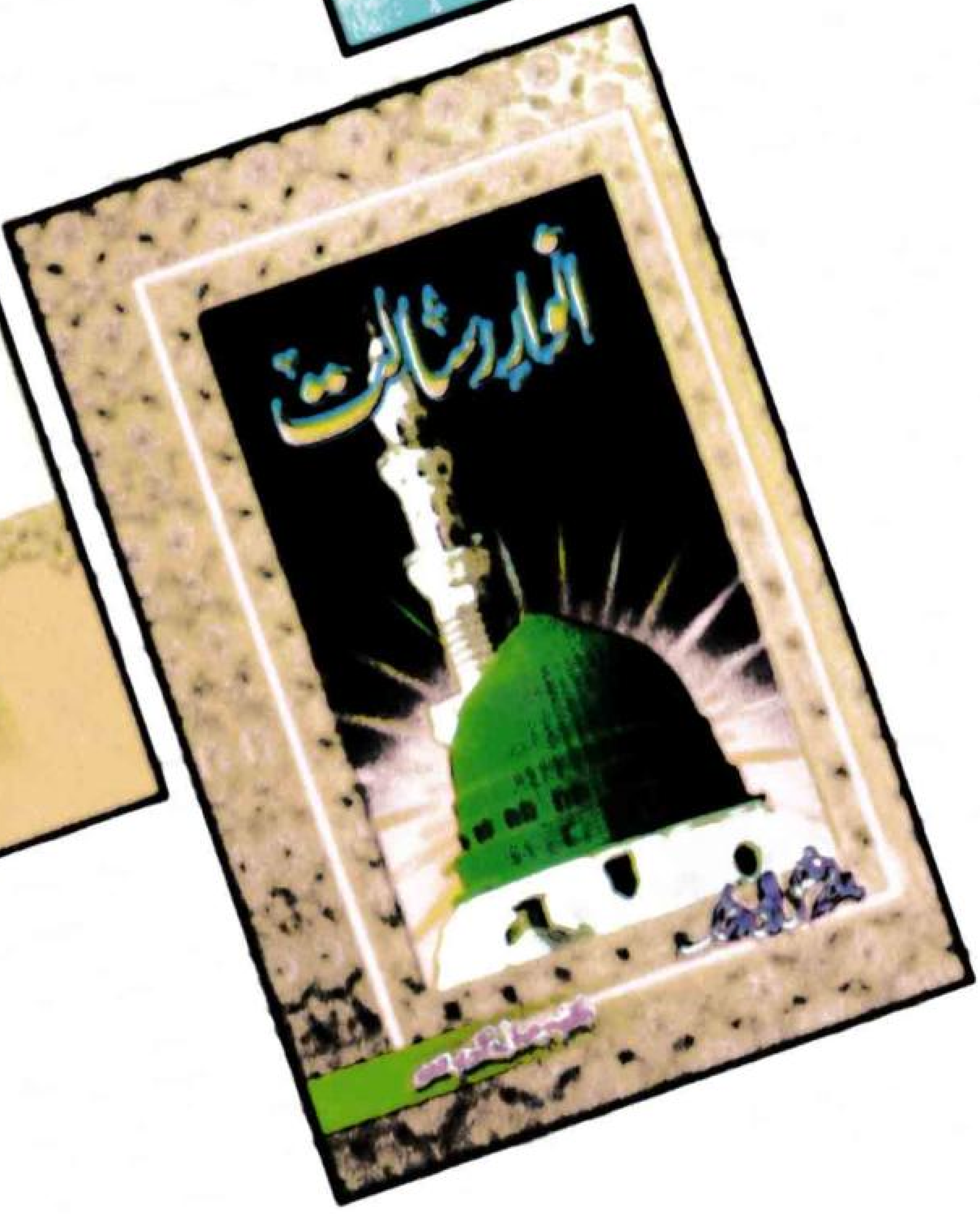


ملنے کا پتہ مکتبہ جمال کرم مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
marfat.com
Voice: 92-42-7324948 Mobile:0321-4300441